اردو زبان کے صرف و نحو کی جامع ترین کتاب
سائی ارباب ذوق
0305 6406067
PDF Book Company
اُردو قواعد
المعروف
مصباح القواعد
تصنیف
مولوی فتح محمد خان صاحب جالندھری
تشکیل نو
کلیم الٰہی امجد

اُردو زبان کے قواعد وصرف ونحو کی جامع ترین کتاب

اُردو قواعد

المعروف

مصباح القواعد

تصنیف

مولوی فتح محمد خان صاحب جالندھری

تشکیل نو

کلیم الٰہی امجد

عبداللہ اکیڈمی
میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور
فون: 042-37241382

نام کتاب ......☆...... اُردو قواعد المعروف مصباح القواعد

تصنیف ......☆...... مولوی فتح محمد خان صاحب جالندھری

تشکیل نو ......☆...... کلیم الٰہی امجد

ناشر ......☆...... سلمان منیر

پروف ریڈنگ ......☆...... نجم الحسن

پرنٹرز ......☆...... زین ناصر شہزاد پرنٹرز، لاہور

کمپوزنگ ......☆...... گل گرافکس

اشاعت ......☆...... 2017ء

قیمت ......☆...... روپے

استدعاء

پروردگار عالم کے فضل و کرم اور مہربانی سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرمادیں ان شاءاللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا نشاندہی کے لیے ہم آپ کے بے حد مشکور ہوں گے۔ شکریہ۔ (ناشر)

فہرست

مقدمہ

علمِ زبان کا وہ شعبہ جو کلام انسانی کی تنظیم اور تحلیل و ترکیب سے متعلق اصول و ضوابط کا سراغ لگا کر انھیں مرتب و مدون کرتا ہے عام طور پر اردو میں اسے "قواعد" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس میں الفاظ پر کلام انسانی کے اجزا ہونے کی حیثیت سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔ انگریزی میں اسے "گرامر" کہتے ہیں۔ لفظ "گرامر" انگریزی کے مشہور لغت ویبسٹر (Webster) کے مطابق لفظ "گرام" سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں لکھنا۔ اصطلاحاً اس سے مراد مکتوبی جملے میں الفاظ کی قسموں، تبدیلیوں اور تعلقات کا مطالعہ ہے۔ عربی میں اس شعبۂ علم کے لیے "صرف و نحو" کی ترکیب مستعمل ہے۔ سنسکرت اور ہندی میں اسے "دیاکرن" یعنی تجزیہ کلام کا نام دیا گیا ہے۔ فارسی میں اسے "صرف و نحو" کے علاوہ "دستورِ زبان" یا "قواعدِ زبان" بھی کہتے ہیں۔ اُردو میں بھی اسی کے پیش نظر صرف و نحو کو "قواعدِ زبان" کا نام دیا گیا ہے۔ تاہم "ڈاکٹر سہیل بخاری" کے مطابق اس شعبۂ علم کے لیے یہ نام مناسب نہیں۔ وہ اس شعبۂ علم کے لیے "نظامیات" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

موصوف کے مطابق:

> "سنسکرت اور ہندی میں اسے (قواعد کو) دیاکرن یعنی تجزیہ کلام کا نام دیا گیا ہے اور فارسی میں اسے صرف و نحو کے علاوہ دستورِ زبان یا قواعد زبان بھی کہتے ہیں۔ اور غالباً یہیں سے اردو کے علمائے صرف و نحو نے یہ نام مستعار

لے کر اس شعبہ علم کا نام "قواعدِ اردو" رکھا ہے۔ لیکن یہ نام درست نہیں
ہے، کیونکہ قواعد، قاعدے کی جمع ہے اور قاعدے اور اصولِ زبان کے
دوسرے شعبوں یعنی صوتیات، لفظیات (اشتقاقیات)، معنویات اور املا
وغیرہ میں بھی ملتے ہیں اور بیان کیے جاتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ قواعدِ اردو کا
نام ان تمام قاعدوں اور اصولوں کو محیط نہیں ہے۔ یعنی زبان کے ہمہ جہتی
مطالعے کے جملہ قوانین پر مشتمل نہیں ہے، بلکہ صرف و نحو کے صرف
ایک شعبے تک محدود ہے۔ اس لیے صرف موجودہ شعبے ہی کو قواعدِ اردو کا
نام دینا غلط ہے۔ اس کا بہتر نام "نظامیات" ہے جو اجزائے کلام کے باہمی
روابط اور الفاظ اور جملوں کے نظام سے بحث کرتا ہے۔"

(نظامیاتِ اردو، مغربی پاکستان اکیڈمی، لاہور 1999 ص 10)

ڈاکٹر سہیل بخاری صاحب کی رائے اگرچہ صائب ہے۔ انھوں نے اُردو صرف و نحو پ
اپنی کتاب کا نام بھی "نظامیاتِ اردو" ہی رکھا۔ لیکن "قواعد" کی اصطلاح اس قدر رائج ہو
چکی ہے کہ موصوف کی رائے پر عمل کرنا ایک مشکل سا امر ہو گا اور اس میں کوئی اچنبھے کی
بات بھی نہیں۔ سائنس سمیت دیگر بہت سے علوم میں ایسی اصطلاحات کثرت سے ملتی ہیں
جن کے لفظی مفہوم اور اصطلاحی مفہوم میں کوئی مماثلت کا عنصر نہیں ملتا۔ کون نہیں جان
کے طبعی سائنسز کی بنیادی اصطلاح "ایٹم (Atom) کا لفظی مفہوم ایسی شے ہے جس کی مزید
تقسیم ناممکن ہو۔ لیکن یہ بھی ہر کوئی جانتا ہے کے ایٹم اب قابلِ تقسیم ہے بلکہ وہ بنیادی
ذرات جن سے اس کی تشکیل و ترکیب ہوتی ہے وہ اپنی جگہ خود قابلِ تقسیم ہیں۔ یہاں کوئی
واویلہ نہیں اٹھتا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ نام درست ہو یا نہ ہو، یہ ایک علیحدہ بحث ہے۔ ا

جان لینا کافی ہے کہ " قواعدِ زبان " کی اصطلاح اب رائج ہو چکی ہے اور اس سے مراد ہے کلام انسانی کی تنظیم اور تحلیل و ترکیب سے متعلق اصول و ضوابط پر مشتمل علم۔ اس کے لیے اُردو دان طبقے میں " صرف و نحو " کی ترکیب بھی رائج ہے۔

قواعد کے حوالے سے ایک اور بات بھی اہم ہے۔ وہ یہ کہ کسی بھی زبان کی پیدائش یا اس کی ابتدائی نشو و نما قواعد و ضوابط اور اصولوں کی مرہونِ منت نہیں ہوتی، بلکہ قواعد اور اصول و ضوابط، زبان کی نشو و نما کے ایک خاص دور میں آہستہ آہستہ متعین ہوتے رہتے ہیں اور خود بولنے والوں کی گفتگو سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ کوئی لسانی گروہ ایک لفظ کو کس طرح ادا کرتا ہے؟ اس گروہ میں کلام میں الفاظ کی ترکیب و ترتیب کس طرح سے مستعمل ہے؟ یہی قواعد نویسی کا نقطۂ آغاز ہے۔ ہاں جب زبان ایک خاص دَور میں پہنچ جاتی ہے اور قواعد و ضوابط ایک دفعہ مرتب اور واضح ہو جاتے ہیں تو پھر یہ ایک معیار اور سند کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ اہل زبان کو پھر بھی ان میں تصرف کا حق ہوتا ہے۔ یہی حقِ تصرف اہل زبان اور غیر اہل زبان میں امتیاز قائم کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قواعد و ضوابط مرتب ہو چکنے کے بعد بھی اہل زبان کی گفتگو میں اس سے انحراف کی مثالیں ملتی ہیں۔ کسی زبان کے شعراء و ادباء قواعد سے انحراف بھی کرتے ہیں۔ خود اُردو اساتذہ کے ہاں اس طرح کی کئی ایک مثالیں ہیں۔ کسی زبان کی تفہیم و تحصیل میں قواعد کی جانکاری کی حیثیت اگرچہ بنیادی ہے تاہم یہی سب کچھ نہیں۔ کسی زندہ زبان کی تحصیل اس کی لغات اور کتبِ قواعد کے وسیلے سے مکمل طور ممکن نہیں ہوتی۔ اس کے لیے اہل زبان کی صحبت اور زبان کے زندہ محاورے اور روزمرے سے واقفیت ایک ناگزیر شرط ہے۔

☆

اہل زبان کو اپنی زبان کی قواعد کی ترتیب و تدوین کی ضرورت پڑتی ہے یا نہیں؟ قواعد کی جانکاری کی ضرورت صرف غیر اہل زبان کو ہوتی ہے یا اہل زبان کو بھی اس کی اتنی ہی ضرورت ہوتی ہے؟ اہل زبان کے لیے قواعد کی جانکاری کیوں ضروری ہے؟ یہ سوالات بہت اہم اور بنیادی نوعیت کے ہیں۔ کسی زبان کے بولنے والوں میں جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ آہستہ آہستہ ماں، باپ، بہن، بھائیوں، دوستوں، سہیلیوں، گھر سے باہر دوسرے بچوں کے ساتھ زبان سیکھتا ہے اور اسی قاعدے، محاورے، روزمرے اور اصول کے مطابق سیکھتا ہے جو اس زبان کے بولنے والوں کا محاورہ ہوتا ہے۔ اس لیے اہل زبان کو زبان سیکھنے کے لیے قواعد کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن کسی دوسرے زبان کا بولنے والا جب کوئی نئی زبان سیکھتا ہے تو وہ اس زبان کے قواعد کی طرف توجہ کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ زبان سیکھنے کا یہ طریقہ مادری زبان کے حصول کے طریقے سے مختلف ہے۔ اگر قواعد نویسی کی تاریخ پر ایک نظر ڈالی جائے تو یہ بات اور وضح ہو جاتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر زبانوں میں قواعد کی ترتیب و تدوین، اہل زبان سے پہلے دوسری زبان والے کرتے ہیں۔ اگرچہ مقاصد کچھ بھی ہوں لیکن نئی زبان کے سیکھنے کے لیے اس کے قواعد کا علم بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اہل زبان کو قواعد نویسی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ قواعد نویسی کی تاریخ میں موجودہ قدیم ترین تاریخی قواعد جو پانِنی کی تصنیف "اشٹ ادھیائے" ہے اس کا ایک نمونہ ہے۔ کیا پانِنی کسی غیر زبان کا بولنے والا تھا؟ کیا وہ قواعد نویس جن کا ذکر پانِنی نے اپنی تصنیف میں کیا ہے غیر اہل زبان تھے؟ نہیں! ایسا نہیں ہے۔ دراصل بات یہ تھی کہ سنسکرت کی ویدک صورت عام بولی جانے والی زبانوں سے رفتہ رفتہ بہت دُور ہوتی چلی جارہی تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ویدوں کو اُس وقت تک ضبطِ تحریر میں نہیں لایا گیا تھا۔ ایک نسل سے

دوسری نسل اور ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک منتقل ہوتے ہوتے ویدوں کی عبارت میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور یہ خطرہ تھا کہ اگر اس زبان کے قواعد اور اصول مرتب و مدون نہ ہوئے تو یہ انتشار اور خلفشار اور بڑھے گا اور شاید آگے چل کر یہ زبان بالکل ناقابلِ فہم ہو جائے۔ ایک مرتبہ ان اصول وضوابط کو خود ویدوں سے مستخرج کر کے ان کو مدون و مرتب کیا گیا اور اس طرح ویدی سنسکرت کی پہلی قواعد وجود میں آئی۔ یونان میں بھی ایسی ہی صورتِ حال تھی۔ اہلِ یونان جب ہومر کے کلام کی ترتیب و تدوین اور تشریح و تفسیر کی طرف متوجہ ہوئے تو انھیں بھی ہومر کی زبان اور محاورے میں اجنبیت کا احساس ہونے لگا۔ خود ہومر کی تصانیف کے جو نسخے مختلف علاقوں میں رائج تھے، ان میں بھی اختلاف تھا۔ اس لیے اہلِ یونان نے ہومر اور دیگر قدیم اساتذہ کی تصانیف کو صحت اور تنقید کے ساتھ شائع کرنے کا کام شروع کیا۔ اس مقصد کے لیے یونانی زبان کے قواعد، اصول و ضوابط کے مطالعے اور تدوین و ترتیب کا آغاز ہوا۔ پہلا شخص جس نے یونانی زبان کے قواعد کی طرف باقاعدہ توجہ کی ڈایونی سس (Dionysius) تھا۔ یہ تھریس کا باشندہ تھا لیکن اسکندریہ میں قیام پذیر رہا۔ اس نے یونانی زبان کے بارے میں اپنے پیشروؤں کے خیالات کا مطالعہ کیا اور پھر ایک معلم کی حیثیت سے اس نے اپنے شاگردوں کی تعلیم و تربیت کے لیے یونانی زبان کی قواعد لکھی۔ ان شاگردوں میں رومی نژاد بھی تھے جن کی تعلیم کے لیے خاص طور پر اس قواعد کی ضرورت تھی۔ انھی رومیوں نے آگے چل کر لاطینی قواعد مرتب کی جس میں انھوں نے اپنی زبان کے ڈھانچے کا مطالعہ کیا۔ ڈایونی سس (Dionysius) کی تصنیف چار سو سطروں پر مشتمل ایک مختصر رسالہ ہے۔ لیکن اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بعد کی تصانیف پر اس تصنیف کا بہت گہرا اثر پڑا۔ رومیوں میں پہلا قابلِ ذکر ماہر

لسانیات وارد تھا جس کا زمانہ 116ق۔م سے 27ق۔م کا ہے۔ اس نے "لاطینی زبان" کے عنوان سے چوبیس جلدوں میں اس زبان کا تجزیہ کیا۔ اس کی تصنیف کا اکثر حصہ ضائع ہو گیا اور صرف چھ جلدیں (جلد پنجم تا دہم) دستیاب ہوئی ہیں۔

جب ہم عربی زبان کی صرف و نحو کی ابتدا پر نظر ڈالتے ہیں تو یہاں بھی ایسی ہی صورت حال پیش آئی۔ قران پاک کے الفاظ کی صحت قائم رکھنے کے لیے سب سے پہلے زبان کی نحو کی تدوین کی ضرورت پڑی۔ عام روایت کے مطابق ابوالاسود دُئلی پہلا شخص تھا جس نے علم نحو کی بنیاد ڈالی۔ یہ شخص حضرت علی ابن طالب (رضی اللہ عنہ) کا شاگرد تھا۔ ابوالاسود نے ایک شخص کو قران کی آیت غلط پڑھتے ہوئے سن کر یہ خیال ہوا کہ اگر خدانخواستہ یہ حالت رہی تو اندیشہ ہے کہ قران پاک کے معنی کچھ کے کچھ ہو جائیں گے۔ ابتدا میں عربی رسم الخط ایسا تھا کہ اس میں نقطے اور اعراب کا رواج نہیں تھا۔ اس لیے انھیں نقطے اور اعراب ایجاد کرنے پڑے۔ صرف و نحو کا خیال بھی اسی قسم کے واقعات سے پیدا ہوا۔ خصوصاً جب اہل عجم مذہب اسلام میں داخل ہوئے اور عربی زبان کا اثر وسیع ہونے لگا تو اہل عجم، زبان کے بولنے میں طرح طرح کی غلطیاں کرنے لگے۔ زبان کے مسخ اور خراب ہونے کا اندیشہ ہوا۔ تب ابوالاسود کی تحریک پر حضرت علی ابن طالب (رضی اللہ عنہ) نے نحو کا پہلا قاعدہ بتایا کہ "سارا کلام اس سے خالی نہیں کہ یا تو اسم ہو گا یا فعل یا حرف" چنانچہ اس طرح ابوالاسود نے اوّل اوّل علم قواعد کی تدوین کی۔ بعد میں کوفہ بصرہ یں نحویئں کے باقائدہ دبستان قائم ہوئے جن کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔ عربی صرف و نحو کی تدوین میں عجمی علمانے زیادہ حصہ لیا۔ عہد عباسی میں اس فن پر بڑی بڑی ضخیم کتب لکھیں گئیں اور اس میں ایسی ایسی بحثیں اور نزاکتیں پیدا ہوئیں کہ یہ علم پیچیدہ تر ہوتا گیا اور علم فلسفہ کے ہم

مرتبہ حیثیت اختیار کر گیا۔ اردو میں صرف و نحو کی اصطلاحات بہت حد تک عربی سے مستعار ہیں۔

عربی کے بعد فارسی قواعد نویسوں کا دور آتا ہے۔ اوّل تو، خود عربی صرف و نحو کی تدوین میں عجمیوں نے ایسی کوششیں کیں کہ اس فن میں باوجود اس امر کے کہ اہلِ عرب اپنی دانست میں ان کو گونگا سمجھتے تھے اور اپنی فصاحت و بلاغت کو دنیا میں اپنی مثال آپ سمجھتے تھے۔ لیکن بالآخر ان کوششوں کی بدولت اہل عرب کو بھی ان کا مرتبہ تسلیم کرنا پڑا۔ اس کے بعد جب خود فارسی میں صرف و نحو کی تدوین کا آغاز ہوا تو قدرتی طور پر فارسی اصول قواعد پر عربی قواعد کا اثر پڑا۔ فارسی صرف و نحو بڑی حد تک عربی صرف و نحو کی تقلید میں لکھے گئے۔ فارسی کے تمام تر اصول و ضوابط انھی سانچوں میں بیان کیے گئے ہیں جو اصلاً صرف عربی کے لیے وضع کیے گئے تھے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ فارسی کی صرف و نحو بنیادی طور پر عربی صرف و نحو کی تقلید ہے۔ اردو پر عربی کے اثرات براہِ راست کم ہیں، لیکن فارسی نے جو کچھ عربی سے لیا تھا، اس میں کچھ اضافوں کے ساتھ اردو تک منتقل کیا اور اردو کے قواعد صرف و نحو، خواہ فارسی قواعد کے زیر اثر مرتب ہوئے ہوں یا فارسی کے وسیلے اور واسطے سے، یہ سلسلہ عربی تک پہنچتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انھیں عربی سے ہی ماخوذ سمجھنا چاہیئے۔

ان اشاروں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قواعد نویسی کی طرف توجہ محض خالص علمی مشغلے کی بنا پر ہی نہیں تھی بلکہ اس کا عملی پہلو پیش نظر تھا۔ یہ مقصد یا تو کسی زبان کے بدلتے ہوئے محاورے کے پیش نظر زبان کی اصل صورت کو قائم اور برقرار رکھنے کا تھا، جیسا کہ سنسکرت کے ابتدائی قواعد نویسوں کے پیش نظر تھا، یا کسی قدیم مصنف یا دور کی زبان کی تفہیم، تعلیم اور تدریس کے لیے اصول و ضوابط مقرر کیے گئے، جیسا کہ یونانیوں نے ہومر

کے مطالعے کی غرض سے یونانی قواعد کی طرف توجہ کی یا پھر ان لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لیے قواعد کی ضرورت پیش آئی جن کو ایک نئی زبان سیکھنی تھی۔ اس موقع پر کبھی تو اہل زبان نے خود اپنی قواعد مرتب کی جیسا کہ بعض قواعد نویسوں کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے۔ یا پھر اس زبان کے نئے سیکھنے والوں نے خود اپنی ضرورت سے اس کے قواعد کا تجزیہ کر کے انھیں قواعد کی صورت میں مرتب کیا۔ رہا یہ سوال کہ نئی زبان سیکھنے کی ضرورت کن وجوہات کی بنا پر پڑتی ہے تو اس پر بحث کی یہاں ضرورت نہیں۔

☆

قواعد نویسی کی تعریف، اسکی ضرورت و اہمیت اور اسکی تاریخ پر مختصر بحث کے بعد مناسب ہو گا کہ اردو میں قواعد نویسی کی روایت پر کچھ بحث کر لی جائے۔ اردو کی قواعد نویسی کی طرف پہلے توجہ یورپین مصنفین نے کی۔ اس کے کئی اسباب ہیں جن پر بحث کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ مختصراً اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ ابتداً یہ مقاصد تبلیغی، تجارتی اور سیاسی نوعیت کے تھے۔ تاہم بعد میں خاص علمی پہلو بھی سامنے رکھے گئے۔ موجودہ دور میں یہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ فن جسے جدید لسانیات کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس میں مختلف موضوعات اور مباحث کے علاوہ زبانوں کے تقابلی مطالعہ کو ایک اہم حیثیت اصل ہے اس کی داغ بیل ہندوستان میں سنسکرت کے مطالعے سے پڑی۔ ساسیٹے (Sassette) نے سولھویں صدی عیسوی (1573-1588) میں ہندوستان میں پانچ سال گزارے اور سنسکرت سیکھی۔ اس کے خطوط جو اس کی وفات کے بعد 1855 میں فلورنس سے شائع ہوئے، اس مطالعے کے شاہد ہیں۔ ان خطوط میں اس نے سنسکرت اور اطالوی

زبان کی بعض مماثلتوں کی طرف اشارہ بھی کیا۔ مثلاً اس نے سنسکرت اور اطالوی زبان کے کچھ مشترک الفاظ کا ذکر کیا۔

اطالوی: Sie, Sette, Otto , Novo ,Dio, Serpe

سنسکرت: Ṣas, Sapta, Astau,Nava, Deva, Sarp

اسی زمانے میں ایک اور مشنری رابرٹس دی نوبلیبس(Robertus de Noblibus) نے جس کا زمانہ 1577-1656 کے درمیان ہے سنسکرت میں اس درجہ کمال پیدا کر لیا تھا کہ بعض روایات کے مطابق اس نے ایک جعلی وید سنسکرت میں مرتب کر ڈالا تھا۔ اس کا بعد "ایزرودیدا" کے نام سے فرانسیسی زبان میں ترجمہ بھی ہوا جو 1788 میں دو جلدوں شائع ہوا۔ ایک ولندیزی مشنری روجر نے راجہ بھرتری ہری کے دو سو اشعار کا سنسکرت سے ولندیزی میں ترجمہ کیا جو ایمسٹرڈرم سے 1651 میں شائع ہوا اور اس کے فرانسیسی اور جرمن میں ترجمے بھی کیے گئے۔ اٹھارویں صدی کے آغاز میں جرمن مشنری ہیگزلیدن نے یورپ میں سنسکرت کی پہلی قواعد لکھی۔ الغرض یورپین مصنفین کا ایک طویل سلسلہ ہے جنھوں نے سنسکرت اور اس کے بعد ہندوستان کی دوسری زبانوں اور بولیوں کی طرف توجہ دی اور قواعد نویسی کی روایت کو فروغ دیا۔ یہاں ولیم جونز کا ذکر کرنا بہت ضروری ہے۔ جونز پیشے کے لحاظ سے کلکتہ کے فورٹ ولیم کی عدالت عالیہ میں چیف جسٹس تھا۔ اس نے 1786 میں سنسکرت کے بارے میں جو کچھ لکھا، اس وقت سے آج تک لسانیات کی معتبر تصانیف میں نقل کیا جاتا ہے۔ سنسکرت کے بارے میں اس کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

"The Sanskrit Language, whatever be its antiquity, is of a wonderful structure, more perfect than the Greek, more copious than the Latin, and more exquisitely refined than either, yet beating to both of them a stronger affinity, both in the roots of verbs and in the forms of grammar, that strong indeed, that no philologer could examine; three without believing them to have sprung from some common source, which perhaps, no longer exists. There is a similar reason, though not quite so forcible, for supposing that both the Gothic and the Celtic. though indeed blended with a very different idiom , had the same origin with the Sanskrit , and the old Persian might be added to the same family ; if this were placed for discussing any question concerning the antiquities' of Persia "

" سنسکرت زبان اسکی قدامت خواہ کچھ بھی ہو، ساخت کے اعتبار سے ایک عجیب زبان ہے۔ یونانی سے زیادہ مکمل، لاطینی سے زیادہ وسیع اور ان دونوں سے کہیں زیادہ شستہ ورفتہ، بایں ہمہ ان دونوں سے اس کا بہت قریبی رشتہ معلوم ہوتا ہے، جو افعال کے مادوں اور دوسری صرفی ونحوی شکلوں میں موجود ہے، جو یقیناً صرف کسی اتفاق یا حادثے کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ یہ رشتہ ایسا مضبوط ہے کہ کوئی ماہر لسانیات جو ان تینوں کا مطالعہ کرے، یہ یقین

کے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان سب کا ماخذ ایک ہے جواب موجود نہیں ہے۔

ایسا ہی سبب جو شاید اتنا قوی نہ ہو گا، گاتھی اور کلتانی، جن میں بلاشبہ اور مختلف محاوروں کا وجود ہے اسی ماخذ سے نکلی ہیں جن سے سنسکرت بھی ماخوذ ہے۔ اور قدیم فارسی کو بھی اسی خاندان میں شامل کیا جا سکتا تھا، اگر یہاں ایران کی قدامت سے متعلق کسی سوال پر بحث کرنے کی گنجائش ہوتی۔"

ولیم جونز نے سنسکرت کے مطالعے کی بنا پر تقابلی لسانیات کی بنیاد رکھی۔ جونز نے سنسکرت کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ اس کے نتیجے میں سنسکرت کے باقاعدہ مطالعے کا رواج ہوا، یہیں سے ایک نئے دور کا آغاز ہوا جس میں یورپی مصنفین نے سنسکرت کے قواعد پر کام کرنا شروع کیا۔ پانی اور دوسرے قدیم قواعد نویسوں کا کام نئے سرے سے مرتب کیا گیا اور اس کی اہمیت واضح کی گئی۔ برصغیر پاکستان و ہند میں فارسی اور اُردو کے قواعد نویس پاننی کے نام اور اس کے کارناموں سے قطعاً ناآشنا معلوم ہوتے ہیں۔ یورپی مصنفین نے پاننی کے کام کو جو اہمیت دی وہ یہاں کے مصنفین نے نہیں دی۔ برصغیر کے قواعد نویسوں کی نظر فارسی اور عربی کے نحویوں سے آگے نہیں بڑھتی۔ عربی اور فارسی علما کو ہی یہاں راہنما بنایا گیا۔ شاید ہمارے قواعد نویس سنسکرت سے واقف نہ تھے اور نہ ہی پراکرتوں اور ان کے ارتقا کی تاریخ سے آگاہ تھے۔ نہ انھیں ہند آریائی زبانوں کی اصل کی تحقیق سے دلچسپی تھی۔ محمد حسین آزاد جب اپنی تصنیف "سخندان فارس" لکھ رہے تھے تو انھوں نے غالباً ولیم جونز کی کسی تصنیف سے اشارہ پا کر قدیم سنسکرت اور قدیم فارسی کے رشتے کی طرف چند اشارات تحریر کیے، لیکن اس سے آگے وہ بھی نہ بڑھ سکے۔ یہ درست ہے کہ جس طرح اردو کے قواعد صرف و نحو کو عربی یا فارسی کے اصولوں پر مرتب نہیں کیا جا سکتا اسی طرح سنسکرت کی

قواعد بھی اردو کے قواعد نویسوں کے لیے مشعل راہ بھی نہیں بن سکتی۔ لیکن یہ بھی درست ہے کہ اردو کی قواعد نویسی میں اردو زبان کا ارتقاو پس منظر اور سنسکرت و پراکریت کے قواعد سے جانکاری بہت اہم ہے۔ یورپ میں سنسکرت کی اہمیت کے احساس اور علم نے جب قواعد نویسی کے فن کو نئی راہوں سے آشنا کیا اور سیاسی، تجارتی اور تبلیغی ضروریات[9] نے یورپ کے مبلغین اور مصنفین کو برِ صغیر کی زبانوں اور بولیوں کے مطالعے کی طرف مائل کیا تو ان میں سے بعض نے اردو کی طرف توجہ دی۔ اردو کی طرف یہ غیر معمولی توجہ اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ یہ برصغیر پاکستان و ہند کی دوسری بولیوں اور زبانوں کو صرف مقامی حیثیت دیتے تھے اور اردو ان کے نزدیک یہاں کی عام بولی کی حیثیت رکھتی تھی۔ ابھی تک ہمارے مصنفین نے اس دور کی معاصرانہ شہادتوں کا پوری طرح مطالعہ نہیں کیا ہے جس سے اس عہد کی تصانیف کی پوری پوری نشاندہی نہیں ہو سکی۔ اس کے لیے پرتگالی ہسپانوی، ولندیزی اور فرانسیسی (وغیرہ) زبانوں سے براہ راست واقفیت ضروری ہے، کیونکہ اردو کے ابتدائی قواعد کے بارے میں کتابیں انھیں زبانوں میں لکھی گئیں تھیں اور اس دور کی اکثر تصانیف کے انگریزی تراجم موجود نہیں ہیں۔ ان کتب میں سے چند ایک قومی کتب خانہ ،اسلام آباد میں ذخیرہ احسان دانش میں دستیاب ہیں، دوسری اگر مل بھی جائیں تو "زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم" والا معاملہ ہو گا۔ اکثر کتابیں یورپ کے کتب خانوں میں ہیں۔ ان ماخذات سے اردو کے اس دور پر نئی روشنی پڑنے اور نئے انکشافات کا خاص امکان ہے۔

ذیل میں اہم یورپین قواعد نویسوں کی کوششوں کی فہرست پیش کی جارہی ہے

نام و کوائف مصنف	نام کتاب	سنہ اشاعت	دیگر تفصیلات
جوشو کیٹلر۔ پروشیا میں پیدا ہوا۔ شاہ عالم اور جہاں دار شاہ کے درباروں میں ولندیزی سفیر کی حیثیت سے آیا۔ 1711 میں سوت کے مقام پر ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ناظم تجارت مقرر ہوا۔ 1716 تک یہیں رہا۔	Gramatica Indostanica ہندوستانی گرائمر۔ لاطینی زبان میں لکھی گئی۔	سن تالیف غالباً 1715 ہے لیکن 1743 میں شائع ہوئی۔ ڈیوڈ مل نے شائع کی۔	کتاب لاطینی زبان میں لکھی گئی لیکن ہندوستانی الفاظ اور عبارتیں رومن حروف میں ہیں ۔ البتہ حروف کے پٹیوں میں ہندوستانی الفاظ بعینہ ایسے ہی لکھے ہیں اور ان کا املا ڈچ زبان کے طریقے پر ہے۔
بنجمن شلز۔ مشنری تھا۔ اس کا کام مذہبی بنیادوں پر تھا۔ جنوبی ہند میں کرناٹک اور مدراس کے مقام پر	Grammatical Indostanica ہندوستانی گرائمر۔ لاطینی زبان میں لکھی گئی۔ ڈاکٹر ابو للیث	سن تالیف غالباً 1741 ہے، جبکہ 1744 میں شائع ہوئی۔	مصنف نے قواعد کے نکات سمجھانے کے لیے مسیحیت کی مثالیں پیش کی ہیں۔ اسی طرح ضمیمہ میں مسیحی

قیام پذیر رہا۔ خاصا متعصب تھا۔ اس نے مسلمانوں کو پاگان (Pagan) یعنی کافر قرار دیا اور ان کے لیے راہِ نجات صرف عیسائیت کو قرار دیا۔	صدیقی نے اس کا ترجمہ کر کے مقدمہ اور حواشی کے ساتھ شائع کر دیا ہے ۔انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے		دعاؤں اور اقوالِ عشرہ (Ten Commandments) کا ترجمہ بھی شامل کیا ہے
ہیڈلے-1763 میں بنگال میں فوج سے منسلک ہوا۔ 1766 میں کیپٹن بنا دیا گیا۔	Hindustani Grammar ہندوستانی گرامر۔ انگریزی میں لکھی گئی۔ 1765 میں سپاہیوں کے لیے قواعد تیار کی جو لندن میں جاکر ترمیم کر کے ہندوستانی گرامر کے نام سے شائع کی۔ کتاب کا مکمل نام یوں ہے	172 میں شائع ہوئی۔ 1774، 1794، 1797، 1802 اور 1809 میں مختلف ایڈیشن شائع ہوئے۔ مصنف کی وفات تک	ڈاکٹر رضیہ نور نے ہیڈلے کو "برطانوی مستشرقین کا باوا آدم" کہا ہے۔ اس نے سنجیدہ علمی تحقیق کی بنیاد ڈالی ۔اس کتاب کو اس عہد کی بیسٹ سیلر کا درجہ حاصل ہے۔ اس کتاب کو ہندوستانی سیکھنے والے انگریزوں کے لیے نصابی کتاب

	A COMPANDIOUS GRAMMAR OF THE CURRENT CORRUPT DIALECT OF JORON OF HINDUSTAN.	اشاعت کا سلسلہ جاری رہا۔ 1802 کے بعد مرزا محمد فطرت لکھنوی نے اس میں اضافے کیے۔	کا درجہ دیا گیا۔
جان گلگرسٹ --- اس کا نام اردو کے محسنوں میں نہائت ممتاز ہے۔ اردو زبان کا کوئی مورخ بھی اس کے ذکر کیے بغیر بھی بات نہیں کر سکتا۔ اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین کو	A grammar of hindustaini language ہندوستانی زبان کی قواعد۔	پہلی مرتبہ 1796 میں اور دوسری مرتبہ 1809 میں شائع ہوئی ۔	ہندوستانی زبان میں لکھی۔ رسالہ گلگرسٹ کے نام سے بھی معروف ہے، میر بہادر علی حسینی نے اسے مرتب کیا۔ مجلس ترقی ادب، لاہور کی طرف سے خلیل الرحمن داؤدی نے

اردو سکھانے کے لیے اردو قواعد پر کام کا آغاز 1787 سے کیا جو انیسویں صدی کے ابتدائی دس سالوں تک جاری رہا۔ اس نے ہندوستانی زبان کی لغت بھی لکھی			مرتب کر کے شائع کروائی۔
جان شیکسپئر۔	اردو گرامر	اول اول 1813 میں شائع ہوئی۔ دوسرا ایڈیشن 1818 میں تیسرا 1826 میں اور چوتھا 1843 میں شائع ہوا۔ چوتھے	

		ایڈیشن میں دکنی زبان کی مختصر سی گرامر کا اضافہ کیا۔ بعد میں ایک ایڈیشن 1858 میں چھپا۔	
ولیم ٹیٹ	مقدمہ زبان ہندوستانی	طبع اول 1827 دوم 18 28 سوم 1833	یہ کتاب تین حصوں میں منقسم ہے۔ یعنی گرامر، لغت اور اسباق زبان دانی
گارساں دتاسی۔ گلکرسٹ کے بعد اردو کا دوسرا بڑا محسن۔ اس کے خطبات بھی چھپ چکے ہیں اور اس نے اردو شعرا کا تذکرہ بھی مرتب کیا	مقالہ قواعد اردو	1838	پیرس میں لکھی گئی۔

ایس-ڈبلیو-بری ٹن	رسالہ قواعد ہندوستانی	1830	
اسٹیفورڈ آرنٹ	جدید خود آموز [illegible] زبان اردو	طبع اول 1831، دوم 1844	یہ کتاب فارسی اور رومن حروف میں ہے اور اس کے ساتھ بطور ضمیمے کے لغت اور مشقی اسباق زبان دانی کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ بہت کارآمد کتاب ہے
ایس-اونٹ	رسالہ قواعد اردو- تشریح واضافہ ڈنکن فاربس	1844	اردو زبان کے قواعد مشرقی اور رومن حروف میں مع آسان انتخابات بغرض زبان دانی، فارسی عربی اور دیوناگری حروف میں بھی لکھے ہیں۔
جیمس آر بالن ٹائن	ہندوستانی گریمر	1844، 1868	لند میں طبع ہوئی
ریورنڈ-جی-سمال	ہندوستانی گریمر	1847،	اس میں اردوادب کے

		1858	کچھ انتخابات بھی شامل کیے گئے ہیں
جے، دت، لوپرا- جرمن عالم	ہندوستانی گریمر	1852	بر . میں طبع ہوئی
کاٹن ماتھر	ہنداستانی قواعد	سن تالیف 1862ء ہے۔ 1876 میں شائع ہوئی	سر مونیر بھس نے مرتب کر کے لندن سے شائع کرائی
جان ڈاسن	ہنداستانی گریمر	1872	
جان پلیٹس	قواعد اردو	1874	لندن سے طبع ہوئی- اعلیٰ درجے کا کام ہے۔
پامر	ہندوستانی فارسی و عربی قواعد	1882	لندن سے طبع ہوئی
ڈبلیو، کیگر	قواعد ہندوستانی	1883	
فان کیوں	قواعد ہندوستانی	1883	
جے، ولسن	اردو گریمر	1882	
اے، سی، ڈل	ہندوستان گریمر	1893	
شلز	ہندوستانی گریمر	1894	لیزگ سے طبع ہوئی

یہ فہرست صرف ان کتب کی ہے جو یورپی مصنفین نے قواعد اردو کے ضمن میں
تالیف کیں۔ ان میں ان کتب کا ذکر نہیں کیا گیا جو کتابیں ان لوگوں نے لغت، ادب اور
دوسرے موضوعات پر لکھیں۔ ان کا ذکر خارج از بحث ہے۔

اہل ہند میں سب سے پہلے اس مضمون پر اردو کے مشہور شاعر میر انشاللہ خان انشا نے
قلم اٹھایا۔ ان کے بعد بہت سے اہل علم نے اس موضوع پر اہم کیے۔ ذیل میں انیسویں
صدی میں اردو قواعد نویسی کے سلسلے میں ہونے والے اہم کاموں کی فہرست پیش کی جاتی
ہے۔

نام و کوائف مصنف	نام کتاب	سنہ اشاعت	دیگر تفصیلات
انشااللہ خان انشا، مرزا قتیل	دریائے لطافت	سن تالیف 1802، اشاعت 1912 میں ہوئی۔	فارسی میں لکھی گئی۔ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی نے اردو میں ترجمہ کیا۔ مقدمہ مولوی عبد الحق نے لکھا اور انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد سے شائع ہوئی۔

روشن علی انصاری	رسالہ صرف و نحو	1810	
سرسید احمد خان	قواعد صرف و نحو زبان اردو۔	ن-د	ابو سلمان شاہ جہاں پوری نے مرتب کر کے 1990 میں کراچی سے شائع کی۔اس کا ایک قلمی نسخہ علی گڑھ یونیورسٹی لائبریری میں ذخیرہ اٹاوہ میں موجود تھا۔ اسے عبدلغفار خان نے بھی مرتب کر کے پہلے "فکر و نظر" (علیگڑھ 1971) میں چھپوایا بعد ازاں انجمن ترقی اردو، کراچی کے رسالے "اردو" (1973)

		--	شمارہ 2) میں شائع ہوا۔ بعد میں انجمن سے کتابی صورت میں 1987 میں شائع ہوا۔ لیکن دونوں کتابوں کے موازنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلمان شاہ جہاں پوری نے جس انداز میں مقدمہ اور حواشی کے ساتھ اسے مرتب کیا، گویا کتاب کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔
محمد حسین آزاد	جامع القواعد	ن-د	اصطلاحات، صرف و نحو اور حروف پر نہایت اعلیٰ مباحث شامل ہیں۔

احمد علی	قواعد صرف و نحو	1845	دہلی بے طبع سے شائع ہوئی۔
مولوی امانت علی شیدا	صرف اردو	1262ھ	کلکتہ سے شائع ہوئی
مولوی محمد علی	مصدر فیوض کا خلاصہ۔مصدر فیوض	1867	لاہور سے طبع ہوئی
مولوی نور محمد چشتی	عجائبات چشتی	1276ھ	لاہور سے طبع ہوئی
مولوی نور احمد چشتی	تحفہ چشتی	1854	لاہور سے طبع ہوئی
امام بخش گورداسپوری	مفتاح الصرف کا خلاصہ بطور سوال و جواب	1893	امرتسر سے شائع ہوئی
پیارے لال	قواعد اردو	1879	لاہور سے شائع ہوئی
رائے درگاہ پرشاد	زبدۃ القواعد (حصہ اول)	1883	لکھنو سے طبع ہوئی
منشی دنی چند	معاون الطلبہ یعنی قواعد اردو کا خلاصہ بطور سوال و جواب	1888	لاہور سے شائع ہوئی

راجہ شیو پرشاد	اردو صرف و نحو	1875	کانپور سے شائع ہوئی
امام بخش صہبائی	رسالہ قواعد صرف و نحو اردو	1845	دہلی سے شائع ہوئی
خواجہ ضیاالدین	فوائد ضیابیا	1878	لاہور سیٔ شائع ہوئی
کریم الدین	قواعد الہندی	1857	آگرہ سے شائع ہوئی
منشی کنہیالال	مفید القواعد	1893	لاہور سے شائع ہوئی
گوجرمل جالندھری	وکیل القواعد	1890	لاہور سے شائع ہوئی
شیو پرشاد	رسالہ صرف و نحو اردو	1881	لکھنو سے شائع ہوئی
مولوی محمد احسن	قواعد اردو (حصہ چہارم)	1886	الہ آباد سے شائع ہوئی
محمد حسن خان	منتخب قواعد اردو	1873	مدراس سے شائع ہوئی
محمد سکندر	منتخب القواعد اردو	1847	مدراس سے شائع ہوئی
منشی محمد یوسف خان	چارباغ (ترجمہ چارگلزار)	1883	لکھنو سے شائع ہوئی
محمد ابراہیم	تحفۃ القفس	1867	کلکتہ سے شائع ہوئی
مکھن سنگھ	شمس القواعد	1898	ہوشیار پور سے شائع

			ہوئی
منشی سول چند	قواعد اردو	1845	دہلی سے شائع ہوئی
مرزا نثار علی بیگ / منشی فیض اللہ خان	رسالہ قواعد اردو (حصہ اول)	1860	دکن، حیدر آباد سے شائع ہوئی
حکیم نجم الدین الغنی رامپوری	قواعد حامدی	1896	بنارس سے شائع ہوئی
پنڈت نوتن داس	مصباح القواعد	1898	ڈیرہ اسماعیل خان سے شائع ہوئی
ہیرا لال موتی	قواعد اردو یعنی اردو زبان کی قواعد	1892	لاہور سے شائع ہوئی
	تعمیل القواعد (حصہ دوم)	1895	کلکتہ سے شائع ہوئی
	رسالہ صرف و نحو اردو تلخیص جدید (دوسرا حصہ)	1881	لکھنو سے شائع ہوئی
	قواعد اردو	1870	لاہور سے شائع ہوئی
	مقدمہ قواعد ہندوستانی برائے	1842	مدراس سے شائع ہوئی

	افادہ طلبہ		

قواعد کی ان کتابوں کے بعض مولفین کے اسما پر نظر ڈالنے سے فوراً یہ احساس ہوتا ہے کہ ان میں سے انشا، سر سید، محمد حسین آزاد، مولوی نور احمد چشتی، امام بخش صہبائی اور پیارے لال کے علاوہ شاید ہی کوئی اور موروف نام ہو۔ غالباً یہ تمام کتابیں درسی ضرویات کو سامنے رکھتے ہوئے لکھی گئیں۔ چند ایک کو چھوٹ کر زیادہ تر کی اہمیت اب محض کتابیاتی ہے۔ البتہ بیسویں صدی میں اہل علم نے قواعد نویسی کے سلسلے میں جو کام کیا وہ محض درسی نہیں بلکہ اس کی جداگانہ افادیت بنتی ہے۔ ذیل میں بیسویں صدی میں قواعد کی اہم کتب کی فہرست پیش کی جاتی ہے

نام مولف	نام کتاب	سنہ اشاعت	مقام اشاعت
مولوی محمد احسن	قاعد اردو	1904	الٰہ آباد
شیخ برکت علی	ہندوستانی گرامر	1905	
مولوی عبدالحق	اردو قواعد	1914	لکھنو
مولوی عبدالحق	اردو صرف و نحو	1934	دہلی
فتح محمد جالندھری	مصباح القواعد	1945	رامپور
محمود رضوی مخمور آبادی	اردو زبان اور اسالیب	1961	کراچی
ڈاکٹر ابو للیث صدیقی	اردو قواعد	1969	کراچی
ڈاکٹر ابو للیث صدیقی	جامع القواعد (حصہ	1971	لاہور

	صرف)		
ڈاکٹر ابو للیث صدیقی	ترجمہ ہندوستانی گرامر از بنجمن شلز	1977	لاہور
کلب علی نادر	تلخیص معلیٰ (مرتب: انصار اللہ)	1975	کراچی
علی حیدر طباطبائی	تعریف النحو		حیدر آباد
ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان	جامع القواعد (حصہ نحو)	1973	لاہور
اسماعیل میرٹھی	قواعد کی پہلی کتاب		حیدر آباد، دکن
اسماعیل میرٹھی	قواعد کی دوسری کتاب		حیدر آباد، دکن
آرزو لکھنوی	نظامِ اردو	1979	لکھنو
جلال لکھنوی	قواعد المنتخب	1950	لکھنو
ڈاکٹر شوکت سبزواری	اردو قواعد (موصوف کی وفات کے باعث یہ کام ادھورہ رہ گیا)	1986	کراچی
پنڈت برجموہن دتا	کیفیہ	1942	دہلی

تریہ کیفی			
عصمت جاوید	نئی اردو قواعد	1981	دہلی
ڈاکٹر اقرار حسین خان	اردو صرف و نحو	1954	دہلی
ڈاکٹر محترمہ حبیب ضیا	دکنی زبان کی قواعد	1969	کراچی
ابوالخالد	نئی قواعد	1969	کراچی
ضوابط اردو	محمد زین العابدین فرحاد		
ڈاکٹر افتخار حسین خان	اردو صرف و نحو		دہلی
نسیم امروہوی	جدید آئینہ اردو		لاہور
ڈاکٹر سہیل بخاری	نظامیات اردو	1999	لاہور

موجودہ صدی میں بھی اس سلسلے میں اہم اضافے ہوئے۔ چند مشہور کتب کا ذیل میں کیا جارہا ہے

محمد انصار اللہ	اردو صرف	2005	علی گڑھ
منصف خان سحاب	نگارستان	2004	لاہور
ماہ لقا رفیق	اردو قواعد اور انشا	ن-و	لاہور

		پردازی(دوحصے)	
ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ	شمالی ہند کی اردو کی تاریخی قواعد(1600تا1860)		پی-ایچ-ڈی مقالہ، علیگڑھ
سہیل عباس خان بلوچ	بنیادی اردو قواعد	2010	اسلام آباد
وقار احمد رضوی	اردو، عربی فارسی انگریزی گرامر	2012	اسلام آباد
شیریں زادہ خدو خیل	آئین اردو	2012	لاہور

بیسویں صدی میں چند یورپین مصنفین نے بھی اردو قواعد پر کچھ بہت ہی اعلیٰ پائے کی کتب تحریر کیں۔ ان میں سے روتھ لیلیٰ شمت کا نام بہت اہم ہے۔ شمت کی اردو قواعد پر تصنیف Urdu : An Essential Grammar انگریزی میں 1999 میں چھپی۔ یہ کتاب بہت معروف ہوئی۔ اس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ انگریزی میں مرزا خلیل احمد بیگ کی اردو قواعد پر تصنیف Urdu Grammar: History and Structure بھی اہم کتاب ہے جو کہ 1988 میں دہلی سے شائع ہوئی۔

☆

آخر میں زیر نظر کتاب مصباح القواعد اور اسکے مصنف کے حوالے سے کچھ اہم باتیں پیش خدمت ہیں۔ مولوی فتح محمد خاں جالندھری کے آباد اجداد یوسف زئی افغان تھے۔ ان کے پردادا محمد خاں ہندوستان آئے۔ پہلے رام پور رہے پھر پنجاب میں سکونت پذیر ہوئے۔

محمد خاں کے پوتے شاہ محمد خاں ٹانڈہ ضلع ہوشیار پور (پنجاب) میں تھے۔ وہیں 1864ء میں
ان کے ہاں فتح محمد خاں پیدا ہوئے۔ شاہ محمد خاں بہ سلسلہ ملازمت جالندھر آئے اور وہیں
سکونت اختیار کرلی۔ اور اسی نسبت سے جالندھری مشہور ہوئے۔ مولوی فتح محمد خاں کے نام
کے ساتھ بھی جالندھری کا اضافہ اسی سبب سے ہے۔ مولوی صاحب بچپن ہی سے بڑے
ذہین تھے۔ سولہ سال کی عمر میں عربی فارسی کے علوم متداولہ کی تکمیل کرلی۔ تعلیم سے
فارغ ہوکر ملازمت کی طرف رجوع کیا۔ مصباح القواعد اور دیگر درسی کتابیں اسی زمانہ میں
تصنیف کیں۔ لیکن ملازمت سے جلدی سبکدوش ہوگئے۔ اور تصنیف و تالیف کو مشغلہ بنایا۔
ایک رسالہ بھی اردو کے نام سے جاری کیا۔ مذہبیات اور زبان دانی سے خاص دلچسپی تھی۔
سخن فہمی اور صرف و نحو میں بھی کمال رکھتے تھے۔ قرآن مجید کا مشہور ترجمہ "فتح الحمید"
فارسی صرف و نحو کا رسالہ "زبدۃ القواعد" اور اردو کی بلند پایہ گرائمر "مصباح القواعد" آپ
کے نام کو زندہ جاوید رکھنے کے لیے کافی ہیں۔ ان کے علاوہ ارشاد القران، القسام، الیاقوت
والمرجان۔ الورد والریحان، منہاج القواعد اور مبادی القواعد آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔
مولوی صاحب کی تمام عمر علمی مشاغل میں گزری، سر سید احمد خاں، خواجہ الطاف حسین
حالی، مولانا شبلی نعمانی، ڈاکٹر نذیر احمد، نواب مرزا داغ دہلوی شمس العلما مولوی سید ممتاز علی
اور دیگر فضلائے عصر سے آپ کے دوستانہ مراسم تھے۔ ان کے فرزند ارجمند محمد احمد خان
صاحب ذاکر بھی اعلی پایہ کے ادیب ہیں۔ جالندھر کی مشہور اسلامی زنانہ درس گاہ مدرسۃ
البنات کے بانی مولانا عبدالحق صاحب عباس کے دست راست اور مشہور اسلامی
ماہنامہ "پیام اسلام" جالندھر شائع کرتے رہے۔

مولوی فتح محمد خاں جالندھری کی یہ مشہور و معروف کتاب "مصباح القواعد" کسی تعاون کی محتاج نہیں۔ مرحوم خوش تھے کہ ان کی سعی کے بغیر یہ کتاب محض اپنی خوبیوں کی بنا پر پنجاب یونیورسٹی کے نصاب میں داخل کرلی گئی۔ اس کے بلند پایہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ 1903 میں اُردو کی سب سے بڑی جماعت انجمن ترقی اُردو نے اپنی طرف سے اُردو زبان کے قواعد پر ایک مکمل اور بسیط کتاب تیار کرانے "کا ارادہ ترک کرکے اس کتاب کو اضافہ، ترمیم اور اصلاح کے بعد اپنالیا۔ مصنف کا انداز بیان سلجھا ہوا ہے۔ البتہ کہیں کہیں بعض باتیں طالب علموں کے نقطہ نظر سے چاہتی ہیں۔ طریق استناد و استدلال پُر لطف ہے۔ بلاشبہ مرحوم کی تحقیق و تفحص اور تلاش و جستجو کی جس قدر بھی داد دی جائے کم ہے۔ اسی بنا پر اس کتاب کی تعریف میں مولوی علی حیدر طباطبائی، مولوی عبدالغنی بہاری، شمس العلماء مولوی سید ممتاز علی، رائے بہادر پیارے لال انسپکٹر مدارس شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ دہلوی، ڈاکٹر سر محمد اقبال، خلیفہ عماد الدین، مولوی سید کرامت حسین فیلو الہ آباد یونیورسٹی اور لالہ شیولال انسپکٹر مدراس اور دیگر اہل علم و فضل رطب اللسان تھے۔ اس کتاب کے کئی ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔ کئی ایڈیشنوں میں مرتبین حضرات نے تبدیلیاں بھی کیں اور اسناد وغیرہ کو حذف کر دیا گیا۔ تاہم کتاب کی افادیت اسی میں تھی کہ اسے اصل حالت میں طبع کیا جاتا۔ موجودہ ایڈیشن کی بنیاد اس نسخے پر جسے محمد مقتدی خان شیرانی کے اہتمام سے مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ کی طرف سے 1928ء میں طبع کیا گیا۔ مولانا نے کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلا حصہ صرف پر مشتمل ہے جبکہ دوسرا حصہ نحو پر مشتمل ہے۔ کتاب کے شروع میں ایک عالمانہ دیباچہ ہے جس میں عربی، فارسی اور اردو زبانوں کے بولنے والوں پر اظہار افسوس کیا گیا ہے کہ وہ اپنی زبانوں کی حفاظت کے

لیے خاطر خواہ انتظام کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ کتاب کے دیباچے سے معلوم ہاتا ہے کہ کتاب اہل پنجاب کے لیے لکھی گئی ہے۔ کتاب کی وجہ تصنیف کا بیان دیباچے میں یوں بیان کیا گیا ہے:

"المختصر جب کہ پنجاب میں اردو زبان کا مذاق پیدا ہو گیا ہے کہ اور روز بروز ترقی کرتا جارہا ہے اور جب کہ لوگ عموماً اردو بولنے لگے ہیں اور جب کہ کثیر التعداد اخبار اور رسالے اردو میں شائع ہو رہے ہیں۔ اور جب کہ بے شمار کتابیں اردو میں تصنیف و تالیف ہو چکی ہیں اور ہو رہی ہیں اور جب کہ اردو کی کتابیں مدارس میں داخل تعلیم ہیں تو اہل پنجاب کے لئے ایک ایسی کتاب کی جو ان کو صحیح اردو بولنی سکھائے نہایت ضرورت ہے۔ مگر ایسی کتاب تصنیف کرے کون۔ ظاہر ہے کہ یہ کام ان بزرگانِ اہل زبان کا ہی جو قلمروِ اردو کے بادشاہ ہیں۔ مگر ان کو اور مشاغل ہی سے کہاں فرصت ہے کہ قواعد کے جمع کرنے کی طرف توجہ ہوں"

مزید فرماتے ہیں:

"چونکہ کسی اعلیٰ درجے کے اہل زبان کو اس طرف متوجہ ہوتے نہیں دیکھتا تھا اور ترتیب قواعد کی ضرورت معلوم ہوتی تھی اس لیے خیال کرتا تھا کہ اگر ضروری قواعد جن کا جاننا اہل پنجاب کو نہائت ضرور ہے جمع کر دیے جائیں تو ان سے طلاب اور شائقین اردو کو صحیح اردو جاننے میں بہت مدد ملے گی۔ پس اس کتاب میں جو کچھ میں نے کیا ہے وہ یہی ہے"

کتاب کے خصائص کی طرف بھی خود ہی اشارہ فرماتے ہیں:

"ایک نئی بات میں نے یہ کی ہے کہ جس طرح تمام زبانوں کے قواعد کی کتابیں روکھی پھیکی اور سیٹھی ہوتی ہیں۔ اس کتاب کو بے لطف نہیں رکھا۔ بلکہ مناسبِ مقام کہیں کہیں حکایاتِ شیریں اور لطائف و ظرائفِ نمکین سے لذیذ کر دیا ہے۔"

"حکایات شیریں اور لطائف و ظرائف نمکین" کے علاوہ ایک اور بات کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے۔ مولوی صاحب نے اسناد کے طور پر اساتذہ کے اشعار بکثرت دیے ہیں۔

"اشعار ادبیات جن سے اس رسالے میں جابجا اشتہاد کیا گیا ہے۔ ان کے پڑھنے سے معلوم ہو گا کہ میں نے ان کے انتخاب کرنے میں کس قدر احتیاط کی ہے۔ کوئی شعر ایسا نہیں لکھا جس میں شاعر نے خلاف تہذیب مضمون باندھا اور ناپاک خیال ظاہر کیا ہو۔ جتنے شعر اس کتاب میں لکھے گئے ہیں سب باستثنائے مبالغہ ان عیوب سے پاک ہیں جن کے سبب ایشائی شاعری بدنام ہو رہی ہے۔ اشعار کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ کتاب ادبِ اردو کے گلہائے رنگا رنگ کا ایک خوشنما گلدستہ نہیں بلکہ دل کش گلشن بے خار ہے۔"

یقیناً ایسا ہی ہے۔ لیکن بطور اسناد شعرا کے کلام کے اندراج کے حوالے سے ایک اہم بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ شعرا اور بالخصوص اردو شعرا میں یہ بات اکثر پائی جاتی ہے کہ مضمون اور ضروریاتِ شعری کے تحت الفاظ کے استعمال اور صرف و نحو کے ضوابط سے انحراف کر لیا جاتا ہے۔ کیا اہل زبان کے روزمرہ سے اختلاف قواعد سے روگردانی کے زمرے میں نہیں آتا؟ شعرا اور استاد شعرا ہی زبان کا لب ولہجہ متعین کرتے

ہیں اور ان کا فرمایا یقیناً مستند مانا جاتا ہے۔ تاہم طے شدہ اصول و ضوابط سے انحراف کے بارے میں اہل علم کا رویہ ہونا چاہیے؟ اس کا فیصلہ میں نہیں کر سکتا۔ بطور اسناد اشعار کا حوالہ دینا تحریر میں یقیناً دلفریبی پیدا کرتا ہے تاہم اس معاملے میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ بصورت دیگر قواعد کی تفہیم متاثر ہونے کا خدشہ موجود رہے گا اور مبتدیوں کے لیے تو یہ خدشہ زیادہ اہم ہے۔

اردو قواعد کے ذخیرے میں طلبا کے لیے جو بہترین کتابیں میسر ہیں ان میں مولوی عبدالحق کی کتاب "قواعد اردو" اور مولوی فتح محمد جالندھری کی کتاب "مصباح القواعد" اہم ترین کتب ہیں۔ "اول الذکر کی اشاعت "انجمن ترقی اردو، کراچی" اور چند دیگر اداروں کی طرف سے اہتمام کے ساتھ جاری ہے، تاہم موخر الذکر کتاب ایک عرصہ سے گوشہ گمنامی میں تھی۔ اس قدر اہم تصنیف یقیناً اس قابل تھی کہ اس کی طباعت جدید بنیادوں پر کی جاتی۔ مشتاق بک کارنر کے روح درواں "خالد بٹ" صاحب کا یہ قدم لائق تحسین ہے۔ امید ہے کہ وہ زبان و ادب کو حوالے سے اہم اور گوشہ گمنامی میں پڑی ہوئی دیگر کتب کی اشاعت کا سلسلہ بھی جاری رکھیں گے۔

خیر اندیش

کلیم الٰہی امجد

2-دسمبر-2016

مرید کے

03009436321

قطعہ تاریخ اول از نتائج فکر منشی وجاہت حسین صاحب وجاہت

منشی وجاہت حسین صاحب جھنجھانوی نے اس کتاب کے تین قطعات تاریخ لکھے تھے جن میں سے دو کتاب کے آخر میں درج کیے جاتے ہیں اور ایک یہاں۔ اس قطعے کا مادہ تاریخ نیا انداز رکھتا ہے۔ اسی واسطے اس کو فصیح الملک نواب مرزا خان داغ کے ایماء کے مطابق دوسرے قطعات سے الگ کر دیا گیا۔ ہر چند یہ نئی طرز کی تاریخ ہے مگر فی الحقیقت اس میں تقلید سے کام لیا گیا ہے۔ لیکن اس تقلید سے جس کی نسبت یہ شعر پڑھنا چاہیے کہ

اے عندلیب رنگ اڑا میری آہ کا　　　تقلید میں بھی تار ہے ایجاد کا مزا

اس قطعے سے تاریخ اسی طرح نکلتی ہے کہ سب سے پچھلے مصرع کو جس کے عدد ۴۷۶ ہیں چار عدد میں ضرب دیں جس کی طرف پہلے مصرع میں چار سو کے الفاظ سے اشارہ کیا گیا ہے۔

یہ طرز جہاں سے لی گئی ہے وہ منشی حبیب حسن وحشی دیوبندی کا وہ قطعہ تاریخ ہے جو انہوں نے منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کے ایک دیوان کے چھپنے پر لکھا تھا جس شعر سے تاریخ نکلتی ہے وہ یہ ہے ؎

یہ آنے لگی چار سو سے صدا　　　نیا ہے کلام جناب امیر

اس میں دوسرے مصرعے کے اعداد کو جو ۴۷۴ ہیں چار میں ضرب دینے سے ۱۸۹۶ سال طبع نکلتا ہے فصیح الملک نے ان اشعار کو بہت اچھا لکھا ہے۔ ہم بھی ان کو بہت خوب سمجھ کر یہاں لکھتے ہیں ؎

پرانی سب کتابیں ہیچ ہیں اب　　　ہوئی ممتاز مصباح القواعد
بجا ہے حق بجانب ہے روا ہے　　　کرے گر ناز مصباح القواعد

کریں گے سب ہی خواہانِ اردو ترا اعزاز مصباح القواعد
زباں میں ڈال دی ہے جان تو نے کیا اعجاز مصباح القواعد
یہ تیری شوخیاں ہیں تیرے حق میں پر پرواز مصباح القواعد
پری بن کر اڑے تو انہیں سے یہ ہے اک راز مصباح القواعد
گئی پنجاب سے ہندوستان تک تری آواز مصباح القواعد
تری اک اک ادا پر جان دیں گے ترے جاں باز مصباح القواعد
درِ گنجِ معانی آج تو نے کیا ہے باز مصباح القواعد

کرے گی چار سو عالم میں ظاہر
نئے انداز مصباح القواعد

۱۹۰۴ء = ۴ × ۴۷۶

قطعہ تاریخ طبع سوم

نتیجہ فکر

جناب محمد مستجاب اللہ خاں صاحب مرحوم مقبول شروانی بلونوی

سوسیٹی کے مطبع میں بار سوم ۔۔۔ ہوئی طبع مصباح با آب و تاب
وہ فتح محمد خاں جالندھری ۔۔۔ جو ہیں محترم نزد ہر شیخ و شاب
کتاب ان کی لاریب مصباح ہے ۔۔۔ ز دانیدہ ظلمت بے حساب
لکھائی کا اسلوب بھی خوب ہے ۔۔۔ صفائی چھپائی کی ہے لاجواب
ہوا اس طرح نور اس کا دو چند ۔۔۔ بنی گویا مصباح سے آفتاب
بنا اس سے موضوع مہمل جو تھا ۔۔۔ ہوا اس سے توضیح کا فتح باب
جو صیغے تھے ماضی میں مطلق بعید ۔۔۔ قریب ان کا ہے حال میں اکتساب
نہ باقی رہا شک نہ کچھ احتمال ۔۔۔ تمنا کا حاصل ہوا در ناب
ہے تذکیر و تانیث کا ذکر کیا ۔۔۔ کہ رازے نہ بیروں فتداز حجاب
جو غائب تھا حاضر ہوا ذہن میں ۔۔۔ مثالوں کا ایسا کیا انتخاب
خدا دے مولف کو بہتر جزا ۔۔۔ بلا شرط ہو یہ دعا مستجاب
افادہ کو حاصل ہو اس کے دوام ۔۔۔ ہو مستقبل اس کا کمثل سحاب
ہوا امر جب اس کو اس بات کا ۔۔۔ نہ نہی ونفی کی کہ تھی جس میں تاب
لکھی اس کی تاریخ مقبول نے ۔۔۔ چھپی خوب ہے اب وہ نادر کتاب

۱۳۳۵ ہجری قدسی

قطعات تاریخ انطباع طبع اول از منشی وجاہت حسین صاحب وجاہت شاگرد فصیح الملک نواب مرزا خاں صاحب داغ دہلوی مرحوم

وصف مصباح القواعد کیا لکھوں — ہے حقیقت میں یہ آپ اپنی نظیر
اس کی سطریں اس کے فقرے اس کے لفظ — دل نشان و دل پسند و دل پذیر
واقعی بے انتہا دل چسپ ہے — اس کا آغاز اس کا وسط اس کا اخیر
پائیں گے کب اس میں جائے اعتراض — نکتہ چین و عیب بین و حرف گیر
قول سب اس کے مسلم مستند — اس کی ہر تحریر پتھر کی لکیر
دونوں اس کی روشنی سے ماند ہیں — مہر عالم تاب اور بدر منیر
فیض پائیں اس سے سب چھوٹے بڑے — فائدہ حاصل کریں برناؤ پیر
جن کو پہلے بولنا دشوار تھا — خوب ادا کر لیں گے اب مافی الضمیر
اہل پنجاب اس سے لیں اب مشورے — ان کے حق میں یہ ہے یہ اک دانا مشیر
جا بجا پیدا ہوں اس کے قدر داں — ہو یہ مقبول جہاں رب قدیر
یہ وجاہت نے لکھی تاریخ طبع — بے بہا یہ ہے کیسا بے نظیر

۱۳۲۲ھ

دیگر

غیر اہل زبان و اہل زباں — جنگ کرتے تھے وائے نادانی
حملے کرتے تھے اس طرح باہم — یعنی روسی ہیں اور جاپانی
اس لڑائی کے دور کرنے کو — بیچ میں پڑ گئے ہیں افغانی☆
لوگ اب اس کتاب کو دیکھیں — ہے یہ مجموعہ زباں دانی
سب مضامیں ہیں گوہر شہوار — کی ہے واللہ کیا دُر افشانی
اب زباں میں نہیں رہا اشکال — اب بہت ہو گئی ہے آسانی

☆ اس کتاب کے مصنف مراد ہیں جو افغانی الاصل یعنی پٹھان ہیں۔ ۱

انجمن نے زبان اردو کی — جس کے شبلی ہیں ناظم و بانی
شوق سے اس کتاب کو دیکھا — ذوق کے ساتھ کی ثنا خوانی
کچھ نہیں شک ہے قابل تحسین — نظر دوربین نعمانی
ہے وجاہت یہ مصرع تاریخ — دل کش و دل پذیر و لاثانی

۱۹۰۴ء

تاریخ طبع سوم از ناخن بندی فکر منشی محمد شہباز خاں صاحب

عاصی سبز آبادی علی گڑھ

پئے بیت قواعد اردو — ہے یہ مصباح ماہ جلوہ نما
شمع ہے یہ بخانۂ دانش — شب اردو کو صبح کا تڑکا
کامل استاد مبتدی کو ہے — ہے زباں کو یہ دیدہ بینا
ہوا ہر منتہی کا وہ آخر — بے شک وریب مبتدی اس کا
آرزو کوئی اس کی آخر کو — باقی رہتی نہیں بفضل خدا
اس کی تعلیم کے قواعد کو — پڑھ لیا جس نے وہ ہوا دانا
انجم و مہر و ماہ کی مانند — قاعدے اس کے ہیں سخن کو ضیا
شمع بزم سخن ہے یہ مصباح — اس کا ہر اک بنا ہے پروانہ
اس کا ہر لفظ آب حیواں ہے — ہے پئے علم خضر راہ نما
ہو گئی طبع اب یہ تیسری بار — کھنچ گئی پھر دو آتشہ صہبا
کرم و فضل و رحمت یزداں — ہو مصنف پہ اس کے صبح و مسا

سال چھپنے کا لکھا عاصی نے
جلوہ گر نیر سخن نکلا

قدر شناسی

میں اپنی محنت کی داد کے لیے اسی امر کو کافی خیال کرتا تھا کہ عوام و خواص سب نے اس کتاب کو نظر قبول سے دیکھا اور اس کی ایسی قدر کی جو میری توقع سے کہیں زیادہ تھی۔ مگر جو قدر دانی اس کی پنجاب یونیورسٹی نے کی میری مسرت اور کتاب کی عزت کا درجہ آخرین ہے۔ یعنی یونیورسٹی کے سینٹ نے اس کو اردو امتحانات پروفشینسی اور ہائی پروفشینسی میں اور لڑکیوں کے لیے نصاب فرسٹ آرٹس میں (بغیر اس کے کہ میری کسی طرح کی کوشش کو مدخل ہو) داخل فرمالیا۔

خدا کا شکر ہے کہ میری سعی مقبولیت کی تمام سبیلوں سے مشکور ہوئی اور اس کا ثمرہ امید سے زیادہ ملا۔

یکم اگست ۱۹۱۶ء
۳۰ رمضان ۱۳۳۴ھ
فتح محمد خاں جالندھر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع ثانی

یہ کتاب کسی ایسی نیک ساعت میں لکھنی شروع کی گئی تھی کہ قبولیت نے اسے حسن بن کر دکھایا اور شہرت نے اس کو پری بنا کر اڑایا۔ خواص نے اس کی طرف توقع سے بڑھ کر توجہ مبذول فرمائی اور عوام کی جانب سے اس کی قدردانی امید سے کہیں زیادہ وقوع میں آئی۔ وہ ارباب کمال جو مایہ نازش ہندوستان و پنجاب ہیں انہوں نے اس کو نہایت شوق اور استحسان کی نگاہ سے ملاحظہ فرمایا اور بالاتفاق نافع وضروری بتایا جن خیالات سے انہوں نے اس کو افتخار بخشا ہے میرا قلم ان کی سپاس گزاری سے تصور کرتا ہے۔

بعض پاک دل جوہر شناسوں نے جو مراتب عالی پر ممتاز ہیں باوجود اس کے کہ مجھ میں ان میں مطلق تعاوف وشناسائی نہ تھی اس کی قدردانی اور طالب علموں کی نفع رسانی کے لیے سر رشتہ تعلیم پنجاب کے ڈائرکٹر صاحب کی خدمت میں ازخود نہایت پُرزور سفارش کی۔ ٹیکسٹ بک کمیٹی نے اس کی بہت سی جلدیں خرید کر میری عزت بڑھائی اور سکولوں کی لائبریریوں کے لیے اسے منظور کیا۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب سکرٹری انجمن ترقی اردو نے اس کو انجمن کی کتابوں میں داخل فرما لیا۔ عام شائقین کی طرف سے اتنی مانگ آئی کہ طبع اول کے تمام نسخے فروخت ہو کر اہل مطبع کی غفلت سے دوسرا ایڈیشن جلد نہ نکلنے کے سبب ان کی طرف سے مجوب اور منفعل ہونا پڑا اور بک ڈپو مدرسۃ العلوم علی گڑھ کو جو میری اجازت سے اس کو چھاپتا ہے (حسب تحریر میر ولایت حسین صاحب بی اے مینیجر بک ڈپو) اس کے دیر تک پریس میں رہنے کی وجہ سے نقصان کثیر کا متحمل ہونا پڑا۔ غرض خدا کی مہربانی سے اس کو ایسی عزت قبول حاصل ہوئی کہ مجھے اس کا خیال وگمان بھی نہ تھا۔

انجمن ترقی اردو کے ذی علم و فضل ارکان کی توجہ مجھے اور بھی ممنون کیے دیتی ہے کہ انہوں نے اس کو بد نظر تنقید دیکھا اور مفید مشوروں سے موجب زیادت افادیت بنایا۔ چنانچہ مولانا شبلی صاحب ۱۹۰۳ء کی روئیداد سالانہ انجمن میں اس کا اس طرح پر ذکر فرماتے ہیں۔

''مصباح القواعد۔ انجمن کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اردو زبان کے قواعد پر ایک مکمل اور بسیط کتاب تیار کرائے۔ چنانچہ جلسہ انتظامی منعقدہ ۲۹ اگست ۱۹۰۳ء میں یہ طے ہوا تھا کہ اس غرض کے لیے شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی، اور مولوی علی حیدر صاحب طباطبائی پروفیسر نظام کالج سے درخواست کی جائے۔ اسی اثناء میں مولوی فتح محمد خاں صاحب (جالندھری) کی ایک کتاب اسی مضمون پر انجمن میں آئی۔ یہ کتاب تمام اور کتابوں کی نسبت نہایت مفصل اور مبسوط لکھی گئی ہے اور مولوی صاحب موصوف نے اس کی ترتیب و تالیف میں ایک مدت صرف کی ہے۔ انجمن نے ارادہ کیا کہ اسی کتاب کو اضافہ اور ترمیم اور اصلاح کر کے اپنے مقصد کے موافق درست کرلیا جائے۔ چنانچہ مولوی علی حیدر صاحب موصوف مولوی عبدالحلیم صاحب شرر مولوی عبد الغنی صاحب بہاری عہدہ دار نظام اور خود سیکرٹری نے نوبت بہ نوبت اس کتاب کو غور اور تعمق کی نظر سے دیکھا اور اکثر جگہ ترمیم اور اصلاح کی ہے۔''

جناب مولوی علی حیدر صاحب موصوف اس پر ریویو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:
''جتنی کتابیں نحو اردو کی مدارس پنجاب و اودھ وغیرہ میں تالیف ہوئیں ان سب سے یہ کتاب اچھی ہے۔ مولف کا بیان بہت سلجھا ہوا ہے مسائل کا استقرا خوب کیا ہے۔ محاورے میں ڈوب کر لکھا ہے۔

جناب مولوی عبدالغنی صاحب موصوف اپنی رائے یوں ظاہر فرماتے ہیں کہ:
''میں نے کتاب مصباح القواعد کو بائے بسم اللہ سے تائے تمت تک دل لگا کر دیکھا نہایت ناشکری ہوگی اگر میں لائق و قابل مصنف کی تلاش و جستجو اور وسعت فکر و نظر کی داد نہ دوں۔ ہر زبان کی توسیع و ترقی کے لیے دو چیزیں ضروریات اولیہ میں سے ہیں، ایک اس کے لغات کا عمدہ طور پر جمع کرنا اور دوسرے کامل

استقرا کے ساتھ اس کی صرف ونحو کا منضبط کرنا۔ پہلی ضرورت تو دولت آصفیہ کی بدولت ایک حد تک پوری ہو گئی ہے اور دوسری ضرورت کے پورا کرنے میں اس کتاب کے مصنف نے ہمت مردانہ سے کام لیا اور ہوا خواہان اردو کے سامنے اس امر کا حتمی ثبوت پیش کر دیا ہے کہ اس کی تکمیل بھی کچھ دور نہیں ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ماہر زبان مصنف کو اپنے ارادے میں بہت کچھ کامیابی ہوئی ہے اور انہوں نے بہت کچھ تالیف وتصنیف کا حق ادا کیا ہے۔ لیکن چونکہ یہ کتاب زبان اردو کی بنیاد قرار دی جائے گی اس لیے انجمن ترقی اردو کا فرض ہے کہ اس پر نہایت غائر نظر ڈالے اور اس کی کسی فرد گزاشت نقص یا تسامح سے (گو وہ خفیف ہی کیوں نہ ہو) چشم پوشی نہ کرے۔ کیونکہ ؎

خشت اول گر نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

اس کتاب کو ختم کرنے کے بعد جو اثر میرے دل پر ہوا وہ یہ تھا کہ واقعی مصنف نے بڑا کام کیا اور بڑی محنت و جاں فشانی و دیدہ ریزی کے ساتھ ایک بڑے نقص کو پورا کیا ہے۔ یہ کتاب یورپ، پنجاب، دکن اور مدراس یعنی ٹکسال باہر والے لوگوں کے لیے نہایت مفید ثابت ہو گی اور اگر ان تبدیلیوں کے بعد جن کی طرف مولوی علی حیدر صاحب طبا طبائی جو لکھنؤ کے مستند اہل علم و اہل زبانؔ ہیں اور شمس العلماء مولانا محمد شبلی صاحب نے توجہ دلائی ہے اور جن پر یہ ہیچمدان توجہ دلانا چاہتا ہے یہ کتاب شائع ہو گی تو زبان ☆ اردو کی تالیف تصنیف اور ترجمے میں بہت جلد روز افزوں ترقی ہو گی اور ہندوستان کے وہ تمام تعلیم یافتہ جو اپنی زبان کے غیر مستند ہونے کے باعث اردو زبان میں تصنیف تالیف کرتے ڈرتے ہیں جان و دل سے شکر گزار و ممنون ہوں گے۔"

جناب مولوی سید ممتاز علی صاحب مالک و مدیر دار الاشاعت پنجاب لاہور تحریر فرماتے ہیں کہ:

"مدت سے اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ اردو زبان کی صرف ونحو پر کوئی مکمل

☆ تبدیلیاں کر دی گئیں۔ مصنف

و جامع کتاب زبان اردو کے اصل اسلوب پر لکھی جائے اس لیے میں نے مصباح القواعد کو بڑے شوق سے پڑھا۔ مصنف مصباح القواعد نے دیگر اہل فن کے طرح سے اپنی کتاب کی ترتیب عربی صرف ونحو کے اصول پر رکھی ہے لیکن استیعاب مسائل اور تلاش جزئیات میں بہت محنت اٹھائی ہے۔ بہت سے مسائل غیر مکمل اور غیر واضح کو واضح کیا ہے اور ہر مسئلے کی توضیح کے لیے کثرت سے شواہد نقل کیے ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ مختلف قسم کے اشعار آبدار کے درج ہونے سے صرف ونحو کا روکھا پن بہت کم ہو کر کتاب نہایت دلچسپ اور پُر لطف ہو گئی ہے اور میں بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ سر دست جتنی کتابیں صرف ونحو اردو کی درسی یا غیر درسی ہماری زبان میں موجود ہیں ان میں کوئی کتاب بھی اس تحقیق و جامعیت کے ساتھ نہیں لکھی گئی جو مصباح القواعد میں پائی جاتی ہے۔ یقین ہے کہ یہ کتاب پنجاب کے جملہ امتحانات کی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لیے کافی ثابت ہوگی اور اہل علم میں مقبول ہوگی۔''

کرائے بہادر لالہ پیارے لال صاحب دہلوی سابق انسپکٹر مدارس پنجاب تحریر فرماتے ہیں کہ:

''جناب کی کتاب مصباح القواعد کی ایک نقل بذریعہ خط مورخہ ۲۶ ستمبر وصول ہوئی۔ میں جناب کی اس عنایت کا شاکر ہوں۔

میں بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ اس کتاب کی تصنیف سے آپ نے زبان اردو پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اردو کے ایسی جامع اور دلچسپ قواعد اب تک میری نظر سے نہیں گزرے۔ اس کتاب کی تالیف میں جو لیاقت اور محنت صرف ہوئی ہے اس کی داد وہی شخص خوب دے سکتا ہے جو ایسی کتاب تصنیف کر کے رکھ دے۔ کالجوں کے طلباء کے واسطے اور ان طالب علموں کے لیے جو انٹرنس کے امتحان کی تیاری کر رہے ہیں آپ کی کتاب نہایت مفید ثابت ہوگی۔''

شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی فیلو الٰہ آباد یونیورسٹی کی رائے:

''مصباح القواعد مصنفہ خان صاحب مولوی فتح محمد خان جالندھری۔

میں نے نحو اردو کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں جن میں اب تک میں مولوی محمد احسن مرحوم کی صرف ونحو اردو کو سب سے اور اس قسم کی کتابوں سے بہتر سمجھتا تھا۔ یہ کتاب اس کی ہمسر ہے۔ اس میں یہ فضیلت ہے کہ مثالوں میں مشہور اساتذہ کے اشعار لکھے ہیں جواب تک کسی اور کتاب میں نہیں لکھے گئے جس کے سبب سے کتاب زیادہ دل چسپ ہوگئی ہے اور طلبہ کو قواعد کے یاد رکھنے میں آسانی ہوگئی ہے۔"

ترجمہ رائے شیخ محمد اقبال صاحب اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور:

میں نے مولوی فتح محمد خاں صاحب کی کتاب مصباح القواعد اول سے آخر تک پڑھی مصنف نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ میں اس اثر کو جوان کی تصنیف نے میرے دل پر کیا ہے معرض تحریر میں لاؤں اس لیے میں بڑی خوشی سے لکھتا ہوں کہ مولوی فتح محمد خاں صاحب نے اس ضرورت کو جو مدت مدید سے محسوس ہو رہی تھی پورا کر دیا ہے اور اردو داں پبلک پر بڑا احسان کیا ہے۔

مصنف کے استدلالات کی صحت کی نسبت رائے زنی تو اعلیٰ درجے کے اہل زبان کا کام ہے مگر میں نہایت وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے۔ یہ صرف انہیں لوگوں کے لیے مفید نہیں جو اپنی زبان کو غور وتوجہ سے مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ آئندہ اس میدان میں کام کرنے والوں کے لیے بھی یہ ایک بنیاد کا کام دے گی۔ قواعد کے پڑھنے کی تکان ان پاکیزہ اشعار سے بہت کچھ دور ہو جاتی ہے جو مثالوں میں لکھے گئے ہیں۔ تمام طرز ادا برجستہ ہے۔

میری رائے میں یہ کتاب اس کتاب سے کہیں بہتر ہے جو مولوی محمد احسن صاحب الٰہ آباد نے غدر سے دو سال بعد شائع کی تھی جس کی طبع واشاعت اب بند ہے۔

میں مولوی فتح محمد خان صاحب سے شاید چند نہایت خفیف امور میں اختلاف کرتا مگر میں نے اس کتاب میں زرا سا بھی نقص نہیں دیکھا۔ بناءً علیٰ ہذا میں

بڑے زور سے ان لوگوں کے لیے سفارش کرتا ہوں جو اردو زبان کو صحیح طور پر بولنا چاہتے ہیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ ٹیکسٹ بک کمیٹی اس عمدہ کتاب کی خوبیوں کی داد دے گی اور اس کو داخل درس کر دے گی۔''

ریویو رقم زن مولوی خلیفہ عمادالدین صاحب اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس حلقہ لاہور:

''مولوی فتح محمد خاں صاحب جالندھری کی تازہ تصنیف مصباح القواعد میں نے متفرق مقامات سے دیکھی اور اسے اردو سیکھنے والوں کے لیے نہایت مفید پایا حقیقت میں یہ ایک جامع کتاب ہے جس میں اردو صرف ونحو کے مسائل عربی گریمر کی ناواجب غلامی کے بغیر مفصل طور پر اور دل چسپ پیرائے میں بیان کیے گئے ہیں اس فن کی انگریزی کتابوں کی طرح اس میں بھی روزمرے کی صرفی نحوی غلطیوں کی تصحیح کا خاص خیال کیا گیا ہے اور طلبا کی مشق کے لیے مصادر اور ان کے مشتقات کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ تمثیلات کے لیے استادوں کے مناسب موقع اور دلکش اشعار انتخاب کیے گئے ہیں۔ یقین ہے کہ لائق مصنف کی قدر کی جائے گی اور یہ مفید کتاب عام درس گاہوں کے کتب خانوں میں اور اعلیٰ طبقے کے اردو خوانوں کے پاس دیکھی جائے گی۔''

جناب مولوی سید کرامت حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لا فیلو الہ آباد یونیورسٹی حافظ عبدالرحمٰن صاحب سیاح امرتسری کے نام خط میں اپنے خیالات یوں ظاہر فرماتے ہیں۔

''جناب خاں صاحب مولوی فتح محمد خان جالندھری کا میں تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ جناب موصوف نے مصباح القواعد کا ایک نسخہ مجھ کو عنایت فرمایا۔ کتاب کے دیکھنے سے ظاہر ہے کہ وہ کتاب اپنی قسم کی کم سے کم یکے از بہترین ہے۔ اردو کو ایسی کتاب کی بڑی ضرورت تھی اور جناب مصنف نے اردو پر یہ بڑا

احسان فرمایا۔ اس کا ہر صفحہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ کتاب کے مستند اور سود مند کرنے میں جناب مصنف نے بقدر امکان کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ امید ہے کہ یہ کتاب بہت مفید ثابت ہوگی۔"

ترجمہ تحریر لالہ شیولال صاحب بی اے انسپکٹر مدارس حلقہ ملتان۔

جو انہوں نے جناب ڈبلیو بل صاحب ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب کی خدمت میں لکھی اور جس کی نقل بنا بر اطلاع مصنف کے پاس ارسال فرمائی۔

"جناب عالی! میں نہایت ادب سے حضور کی خدمت میں اردو قواعد کی ایک نئی کتاب مسمی بہ مصباح القواعد کا تذکرہ کرتا ہوں جس کو خاں صاحب مولوی فتح محمد خاں جالندھری نے تصنیف کیا اور جو ۱۹۱۴ء میں رفاہ عام پریس لاہور میں طبع ہوئی ہے۔

(۲) میں نے اس کتاب کو ماہ حال کی تیسری تاریخ سے پندرہویں تک نہایت غور کے ساتھ ملاحظہ کیا۔ میرے خیال میں یہ اپنی قسم کی تمام کتابوں سے بہتر ہے اور آج تک ایسی کوئی کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ اگر تعلیم کی نئی اسکیم میں اردو گرامر کا مضمون ہائی ڈیپارٹمنٹ کے لیے داخل کیا جانا ضرور ہو (جیسا کہ میری رائے ناقص میں ضرر داخل کیا جانا چاہیے) تو میں بلا خوف تردید یہ گزارش کرنے کی جرأت کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ چوتھی اور پانچویں اعلیٰ جماعتوں کے لیے اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہوگی۔ مڈل کی جماعتوں کے لیے تو یہ صریحاً ایک نہایت عمدہ کتاب ہے۔

(۳) قواعد منضبطہ مثالیں عموماً اخلاقی اور مفید اشعار میں دی گئی ہیں جن کے ازبر کرنے سے طالب علموں کی اردو زبان دانی کی لیاقت یقیناً بڑھ سکتی اور جواب مضمون کے لکھنے میں ان کو مدد مل سکتی ہے۔

(۴) میں بڑے زور سے سفارش کرتا ہوں کہ اس کتاب کی ایک ایک کاپی پنجاب کے تمام افسران معائنہ کنندہ اور ٹریننگ انسٹیٹیوشنوں اور سیکنڈری سکولوں کی لائبریریوں کے لیے مہیا کی جائے اور مصنف کو (جس سے میں بالکل واقف

نہیں) اس کی سخت و جانفشانی کے صلے میں گورنمنٹ سے انعام عطا فرمایا جائے۔

(۵) صرف دس غلطیہائے کتابت مجھے اس کتاب میں معلوم ہوئیں جو حاشیے پر لکھ دی گئی ہیں۔"

ان کے علاوہ اور صاحبوں نے بھی اس پر اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں اور اخبارات نے ریویو بھی لکھے ہیں مگر ہم بخوف طوالت انہیں پر کفالت کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ شائقین اردو اس کو شوق سے پڑھیں گے اور اس سے فائدہ حاصل کریں گے۔

......☆......☆......
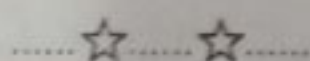
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

زمانے کے انقلاب کی تاثیریں ہیں کہ ایک وقت میں ایک چیز رواج و شہرت کے آسمان پر آفتاب ہو کر چمکتی ہے اور دوسرے وقت میں ایسی معدوم ہو جاتی ہے کہ کوئی اس کا نام بھی نہیں جانتا اور ایک وقت میں ایک چیز ایسی پستی و گم نامی کی حالت میں ہوتی ہے کہ اس کی ترقی عروج کا کبھی خیال بھی نہیں آتا۔ دوسرے وقت میں اوج کمال پر پہنچ کر شہرت اور رواج کا درۃ التاج بن جاتی ہے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ ہندوستان میں عربی اور فارسی زبانوں کی تعلیم زوروں پر تھی اور ہونی چاہیے تھی کیونکہ عربی زبان مسلمان کی مذہبی زبان تھی اور فارسی زبان زبان حکومت۔ مسلمانوں کو تو دنیا اور دین دونوں کے اعتبار سے دونوں زبانوں کا سیکھنا ضروری تھا ہی جو لوگ حکومت کا مذہب نہیں رکھتے تھے اور جن کے لیے معاش اور حصول تقرب شاہی کا ذریعہ صرف فارسی تھی ان میں سے بھی بہت سے لوگ کسب کمال کی غرض سے عربی پڑھتے تھے۔ اچ ہے۔

اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ۔

اگرچہ عربی کی حالت ہندوستان میں ابھی تک ایسی نہیں ہوئی کہ اس پر زبان مردہ کا اطلاق ہو سکے مگر اس میں بھی شک نہیں کہ وہ اس وقت نزع کی حالت میں ہے اور کچھ مدت سے مسلمانوں کی غفلت اور بے پروائی سے سسک رہی ہے۔ اگر مسیحا نفس بزرگوں نے اس کی جلد خبر نہ لی (اور خدا کرے کہ جلد خبر لیں) تو وہ وقت دکھائی دے رہا ہے کہ بیچاری مر کر رہ جائے گی اور اس کا نام و نشان صفحہ ہندوستان سے مٹ جائے گا۔

رہی فارسی سو جہاں حکومت گئی وہاں وہ گئی اذافات الشرط فات المشروط۔ اس کا

تھوڑا بہت جس قدر نشان باقی ہے وہ صرف عہد گزشتہ کی یادگار ہے اور بس۔ پس اگر اس کی حالت میں پہلی سی اوج موج نہیں رہی تو نہ کچھ محل تعجب ہے اور نہ مقام تاسف بلکہ سچ پوچھیں تو ظاہراً اس سے کسی قسم کا نفع بھی نہیں ☆ رہا۔ ہاں اگر اس سے کچھ فائدہ ہے تو یہ کہ اس سے زبان اردو کی تکمیل کو تائید پہنچتی ہے۔

زمانہ حال میں دیار ہند میں عربی اور فارسی کی جگہ انگریزی اور اردو کا رواج ہے۔ انگریزی کو تو جس قدر رواج ہو بجا ہے کیونکہ وہ زبان سلطنت ہے۔ مگر خدا جانے کیا بات ہے کہ اردو جو صرف ملکی زبان ہے اور جس کے شباب کا ہنوز ابتدائی زمانہ ہے یوماً فیوماً ترقی کرتی چلی جاتی ہے اس میں شک نہیں کہ شروع شروع میں گورنمنٹ نے اس کی سرپرستی فرمائی۔ اور اردو کے ادیبوں کو خاطر خواہ صلے اور معقول انعام دے کر کتابیں تصنیف کرائیں اور تصنیفات کا بیش بہا ذخیرہ مہیا کر دیا۔ مگر اب لوگوں میں ایسا مذاق پیدا ہو گیا ہے کہ اس کو وسیع اور شستہ و شگفتہ کرنے میں خود بخود یعنی بے طمع انعام و بے خواہش صلہ کی کوشش کر رہے ہیں۔

انصاف کے خواہاں ہیں نہیں طالب زر ہم تحسین سخن فہم ہے مومن صلہ اپنا

آج اردو زبان کی حلاوت عذوبت کو دیکھو تو رشک قند و نبات ہے۔ اس کی نظم و نثر کی دل کش ادائیں دلوں کو بے اختیار کھینچے لیے جاتی ہیں۔ وہ زبانیں جو کبھی بلغائے فارس کے کلام سے چٹخارے بھرتی تھیں اب فصحائے ہند کی شیریں کلامیوں سے مزے لے رہی ہیں اور وہ کان جو پہلے فارسی ترانوں سے مست ہو ہو جاتے تھے اب اردو کی سریلی آوازوں سے کیفیت لے رہے ہیں۔ کس کو معلوم تھا اور کون کہہ سکتا تھا کہ زبان اردو کبھی ترقی کی کرسی پر بیٹھ کر قبول عام کی بارگاہ میں جلوہ گر ہو گی۔ مگر تعجب اور نہایت تعجب ہے کہ اس زبان کے قواعد جامعہ ابھی تک مدون نہیں ہوئے اہل زبان کو تو شاید قواعد کی چنداں ضرورت نہ بھی ہو کیونکہ جو لفظ ان کی زبان سے نکلتا ہے قاعدے کے سانچے میں ڈھل کر نکلتا ہے۔ لیکن اہل پنجاب

☆ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس میں شک نہیں کہ ایران و افغانستان کے تعلقات جو ہندوستان کے ساتھ ہیں ان کے محاذ سے فارسی ہندوستان میں نہایت ضروری اور کارآمد چیز ہے اور اس کو ہندوستان سے معدوم نہیں ہونا چاہیے بلکہ ایران کی فارسی مروجہ حال کا ہندوستان میں رائج پذیر ہونا نہایت ضروری ہے مگر معلوم نہیں کہ گورنمنٹ کو اس طرف کیوں توجہ نہیں۔ (مصنف)

کے لیے سخت ضرورت ہے کہ فن قواعد میں ایسی کتاب تصنیف کی جائے جو ان کو صحیح اردو بولنی سکھائے۔

اہل پنجاب میں جہاں اور باتوں کی اپج ہے اردو بولنے کی بھی اپج ہے۔ طبقہ رجال میں شاذونادر ہی کوئی متنفس ہوگا جو اردو نہیں بولتا ہوگا مگر عوام کی اردو سن کر اس قدر افسوس ہوتا ہے کہ بیان نہیں ہوسکتا۔

پنجاب میں اردو دو طرح کی بولی جاتی ہے۔ ایک تو تین حصہ پنجابی ایک حصہ ہندوستانی اور اگر خدانخواستہ اس طرح کی اردو کی کہیں بنیاد قائم ہوگئی تو ایک دن ایک نئی زبان پیدا ہو کر رہے گی جس کو پنجابی کہہ سکیں گے نہ ہندوستانی اور اگر کچھ کہہ سکیں گے تو پنجابی ہندوستان یہ اردو جہلا اور نہایت کم استعداد شخصوں کی اردو ہے۔ اس طرح کی اردو بولنے والے نہ صرف اردو کا ستیاناس کر رہے ہیں۔ بلکہ پنجابی زبان کو بھی خراب کر رہے ہیں۔

اللہ اللہ ایک وہ لوگ تھے کہ زبان اردو کی یہاں تک نگہداشت کرتے تھے کہ غیر فصیح کلام کا سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ تذکرہ آب حیات میں افصح الفصحاء میر محمد تقی میر کے حال میں لکھا ہے کہ جب (دلی چھوڑ کر) لکھنؤ چلے تو ساری گاڑی کا کرایہ بھی پاس نہ تھا۔ ناچار ایک شخص کے ساتھ شریک ہو گئے اور دلی کو خدا حافظ کہا۔ تھوڑی دور آگے چل کر اس شخص نے کچھ بات کی یہ اس کی طرف سے منہ پھیر کر ہو بیٹھے کچھ دیر کے بعد اس نے پھر بات کی۔ میر صاحب چیں بہ جبیں ہو کر بولے کہ صاحب قبلہ آپ نے کرایہ دیا ہے۔ بے شک گاڑی میں بیٹھیے مگر باتوں سے کیا تعلق۔ اس نے کہا، حضرت کیا مضائقہ ہے راہ کا شغل ہے باتوں میں ذرا جی بہلتا ہے میر صاحب بگڑ کر بولے کہ "خیر آپ کا شغل ہے میری زبان خراب ہوتی ہے۔" ایک تو وہ لوگ تھے کہ صحت وفصاحت زبان کو اس قدر ملحوظ رکھتے تھے اور غیر فصیح الفاظ کے سننے تک سے احتراز کرتے تھے کہ غیر فصیح الفاظ سنے نہیں اور زبان بگڑی نہیں اور اب بھی ہندوستان کے فصحا و بلغا زبان اردو کی ترقی و توسیع اور اس کی صفائی و شستگی میں تابمقدور کوشش کر رہے ہیں اور جس قدر احسان ان باکمالوں نے زبان اردو پر کیے ہیں اور کر رہے ہیں وہ ان کے ادائے شکر سے ہمیشہ قاصر رہے گی اور ایک وہ لوگ ہیں کہ اس کو پیٹ بھر کر بگاڑ رہے اور ان کی ایسی مٹی خراب کر رہے ہیں کہ خدا کی پناہ۔

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

دوسری اردو پڑھے لکھے لوگوں کی اردو ہے۔ اور یہی وہ اردو ہے جس کو اردو کہا جا سکتا ہے مگر یہ بھی قواعد کی غلطیوں سے خالی نہیں ہوتی۔ کچھ شک نہیں کہ بعض پنجابی اردو میں نہایت خوبی اور قابلیت سے گفتگو کر سکتے ہیں۔ مگر کہیں کہیں قواعد کی ایسی مکروہ غلطیاں کر جاتے ہیں کہ تعجب آتا ہے۔ ہم اردو زبان کی واقفیت تامہ سے قطع نظر کرتے ہیں۔ کیونکہ کوئی شخص جب تک دلی کا روڑہ نہ ہو جائے یا لکھنؤ میں عمر کا ایک بڑا حصہ صرف نہ کرے زبان اردو سے پوری آگہی حاصل کر ہی نہیں سکتا اور سچ تو یہ ہے کہ زبان غیر میں کمال حاصل کر کے بھی بعض اوقات انسان قواعد میں نہیں تو محاورۂ روزمرہ میں غلطی کھا ہی جاتا ہے۔ صاحب قاموس جیسے اَطْفِئِی السِّراج کی جگہ اُقْتُلِی السِّراج بول اٹھے تو اور کسی کا کیا منہ ہے کہ دوسری زبان کے صحیح محاورات کے استعمال سے عہدہ برآ ہو سکے یا عہدہ برآ ہونے کا دعویٰ کرے۔☆

پس اگر باشندگان پنجاب کو زبان اردو سے کامل واقفیت نہ ہو کہ وہ ناممکن ہے۔ تو

☆ صاحب قاموس کی حکایت اس طرح پر ہے کہ علامہ مجد الدین یعنی جامع قاموس نسباً عجمی تھے بچپن میں زبان عربی کی تکمیل کا شوق دل میں پیدا ہوا تو جہاں تک عجم میں ممکن تھا حاصل کیا۔ پھر عرب چلے گئے اور وہاں اس دھن میں خدا جانے کہاں کہاں اور کتنی مدت تک خاک چھانتے پھرے۔ جب زبان عربی میں کمال حاصل کر لیا تو لغت عربی میں قاموس بنائی۔ قاموس کے معنی دریائے عظیم کے ہیں۔ یہ کتاب حقیقت میں اسم بامسمیٰ ہے۔ جو شخص عربی میں ایسی دست گاہ عالی حاصل کرلے اس کے عجمی اور عربی ہونے میں تمیز کیونکر ہو عرب میں ایک عربی عورت سے نکاح کر لیا اس کو ان کا عجمی ہونا معلوم نہ تھا۔ رات کے وقت گھر کی خادمہ سے کہنے لگے کہ چراغ گل کر دے۔ عربی محاورے کے مطابق کہنا چاہیے تھا۔ اطفائی السراج مگر چونکہ فارسی کا محاورہ ذہن میں بیٹھا ہو اور زبان پر چڑھا ہوا تھا بے ساختہ زبان سے اقتلی السراج نکل گیا۔ فارسی میں کہتے ہیں چراغ بکش (چراغ گل کر دے) اور کچھ شک نہیں کہ کشتن کا لفظی ترجمہ قتل ہے۔ مگر قتل اور اطفا میں تو زمین و آسمان کا فرق ہے کہاں (اطفا) بجھانا اور گل کرنا، کہاں (قتل) مار ڈالنا۔ بی بی نے یہ نئی قسم کا محاورہ سنا تو متعجب ہوئی اور سمجھ گئی کہ ہو نہ ہو میاں عجمی ہیں۔ صبح اٹھ کچہری میں جا نالش کر دی اور عربی کے بے نظیر زبان داں کی زبان دانی کا بے ڈھب پردہ فاش ہوا۔)

معمولی گفتگو صحیح تو ہونی چاہیے۔

جن لوگوں نے مدارس سرکاری میں تعلیم پائی ہے اور جو تعلیم پاتے ہیں ضرور تھا کہ وہ صحیح اردو بولتے مگر مڈل اور انٹرنس والوں کا مذکور کا تو مذکور ہی ہے۔ بی اے اور ایم اے کی تقریریں اور تحریریں سنی اور دیکھی جاتی ہیں تو کلام قواعد کی غلطیوں سے خالی نہیں ہوتا اور ہو تو کیونکر ہو ان کو قواعد سے واقفیت ہی نہیں اور قواعد کی کوئی ایسی کتاب مرتب ہوئی نہیں جس کے پڑھنے سے پنجاب کے لوگ صحیح اردو بولنے پر قادر ہوسکیں۔ اہل پنجاب کی غلط اردو کی دو چار مثالیں سنو۔ پنجاب میں کہتے ہیں ''میں روٹی کھانی ہے'' ''میں سبق پڑھنا ہے'' ''میں اوتھے☆ جانا ہے'' علیٰ ہذا القیاس۔ اکثر پنجابی جب ایسے فقرات، اردو میں بولنا چاہتے ہیں تو یوں کہتے ہیں ''میں نے روٹی کھانا ہے'' ''میں نے سبق پڑھنا ہے'' ''میں وہاں جانا ہے'' کسی نے زیادہ فصاحت سے کام لیا تو تیسرے فقرے میں بھی نے علامت فاعل زیادہ کر کے میں نے کہہ دیا۔ مگر میں ہو تو اور میں نے ہو تو دونوں صورتوں میں تینوں فقرے غلط ہیں۔

اردو کے اہل زبان حرف نفی (نہ) کے ساتھ لفظ ہی (بکسر ہائے ہوز) کبھی جمع نہیں کرتے ممکن نہیں کہ کسی ہندوستانی کی زبان سے جو الف کے نام (ب) نہیں جانتا نہ ہی کا لفظ نکلے ناواقف پنجابی کہتے ہیں نہ زید آیا نہ ہی عمرو۔

ناممکن ہے کہ اہل زبان حرف عطف (اور) اور صفات عددی کے ساتھ بیان کا کاف ملائیں ''اور کہ'' اور ''اول کہ'' اور ''دوسرے کہ'' کہیں مگر پنجاب میں اکثر انگریزی خواں یہ الفاظ اسی طرح بولتے اور لکھتے ہیں غرض اس قسم کی بہت سی قبیح غلطیاں ہیں جو لوگ کرتے ہیں۔

چونکہ پنجاب میں تعلیم نسواں کا بھی رواج ہوتا جاتا ہے۔ اس لیے عجب نہیں کہ مستورات نے بھی اردو بولنا اختیار کیا ہو لیکن ہم کو معلوم نہیں کہ وہ کیسی اردو بولتی ہوں گی قیاس کریں تو کہہ سکتے ہیں کہ ان کی اردو مردوں سے بھی بدتر ہوتی ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ جو شخص ذہن سلیم اور طبع مستقیم رکھتا ہے اردو کی تصنیفات سے جن کا بہت سا ذخیرہ فراہم ہو چکا ہے قواعد صرف و نحو مستنبط کر سکتا اور صحیح اردو بول سکتا ہے مگر ہر شخص کو یہ سودا کب ہو سکتا ہے۔

☆ بواو مجہول وہاں۔

کہ معانی و مطالب کے سوا الفاظ و عبارات کو بھی غور سے دیکھے اور ان سے صرف و نحو کے مسائل مستنبط کرے۔

الختصر جب کہ پنجاب میں اردو زبان کا مذاق پیدا ہو گیا اور روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے اور جب کہ لوگ عموماً اردو بولنے لگے ہیں اور جب کہ کثیر التعداد اخبار اور رسالے اردو میں شائع ہو رہے ہیں اور جب کہ بے شمار کتابیں اردو میں تصنیف و تالیف ہو چکی اور ہو رہی ہیں اور جب کہ اردو کی کتابیں مدارس میں داخل تعلیم ہیں تو اہل پنجاب کے لیے ایک ایسی کتاب کی جو اُن کو صحیح اردو بولنی سکھائے نہایت ضرورت ہے۔ مگر ایسی کتاب تصنیف کرے کون۔ ظاہر ہے کہ یہ کام ان بزرگان اہل زبان کا ہے جو قلمرو اردو کے بادشاہ ہیں۔ مگر ان کو اور مشاغل ہی سے کہاں فرصت ہے کہ قواعد کے جمع کرنے کی طرف متوجہ ہوں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ قواعد میں اب تک کوئی کتاب مطلقاً تصنیف ہی نہیں ہوئی یا پنجاب میں قواعد کی کوئی کتاب متداول ہی نہیں۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے پنجاب کے سرکاری مدارس میں ایک پچاس ساٹھ صفحے کا بہت چھوٹا سا رسالہ جس کا نام ''قواعد اردو'' ہے داخل درس ہے۔ مگر قطع نظر اس سے کہ وہ نہایت ناقص ہے اس کے مسائل بھی غلط ہیں۔ اس کے ناقص ہونے کی تو یہی کافی دلیل ہے کہ جس قسم کے غلط فقرات ہم نے تمثیلاً اوپر ذکر کیے ہیں وہ ان کی تصحیح سے خاموش ہے کتاب مذکور الصدر اتنا تو بتا نہیں سکتی کہ کہا ہو اور سنا ہوتا کس قسم کے فعل ہیں۔ پس جب کہ کوئی اس کتاب سے اتنی بات معلوم نہیں کر سکتا تو ظاہر ہے کہ وہ کسی طرح مفید نہیں ہو سکتی مسائل کی غلطیاں ایسی حیرت انگیز ہیں کہ کیا کہا جائے۔ مثلاً اردو میں امر کے بارہ صیغے پیدا کیے ہیں۔ حالانکہ یہ صیغے آٹھ سے کسی صورت میں زیادہ نہیں ہو سکتے اور ان میں چار بھی کسی قدر تکلیف کے ساتھ مفعول پانچ قسم کے لکھے ہیں اور اس کے سوا اور بہت سی باتیں ہیں نہ۔

چونکہ میں کسی اعلیٰ درجے کے اہل زبان کو اس طرف متوجہ ہوتے نہیں دیکھتا تھا اور ترتیب قواعد کی ضرورت معلوم ہوتی تھی اس لیے خیال کرتا تھا کہ اگر ضروری قواعد جن کا جاننا اہل پنجاب کو نہایت ضرور ہے جمع کر دیئے جائیں تو ان سے طلاب اور شائقین اردو کو صحیح اردو کے جاننے اور بولنے میں بہت مدد ملے گی۔ پس اس کتاب میں جو کچھ میں نے کیا ہے وہ بھی

ہے۔

اشعار وابیات جن سے اس رسالے میں جابجا استشہاد کیا گیا ہے۔ ان کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ میں نے ان کے انتخاب کرنے میں کس قدر احتیاط کی ہے۔ کوئی شعر ایسا نہیں لکھا جس میں شاعر نے خلاف تہذیب مضمون باندھا اور ناپاک خیال ظاہر کیا ہو جتنے شعر اس کتاب میں لکھے گئے ہیں سب باستثنائے مبالغہ ان عیوب سے پاک ہیں جن کے سبب سے ایشیائی شاعری بدنام ہو رہی ہے۔ اشعار کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ کتاب ادب اردو کے گلہائے رنگارنگ کا ایک خوشنما گلدستہ نہیں بلکہ ایک دلکش گلشن بے خار ہے۔

ایک نئی بات میں نے یہ کی ہے کہ جس طرح تمام زبانوں کے قواعد کی کتابیں روکھی پھیکی اور سیٹھی ہوتی ہیں۔ اس کتاب کو بے لطف نہیں رکھا۔ بلکہ مناسب مقام کہیں کہیں حکایات شیریں اور لطائف وظرائف نمکین سے لذیذ کر دیا ہے۔

فتح محمد خاں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حروف تہجی

انسان کی زبان سے جو مختلف آوازیں نکلتی ہیں ان کو لفظ☆ کہتے ہیں اور زبان دہاں کے اختلاف جنبش سے آوازوں میں جو فرق پیدا ہوتے ہیں ان کا نام حرف ہے انہیں حرفوں کو جو منہ اور زبان اور گلے میں ذرا ذرا فرق سے نئے نئے پیدا ہو جاتے ہیں حروف تہجی یا حروف ہجا کہتے ہیں۔

اردو میں حروف تہجی اکاون ہیں اب بھ پ پھ ت تھ ٹ ٹھ ث ج جھ چ چھ ح خ د دھ ڈ ڈھ ذ ر رھ ڑ ڑھ ز ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک کھ گ گھ ل لھ م مھ ن نھ و ہ ی۔☆☆

بعض حرف ایسے ہیں کہ ایک زبان میں آتے ہیں دوسری میں نہیں آتے تو جس زبان میں وہ آتے ہیں خاص اس زبان کے حرف کہلاتے ہیں۔ جیسے ث ح ذ☆☆☆ ص ض ط ظ

☆ لفظ کے لغوی معنی کسی چیز کے پھینک دینے یا منہ سے نکال ڈالنے کے ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں جو متن میں بیان کیے گئے ہیں لفظ بمعنی ملفوظ ہے۔

☆☆ ان حرفوں میں سے جہاں تک ہم کو معلوم ہے حروف بھ پھ تھ ٹھ جھ چھ دھ ڈھ رھ ڑھ کھ گھ لھ مھ نھ جو بالترتیب اس طرح کے لفظوں میں بولے جاتے ہیں۔ جیسے بھائی، پھریرا، تھان، ٹھٹھا، جھوم، جھانجھ، دھاوا، ڈھال، سرھانا، پڑھنا، لکھنا، گھر، چولھا، تمہارا، ننھا، اردو میں ابھی تک ان کے نام معین نہیں ہوئے ہمارے نزدیک ان کے یہ نام ہونے چاہئیں بھے پھے تھے ٹھے جھا چھے دھا ڈھا رھے ڑھے کھے گھے لھا مھا نھا ان حروف کو آئندہ ہم کتاب میں ایسے حروف سے تعبیر کریں گے جن میں ہا کی آواز ملی ہوئی ہوتی ہے۔

☆☆☆ ذ کو دوسرے اہل قواعد خاص عربی کا حرف نہیں سمجھتے اور اسی لیے انہوں نے عربی کے مخصوص آٹھ حرف لکھے ہیں مگر ہمارے نزدیک ذ خاص عربی کا حرف ہے اور فارسی الفاظ کو ز سے لکھنا چاہئے۔ جو الفاظ فارسی ذ سے لکھے جاتے ہیں وہ اسی قبیل سے ہیں جیسے صد ص سے۔ حالانکہ صد فارسی کا لفظ ہے اور ص خاص عربی کا حرف ہے۔)

ع ق۔ یہ تو حرف خاص عربی زبان کے ہیں۔ اس لیے کہ فارسی زبان میں نہیں آتے اور حروف پ چ ژ گ خاص فارسی کے حروف ہیں اس لیے کہ عربی میں نہیں بولے جاتے۔ مگر ہندوستانی زبان کے مقابلے میں حروف تسعہ مختصہ عربی میں سے ق اور حروف اربعہ مختصہ فارسی میں سے پ چ گ ژ ان چار حرفوں کی کچھ خصوصیت نہیں اس لیے کہ یہ حرف جیسے عربی اور فارسی زبان میں بولے جاتے ہیں۔ ویسے ہی ہندوستانی زبان میں بولے جاتے ہیں جیسے زاق پزاق۔ چلنا۔ گلنا۔ ژ البتہ فارسی سے مخصوص ہے۔ ٹ ڈ ڑ اور تمام وہ حروف جن میں ہ کی آواز ملی ہوئی ہوتی ہے خاص ہندوستانی زبان کے حروف ہیں اس لیے کہ یہ حروف نہ عربی میں آتے ہیں نہ فارسی میں صرف ہندوستانی زبان میں بولے جاتے ہیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں پر جو حروف زبان عربی یا فارسی یا ہندوستانی سے مخصوص بیان کیے گئے ہیں وہ انہیں زبانوں کے لحاظ سے مختص ہیں۔ ورنہ یہ حروف اور زبانوں میں بھی آتے ہیں۔ مثلاً ج اور ق ترکی زبان میں بھی آتے ہیں اور ٹ ڈ انگریزی میں بھی۔

حروف شمسی اور قمری:

عربی میں حروف تہجی دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ کہ جس لفظ کے سرے پر ان میں سے کوئی حرف ہوتا ہے اور اس پر عربی کا ال ☆ آتا ہے تو لام پڑھنے میں نہیں آتا اور وہ مشدد حرف ہو جاتا ہے ایسے حرفوں کو حروف شمسی کہتے ہیں اور وہ چودہ ہیں۔ ت ث د ذ ر ز س ش ص ض ط ظ ل ن جیسے اَلتَّائِب، اَلثَّاقِبُ اَلدَّلِیلُ، اَلذِّکْر، الرحیم، الزُّجاج، السَّلام،

☆ ال میں لام ساکن تعریف (ضد تنکیر) کے واسطے ہے اور ہمزہ (جس کو فارسی اردو میں الف کی صورت میں لکھے جانے کے سبب الف کہتے ہیں) رفع ابتدا یا بالسکون کے لیے۔ کیونکہ زبان عرب میں ابتدا بالسکون یعنی پہلے حرف کو سکون کے ساتھ ادا کرنا متعذر ہے اور اکثر زبانوں کا یہی حال ہے عربی میں جس جگہ ابتدا بالسکون لازم آئے اس کے دور کرنے کو ہمزہ ابتدا میں زیادہ کر دیتے ہیں جس کو ہمزہ وصل کہتے ہیں۔ چونکہ ہمزہ وصل ضرورت کے سبب زیادہ کیا جاتا ہے تو جب ضرورت نہیں رہتی گر جاتا ہے مگر صرف تلفظ میں نہ کہ کتابت میں لیکن جب اس پر ل داخل ہو تو کتابت میں بھی گر جاتا ہے جیسے الصلوٰۃ شعر

نطق شیریں ترا وہ شہد کہ ہر درد کو راس   شان میں جس کی شہا فیہ شفاء للناس

الشمال، الصباح، الضیاء الطاہر، الظل، اللیل، النوم، ان حروف کا نام شمسی اس لیے رکھا گیا ہے کہ الشمس کے پڑھنے میں لام نہیں پڑھا جاتا۔

دوسرے وہ کہ جن پر ال آتا ہے تو لام پڑھا جاتا ہے۔ ایسے حروف کو حروف قمری کہتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ ا ب ج ح خ ع ف ق ک م و ہ ی جیسے الاسد، البحر، الجمیل، الحکیم، الخطیب، العالم، الفریق، الفاتح، القادر، الکریم، الملک، الواحد، الہادی، الیمین، ان حرفوں کو قمری اس لیے کہتے ہیں کہ القمر کے پڑھنے میں لام تلفظ میں آتا ہے۔☆

حروف علت و۔ا۔ی:

حروف صحیح۔ جو علت کا حرف نہ ہو۔

بہت سے حرف ایسے ہیں جن کی صورت ایک دوسرے سے نہایت مشابہ ہے اور ان میں صرف لفظوں سے فرق ظاہر ہوتا ہے۔ ایسے حروف کو بعض اہل قواعد حروف متشابہ کہتے ہیں۔ چونکہ لکھنے والے نقطہ دینے میں بہت بے پروائی کیا کرتے ہیں اور تحریر الفاظ یعنی ترکیب حروف میں بعض حروف کی صورت بالکل بدل جاتی ہے اور ایسے حروف سے مشابہ ہو جاتی ہے۔ جن سے مفرد ہونے کی حالت میں بالکل مختلف ہوتی ہے۔ جیسے محبت، محنت، نزار، برا، اس لیے بوقت ضرورت امتیاز الفاظ اور رفع التباس کے لیے لفظوں کا شمار اور ان کا موقع بھی ظاہر کرنا پڑتا ہے اور یہ بھی بتانا پڑتا ہے کہ حرف نقطہ دار ہے یا بے نقط۔

حرفوں اور نقطوں کے متعلق یہ اصطلاحیں ہیں۔

☆ بہت سے لوگ عبدالرحمن اور عبدالرحیم اور عبدالسلام کو عبدل رحمن اور عبدل رحیم اور عبدل سلام کہتے ہیں یعنی ان کو معلوم نہیں کہ حرف شمسی پر الف لام آتا ہے تو لام تلفظ میں نہیں آتا۔ اسی طرح بعض عبدالجبار اور عبدالجلیل میں لام نہیں پڑھتے اور جیم کو مشدد کر دیتے ہیں اس سے بے خبر ہیں کہ حروف قمری پر ال آتا ہے تو لام پڑھا جاتا ہے امید ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے والے ایسی غلطیاں نہیں کریں گے۔)

معجم☆ یا منقوط:

نقطہ دار حرف، مگر معجم یا منقوط کی قید اس حرف کے ساتھ لگاتے ہیں جس کی صورت کا کوئی بے نقطہ حرف بھی ہو تا کہ التباس رفع ہو جائے۔ جیسے ض معجم، چونکہ ص اور ض میں مشابہت ہے اس لیے یہ قید لگائی گئی۔

مہمل یا غیر منقوط:

بے نقطہ حرف۔ جس کی صورت کا کوئی نقطہ دار حرف بھی ہو جیسے ط مہمل یہ ظ سے مشابہ ہے اس لیے مہمل کی قید لگائی گئی۔

فائدہ:

ایسے منقوط یا غیر منقوط حروف جو اور حروف سے مشابہ نہیں ہیں ان کے ساتھ معجم یا مہمل کی قید نہیں لگائی جاتی جیسے ق اور م۔ ان حرفوں کی صورت کسی حرف سے نہیں ملتی اس لیے نہ ق کو منقوط کہتے ہیں نہ م کو مہمل۔

ب۔ بائے موحدہ (ایک نقطہ والی ب) ظاہر ہو جاتا ہے۔

پ۔ بائے فارسی۔

ت۔ تائے قرشت یعنی وہ ت جو لفظ قرشت میں آتی ہے اور چونکہ اس میں دو نقطہ ہیں اور اوپر ہیں اس لیے اس کو تائے مثناۃ فوقانیہ بھی کہتے ہیں۔

ٹ۔ تائے ہندی (یا ہندی کی ت)

ج۔ جیم عربی یا تازی۔

چ۔ جیم فارسی۔

ح۔ حائے حطی یعنی وہ ح جو لفظ حطی میں آتی ہے۔ اس کو حائے مہملہ یا غیر منقوطہ بھی کہتے ہیں۔

خ۔ خائے معجمہ یا منقوطہ

☆ اردو فارسی عربی کے تمام اہل قواعد نقطہ دار حرف کو معجمہ یا منقوطہ اور بے نقطہ حرف کو مہملہ یا غیر منقوطہ بتائے تانیث (جو بولنے میں ہ کی آواز دیتی ہے) لکھتے ہیں مگر ہم نے لفظ حرف کی رعایت سے جو مذکر ہے معجم و مہمل یا منقوط و غیر منقوط کہا ہے۔ ہاں جو حرف مونث ہوگا اس کی صفت میں معجم اور منقوط اور مہمل اور غیر منقوط کے ساتھ تائے تانیث لگائیں گے جیسے زائے معجمہ یا منقوطہ اور رائے مہملہ یا غیر منقوطہ۔)

ث۔ ثائے مثلثہ۔ کیونکہ اس میں تین نقطے ہیں
ث اور پ میں یہ فرق ہے کہ اس میں نقطے
اوپر ہیں اس میں نیچے۔ اور ان دونوں کے
تفرقے کے لیے جو الفاظ بیان کیے گئے ہیں
ان سے فرق بخوبی
ڑ۔ رائے ہندی (یا ہندی کی رے)
ز۔ زائے معجمہ یا منقوطہ
ژ۔ زائے فارسی
س ش ص ض۔ ط ظ ع غ میں
بے نقطہ اور نقطہ دار ہونے کا فرق ہے۔
ف اور ق کے لیے کسی قدر کی ضرورت نہیں
کہ ان میں شائبہ اشتباہ نہیں۔

د۔ دال مہملہ یا غیر منقوطہ۔
د۔ دال مہملہ یا غیر منقوطہ۔
ڈ۔ دال ہندی (یا ہندی کی دال)
ذ۔ ذال معجمہ یا منقوطہ۔
ر۔ رائے مہملہ یا غیر منقوطہ۔
ک۔ کاف عربی (عربی کا کاف)
گ۔ کاف فارسی (فارسی کا کاف)
ل م ن و۔ ان حروف کے ساتھ کوئی قید نہیں
لگائی جاتی۔
ہ۔ ہائے ہوز یعنی وہ جو لفظ ہوز میں آتی ہے۔
ی۔ یائے مثناۃ تحتانیہ اس لیے کہ دو نقطے رکھتی
ہے اور نیچے۔

اعراب یا حرکات وسکنات اور ضروری اصطلاحات

جس آواز کے سہارے سے حرف ادا کیے جاتے اور جس کے ذریعے سے ایک دوسرے سے ملائے جاتے ہیں اسے حرکت کہتے ہیں۔ حرکت تین طرح کی ہے۔

(۱) زبر اس کی علامت (َ) ہے اور حرف کے اوپر لکھی جاتی ہے۔ عربی میں زبر کو فتح یا فتحہ اور زبر والے حرف کو مفتوح کہتے ہیں۔ جیسے قلم میں ق اور ل مفتوح ہیں۔

(۲) زیر۔ اس کی علامت بعینہ وہی علامت فتح ہے۔ فرق اتنا ہے کہ علامت فتح حرف کے اوپر لکھی جاتی ہے۔ اور زیر کی علامت نیچے زیر کو کسر یا کسرہ اور زیر والے حرف کو مکسور کہتے ہیں جیسے کریم میں ر مکسور ہے۔

(۳) پیش۔ اس کی علامت (ُ) ہے اور یہ بھی حرف کے اوپر لکھی جاتی ہے۔ اس کو ضم یا ضمہ اور پیش والے حرف کو مضموم کہتے ہیں جیسے خدا میں (خ) مضموم ہے۔

متحرک:

وہ حرف جس پر ان تینوں حرکتوں میں سے کوئی حرکت ہو۔

فائدہ:

عربی میں جو حرکت لفظ کے حرف اخیر پر ہو اس کے دوسرے نام بھی ہیں۔ زبر کو نصب زیر کو جر اور پیش کو رفع کرتے ہیں اور جس حرف پر نصب یا جر یا رفع ہو اسے منصوب یا مجرور یا مرفوع کہتے ہیں۔

جزم:

حرف پر من جملہ حرکات ثلثہ کے کسی حرکت کے نہ ہونے کو جزم کہتے ہیں اس کی علامت (ۡ) ہے جو حرف کے اوپر لکھی جاتی ہے۔ عربی کی اصطلاح میں جزم کا نام سکون ہے اور جزم والے حرف کا نام ساکن۔

وقف:

حرف ساکن کے بعد حرف غیر متحرک کے واقع ہونے کو وقف کہتے ہیں اور حرف غیر متحرک کو موقوف۔ جیسے پیار میں ر موقوف ہے۔ دوست میں س ساکن اور ت دونوں موقوف ہیں۔

تشدید:

جو حرف پہلے ساکن اور پھر متحرک ہو کر بولا یا پڑھا جائے تو سکون و حرکت کی حالت کو تشدید کہتے ہیں۔ تشدید کی علامت (ّ) ہے اور حرف کے اوپر لکھی جاتی ہے۔ جس حرف پر تشدید ہو اسے مشدد کہتے ہیں۔ جیسے ابّا میں ب مشدد ہے۔

مد:

حرف کو کھینچ کر پڑھنے کو کہتے ہیں اس کی علامت (ٓ) ہے جو اوپر لکھی جاتی ہے۔

ممدود:

وہ حرف جو کھینچ کر پڑھا جائے۔ جیسے آلو میں الف ممدود ہے۔

تنوین:

کبھی عربی لفظ کے آخر میں حرف کی حرکت کے بعد نون ساکن لگایا جاتا ہے۔ اس کو تنوین کہتے ہیں۔ یہ نون کتابت میں نہیں آتا تلفظ میں آتا ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ جس حرکت کے بعد تنوین آتی ہے وہ حرکت لکھنے میں مکرر ہو جاتی ہے اور تنوین فتح میں الف بھی بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے صریحاً۔ قطعاً۔ یقیناً۔ وقتاً۔ فوقتاً۔ نسلاً بعد نسلٍ۔ حیناً بعد حینٍ۔ مشارٌ الیہ۔ مگر جن الفاظ کے آخر میں رسم الخط عربی کے مطابق لمبی ت نہیں لکھی جاتی۔ مختصر یا گول ت بصورت ۃ لکھی جاتی ہے۔ وہاں تنوین فتح میں الف نہیں بڑھاتے جیسے دفعۃً۔ تذکرۃً۔ عادۃً۔ قاطبۃً۔ جس لفظ پر تنوین ہو اسے منون کہتے ہیں۔

فائدہ:

تنوین کا نون بعض اوقات نظم میں متحرک ہو جاتا ہے یعنی لفظ مابعد کے حرف اول کی حرکت اس کو دے دیتے ہیں۔☆ جیسے حالی ؎

جا نہ سکتی تھی بچ کے تیر سے وہ
تو نے دی قصداً اس کی جان بچا

دوسرا مصرعہ جس میں قصداً کا لفظ منون ہے اس طرح پڑھا جاتا ہے ع

تو نے دی قصدن اس کی جان بچا

یعنی اس مصرع میں لفظ اس کا ضمہ نون ساکن کو دیا گیا ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب آزاد مثنوی گنج قناعت میں لکھتے ہیں۔ بیت

تھا جلوہ رخ سامنے اس مرد خدا کا
جو دفعۃً ایک آ گیا جھوکا سا ہوا کا

فائدہ:

عربی لفظ کے سوا کسی دوسری زبان کا لفظ منون ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا بعض لوگ

☆ یہ فائدہ اگرچہ عروض سے متعلق ہے مگر بوجہ مفید ہونے کے یہاں بھی لکھ دیا گیا۔

فارسی الفاظ کو بھی منون بولتے اور لکھتے ہیں۔ جیسے اندازاً اور رسیداً یہ غلط ہے۔

فائدہ:

بعض الفاظ جن کے آخر میں فتح تنوینی میں الف لکھا جاتا ہے اردو میں منون نہیں بولے جاتے بلکہ بجائے تنوین کے الف اپنی آواز دیتا ہے۔ جیسے ظاہرا۔ دائما کہ اصل میں ظاہراً اور دائماً ہیں۔

نون غنہ:

نون غیر متحرک کہ ناک میں آواز دے اور خوب ظاہر نہ پڑھا جائے۔ عام اس سے کہ حرف علت کے بعد واقع ہو یا حرف صحیح کے جیسے ہوں ہاں۔ غوں غاں۔ سنبھال۔ ہنسی۔

الف ممدود☆:

جو مد کے ساتھ یعنی کھینچ کر پڑھا جائے۔ جیسے آج۔ آم۔ آدمی۔

الف مقصور:

جو کھینچ کر نہ پڑھا جائے۔ جیسے۔ اشرف۔ اب۔ اگر۔

واؤ معروف:

جس واؤ سے پہلے پیش ہو اور خوب ظاہر پڑھا جائے۔ جیسے دور۔ نور۔ صورت۔

واؤ مجہول:

جس کے حرف ماقبل پر پیش ہو اور خوب واضح نہ پڑھا جائے جیسے ہوش۔ روز۔ لوٹ پوٹ۔

☆ جو لوگ الف ممدود اور مقصور کو الف ممدودہ اور مقصورہ بہ تائے تانیث لکھتے ہیں عربی کی تقلید کرتے ہیں کیونکہ عربی میں تمام حروف مونث بولے جاتے ہیں فارسی اور اردو میں یہ بات نہیں فارسی میں تو کوئی علامت تانیث ہے ہی نہیں) اردو میں بعض حروف مذکر بولے جاتے ہیں بعض مونث چونکہ الف مذکر بولا جاتا ہے اس لیے ہم نے ممدود اور مقصور بے تائے تانیث لکھا ہے۔

واوٗ معدول ☆:

جو لکھنے میں آتا ہے بولنے میں نہیں آتا جیسے خود، خوش، یہ واوٗ صرف فارسی زبان میں آتا ہے اور فارسی زبان میں اس کے ماقبل کا ضمہ خالص نہیں ہوتا۔ بلکہ آدھا ضمہ ہوتا ہے۔ آدھا فتحہ اس طرح کی آواز نہ عربی میں آتی ہے نہ اردو میں۔ اردو میں ایسے الفاظ میں جن میں واوٗ معدول آتا ہے۔ خالص ضمہ یعنی بے اشمام فتحہ ☆☆ آتا ہے۔

ہائے ملفوظی یا اصلی:

جو خوب کھل کر پڑھی جائے جیسے آہ، واہ، یہ، وہ۔

ہائے مختفی:

جو صرف حرف ماقبل کی حرکت کو ظاہر کرے جیسے پردہ، سایہ، پروانہ، نشانہ، بے گانہ، نظم اردو میں یہ ہ بسا اوقات الف بن کر پڑھی جاتی ہے جیسے ذوق۔

جن انسان کو سگ دنیا نہ پایا فرشتہ اس کا ہم پایا نہ پایا

عربی میں ہائے مختفی نہیں ہے۔ البتہ چند قسم کے تمیئن ہیں جو فارسی اور اردو میں ہائے مختفی کا کام دیتی ہے جیسے غلبہ، مباحثہ، مقابلہ۔

ہائے مخلوط التلفظ یا ہائے مخلوط:

جو دوسرے حرف کے ساتھ مل کر پڑھی جائے انہیں تمہیں۔ وہ جو یک جان دو قالب کہ کرتے ہیں ٹھیک اس ہ اور اس کے حرف ماقبل کا حال ہے۔ صورت میں تو یہ دوسرے حرف سے جدا ہوتی مگر صورت میں اس کے ساتھ اس طرح مل جاتی ہے۔ جیسے دودھ میں مصری

☆ جن وجوہ سے ہم نے الف ممدودہ کو الف ممدود لکھا ہے انہیں وجوہ سے۔ واو معدول اور انہیں وجوہ سے اسے معروف اور مجہول اور واضح ہو کہ واہ اردو میں اکثر مذکر بولا جاتا ہے۔

☆☆ اشمام کے لغوی معنی سنگھانے کے ہیں یہاں مراد ہے آمیزش

واوٗ معدول ☆:

جو لکھنے میں آتا ہے بولنے میں نہیں آتا جیسے خود، خوش، یہ واوٗ صرف فارسی زبان میں آتا ہے اور فارسی زبان میں اس کے ماقبل کا ضمہ خالص نہیں ہوتا۔ بلکہ آدھا ضمہ ہوتا ہے۔ آدھا فتحہ اس طرح کی آواز نہ عربی میں آتی ہے نہ اردو میں۔ اردو میں ایسے الفاظ میں جن میں واوٗ معدول آتا ہے۔ خالص ضمہ یعنی بے اشمام فتحہ ☆☆ آتا ہے۔

ہائے ملفوظی یا اصلی:

جو خوب کھل کر پڑھی جائے جیسے آہ، واہ، یہ، وہ۔

ہائے مختفی:

جو صرف حرف ماقبل کی حرکت کو ظاہر کرے جیسے پردہ، سایہ، پروانہ، نشانہ، بے گانہ، نظم اردو میں یہ ہ بسا اوقات الف بن کر پڑھی جاتی ہے جیسے ذوق۔

جن انسان کو سگ دنیا نہ پایا فرشتہ اس کا ہم پایا نہ پایا

عربی میں ہائے مختفی نہیں ہے۔ البتہ چند قسم کے تمیئں ہیں جو فارسی اور اردو میں ہائے مختفی کا کام دیتی ہے جیسے غلبہ، مباحثہ، مقابلہ۔

ہائے مخلوط التلفظ یا ہائے مخلوط:

جو دوسرے حرف کے ساتھ مل کر پڑھی جائے انہیں تمہیں۔ وہ جو یک جان دو قالب کہا کرتے ہیں ٹھیک اس ہ اور اس کے حرف ماقبل کا حال ہے۔ صورت میں تو یہ دوسرے حرف سے جدا ہوتی مگر صورت میں اس کے ساتھ اس طرح مل جاتی ہے۔ جیسے دودھ میں مصری

☆ جن وجوہ سے ہم نے الف ممدودہ کو الف ممدود لکھا ہے انہیں وجوہ سے۔ واو معدول اور انہیں وجوہ سے اسے معروف اور مجہول اور واضح ہو کہ واو اردو میں اکثر مذکر بولا جاتا ہے۔

☆☆ اشمام کے لغوی معنی سنگھانے کے ہیں یہاں مراد ہے آمیزش

لکھنے میں دوچشمی لکھی جاتی ہے۔☆☆

یائے معروف:

جس ی سے پہلے زیر ہو اور خوب ظاہر پڑھی جائے جیسے امیر، فقیر، عجیب، غریب۔

یائے مجہول:

جس ی سے پہلے زیر ہو اور خوب ظاہر نہ پڑھی جائے جیسے سیر، شیر، دلیر۔

تازی یا عربی:

وہ حرف جو خاص عربی زبان میں آئے جیسے ث ح وغیرہ۔

فارسی:

جو حرف زبان عربی میں نہ آئے۔ جیسے پ چ غیرہ۔

ہندی:

جو نہ عربی آئے نہ فارسی میں جیسے ٹ ڈ ڑ۔

ماقبل:

وہ حرف جو کسی حرف سے پہلے آئے جیسے دل میں دؔ ماقبل لؔ کے ہے۔

مابعد:

وہ حرف جو کسی حرف سے پیچھے آئے جیسے سر میں رؔ مابعد سؔ کے ہے۔

حذف:

لفظ میں سے کسی حرف یا عبارت میں سے کسی لفظ کے گرادینے کو کہتے ہیں۔

☆ اس ہ کا ذکر یہاں ہم نے بغرض زیادت بصیرت طلاب کے ہے ورنہ اردو میں اس طرح کی ہؔ بہت کم ہوتی ہے جن حروف کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ ان کے ساتھ مل کر پڑھی جاتی ہے وہ سب مفرد ہیں جیسا کہ ہم نے حروف تہجی کے بیان میں لکھا ہے۔)

محذوف:

وہ حرف یا لفظ جس کو گرادیں۔

ترخیم:

لفظ کے آخر سے حرف کے حذف کو کہتے ہیں جیسے جزو سے جز گواہ سے گوا شعر۔

جو بر سر عروج ہیں اب فی زمانا ان میں بھی جملہ فرد بشر بادشا نہیں

مرخم:

وہ لفظ جس میں ترخیم ہو۔

ملفوظ:

وہ حرف یا لفظ جو بولنے میں آئے جیسے اسمٰعیل، رحمٰن کہ ان میں الف اگرچہ لکھا نہیں جاتا مگر بولنے میں آتا ہے۔ اس لیے ملفوظ ہے۔

غیر ملفوظ:

جو لکھنے میں آئے بولنے میں نہ آئے جیسے عبدالرحیم میں الف لام کہ لکھا تو جاتا ہے مگر بولنے میں نہیں آتا۔

تخفیف:

حرف کے ہلکا یا کم کرنے کو کہتے ہیں جیسے نظارہ ظ کی تشدید اور نقارہ ق کی تشدید سے ہے۔ ان کو ہلکا کر کے نظارہ اور نقارہ کہتے ہیں یا جیسے دوانہ، بچارہ کہ دیوانہ اور بے چارہ کا مخفف ہے۔ ذوق

کیا شاد کو خفیف کرے ہے زبان خلق شاباش جس کو کہتے ہیں وہ شادباش ہے

نقل:

دوسرے حرف کی حرکت پہلے حرف کو دینی استاد۔

چاک دل تو کچھ اے دست جنوں پردہ تھا یہ کھلا اب تو کہ نوبت بہ گریباں آئی

پہلے مصرع میں اے کے الف کی حرکت یعنی فتحہ کچھ کی چھ کو دیا گیا ہے۔ ذوق

ایک دن بالکل نہ میں اے چارہ گر اچھا ہوا   داغ ادھر تازہ ہوا گر زخم اُدھر اچھا ہوا

نظم میں اکثر اس اُس وغیرہ الفاظ کی حرکت جس کے شروع میں الف ہو پہلے حرف کو دے دیتے۔

فائدہ:

بعض اوقات عربی الفاظ میں جن کے شروع میں الف ہو اور جن پر آل تعریفی آئے نظم میں اصل کلمے کی حرکت آل کے لام کو دے دیتے ہیں جیسے ناسخ کہتے ہیں۔ ع

داد رس کوئی بجز فالق الاصباح نہیں

اس مصرع میں اصباح کا کسرہ آل کے لام کو دے دیا گیا ہے۔ اصل میں فالق الاصباح ہے اور یہاں فالق لصباح پڑھا جاتا ہے۔ مولوی نذیر احمد

وے تم لوگ یوں بیگانہ وار آپس میں لڑ لڑ کر   بالآخر دق بنانا چاہتے ہو عارضی تپ کو

یہاں بالآخر بلاخر پڑھا جاتا ہے۔

تحریک:

ساکن کو متحرک کرنا۔ جیسے طرح کہ عربی میں ر کے جزم سے ہے۔ شعرائے اردو اس کو متحرک بھی باندھتے ہیں۔ ذوق

عنقا کی طرح خلق سے عزلت گزیں ہوں میں   ہوں اس طرح جہاں میں کہ گویا نہیں ہوں میں

دوسرے مصرع میں طرح بحرکت را ہے۔ مومن

پامال ہم نہ ہوتے فقط جور چرخ سے   آئی ہماری جان پہ آفت کئی طرح

تسکین:

متحرک کو ساکن کرنا۔ جیسے شفقت کہ عربی میں ف کے زبر سے ہے اردو میں جزم سے بھی بولتے ہیں۔ حالی

جن کو خلق خدا پہ شفقت ہے   خوں بہانا نہیں وہ رکھتے روا

یا جیسے حرکت اور برکت کہ دونوں لفظ عربی میں بفتح را ہیں۔ فی الحرکۃ برکۃ اردو میں

بسکونِ را بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ حالیؔ

وہ بھولے ہوئے ہیں یہ عادت خدا کی — کہ حرکت میں ہوتی ہے برکت خدا کی

اشباع:

حرکت کو اتنا کھینچنا کہ پیش سے واؤ اور زبر سے الف اور زیر سے یؔ پیدا ہو جیسے رستہ سے راستہ۔ ذوقؔ

شمع نازاں نہ ہو اک رات بہا آنسو گرم — برسوں یاں آنکھ سے ٹپکا ہے مری لوہو گرم

اس شعر میں لہو میں اشباع کر کے لوہو بنایا گیا ہے یا جیسے ناخن سے ناخون☆۔ مرزا رفیع سوداؔ

بنیے کا دیوال بند ایک قرض دار☆☆ تھا — اس کے ادا کرنے میں سخت وہ لاچار تھا

اصل میں دوال بند ہے۔ بمعنی سپاہی۔ اشباع سے دیوال بند ہو گیا۔

امالہ:

الف اور ہ کو یائے مجہول سے بدل کر پڑھنا۔ جیسے اکھاڑنا سے اکھیڑنا۔

ابدال:

ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنا۔ جیسے ٹھہرنا۔ ٹھیرنا۔

زیادت:

کلمے میں ایک یا زیادہ حرفوں کا زیادہ کرنا جیسے بھیڑ چال سے بھیٹریا چال۔ پرتو نے (جو فارسی ہے) پرتوہ☆☆☆۔ سکول سے اسکول۔ سپیچ سے اسپیچ۔

☆ الٰہی بخش خاں معروف کہتے ہیں۔ شعر

غلام العام فصیح کی حنا کا معروف — رنگ ہے میرے ان اشعار کے ناخونوں میں

☆☆ صحیح لفظ قرض بہ سکون را ہے۔ یہاں بہ فتح را پڑھا جاتا ہے۔)

☆☆☆ جیسے مثنوی داد انصاف میں — بیت

غرض انصاف نے جب پرتوہ ڈالا اپنا — رنگ تب معنی اصلی نے نکالا اپنا

فائدہ:

بعض الفاظ ایسے ہیں کہ دلی اور لکھنؤ کی زبان میں ان میں ایک ایک حرف کی کمی بیشی ہے مثلاً دلی میں اندھیرا کہتے ہیں۔ لکھنؤ میں اندھیارا☆۔ دلی میں کواڑ کہتے ہیں۔ لکھنؤ میں کواڑا۔

ادغام:

دو ہم جنس یا ہم مخرج حرفوں کو ملا کر یعنی ایک کر کے پڑھنا جیسے بدتر کے پڑھنے میں بتر آتا ہے۔

اشتقاق:

ایک اصل لفظ سے اور لفظ یا صیغے نکالنا۔ جیسے ہونا سے ہوا۔ ہوگا۔ ہونے والا وغیرہ

مشتق۔

وہ لفظ جو کسی اصل سے نکلا ہو۔

مقدر:

وہ لفظ جو عبارت میں نہ ہو مگر معنی دے۔ جیسے "خدا کی قسم" یہاں میں کھاتا ہوں مقدر ہے۔ یعنی میں خدا کی قسم کھاتا ہوں۔

مترادف:

دو لفظ ہم معنی جیسے سدا اور نت۔ رکھنا اور دھرنا۔ ابا اور باپ۔

☆ مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے اسی طرح لکھا ہے مگر مولوی علی حیدر صاحب لکھنوی پروفیسر نظام کالج (حیدر آباد دکن) فرماتے ہیں "کہ لکھنو والے بھی اندھیرا ہی کہتے ہیں۔ اندھیارا بھی صحیح مگر غیر فصیح ہے۔ سودا

چور جاتے رہے کہ اندھیاری ہوگی کب تک بچا خبرداری

مشترک یا مشترک المعنی:

ایک لفظ جس کے دو یا زیادہ معنی ہوں جیسے سونا اس آرام کو بھی کہتے ہیں جو عموماً دن بھر کے تکان کے بعد رات کو کیا جاتا ہے اور جس میں دنیا و مافیہا کی کچھ خبر ہی نہیں رہتی اور اس پیلی پیلی معدنی یا دھاتی چیز کو بھی کہتے ہیں جس کا زیور اور اشرفیاں وغیرہ بنتی ہیں۔

قیاسی:

وہ لفظ جو قاعدہ کلیہ کے بموجب نکلا ہے۔

سماعی:

وہ لفظ جو کسی قاعدہ کے بموجب نہ بنا ہو۔ صرف اہل زبان کو بولتے سنا ہو۔

تعریب:

کسی غیر زبان کے لفظ کو عربی بنا لینا جیسے پیل سے فیل۔ کان پور سے۔ کان فور۔ اسپاناخ ☆ سے اسفاناخ۔

جو لفظ عربی صورت میں اختیار کرے اس کو معرب کہتے ہیں۔

تفریس:

غیر زبان کے لفظ کو فارسی بنالینا جیسے چھپر سے چپر۔ جھکڑ سے جکر☆☆۔

جو لفظ فارسی صورت بدل لے اس کو مفرس کہتے ہیں۔

تہنید:

کسی غیر زبان کے لفظ کو ہندی بنا لینا جیسے عربی کے اَب اُم سے ابا۔ اما۔ فارسی کے دُہل سے ڈھول۔ انگریزی کے لارڈ سے لاٹ۔ سٹیمپ سے اسٹام۔

تہنید کئی طرح کی ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ دوسری زبان کے لفظ کو لفظاً و معنیً دونوں طرح

☆ اسپاناخ پالک کو کہتے ہیں جو ایک قسم کا مشہور ساگ ہے۔

☆☆ عرفی۔ آں یاد کہ در ہند گر آید جکر آید

بدلیں۔ جیسے افراتفری کہ اصل میں افراط وتفریط ہے۔ عربی میں افراط کے معنی نہایت کثرت کے ہیں اور تفریط کے معنی نہایت کمی کے اردو میں کہتے ہیں عجب افراتفری پڑ رہی ہے۔ یعنی ہل چل پڑ رہی ہے۔

دوسرے صرف لفظ کو بدلیں جیسے پلید سے پلیت۔ میر تقی

ہزار شانہ و مسواک و غسل شیخ کرے ہمارے عندیئے میں تو وہ ہے خبیث پلیت

تیسرے صرف معنوں کو بدلیں جیسے روزگار کہ فارسی میں زمانے کو کہتے ہیں۔ ہندی میں روزگار کے معنی نوکری ہے یا خاطر کہ عربی میں خیال کو کہتے ہیں (جو دل میں گزرتا ہے) اور فارسی میں مطلق دل کو کہتے ہیں۔ اردو میں کہتے ہیں ہماری خاطر سے ایسا کر دیجیے۔ یا حامد نے محمود کی بڑی خاطر کی۔

چوتھے حرکات کو بھی بدل دیں اور معنوں کو بھی جیسے مشاطہ کہ عربی میں مبالغہ کا صیغہ ہے اور مشط سے جس کے معنی کنگھی کے ہیں مشتق ہے۔ فارسی میں مشاطہ اس عورت کو کہتے ہیں جو عورتوں کو بناؤ سنگھار کرائے جیسے ہندوستان میں نائن اردو میں مشاطہ بضم میم وتخفیف شین اس عورت کو کہتے ہیں جو زن ومرد کی نسبت تلاش کرے اور شادی کروائے۔

پانچویں جمع سے واحد کے معنی لیں جیسے اصول، احوال، اشراف کہ اصل اور حال اور شریف کے معنوں میں بولے جاتے ہیں۔

چھٹے دوسری زبان کے مادہ ہائے الفاظ سے ایسے صیغے بنانا جو اس زبان میں مستعمل نہ ہوں جیسے عفو اور عتاب سے معاف اور معتوب۔

مہند:

جو لفظ ہندی صورت اختیار کرے اس کو مہند کہتے ہیں۔

تصرف:

جب کسی غیر زبان کے لفظ میں کچھ کمی بیشی یا تغیر وتبدل کر کے اپنی زبان میں استعمال کرتے ہیں تو اس کمی بیشی یا تغیر وتبدل کو تصرف کہتے ہیں۔ تصرف عام ہے اور تحریک اور تسکین اور حذف اور زیادت اور تخفیف اور تعریب اور تفریس اور تہنید وغیرہ سب اس کی

قسمیں ہیں۔

یہ بیان کر دینا ضرور ہے کہ ان میں بہت سی مصطلحات جیسے اشباع اور ترخیم وغیرہ صرف عروض سے متعلق ہیں۔ صرف ونحو سے ان کو کچھ تعلق نہیں۔ مگر چونکہ دوسرے اہل قواعد نے اپنی کتابوں میں ان کا ذکر کیا ہے اس لیے ہم نے بھی ان کو خالی از نفع نہ دیکھ کر یہاں لکھ دیا ہے۔

.......☆.......☆.......
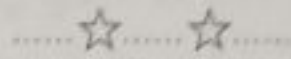
پہلا حصہ

علم صرف میں

صرف:

صرف اس علم کا نام ہے۔جس میں حروف وحرکات کے تغیر وتبدل سے مختلف طرح کے الفاظ اور مختلف قسم کے معانی پیدا ہوتے ہیں۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ بولنے والا صحیح لفظ بولے۔تم کہتے ہو''یوں کرو''یومت کرو''۔''اس نے کیا''۔''وہ کرتی ہے۔''''ہم کرتے ہیں''۔''تم کروگے''۔''میں نے کیا''۔ وہ کرنے والا ہے''۔''یہ کیا ہوا ہے''۔غور سے دیکھوتو ان فقرات میں ایک ایسا لفظ ہے۔جس نے حروف اور حرکات کے تغیر وتبدیل سے کئی طرح کی صورتیں اختیار کی ہیں۔ وہ لفظ کریا کرنا ہے اور ہم آگے چل کر بیان کریں گے کہ اِن دونوں لفظوں میں سے صورت بدلنے والا کونسا لفظ ہونا چاہیے۔تو جس علم میں لفظوں کے تغیر وتبدل اور کامات کے بنانے کا طریق بیان ہواس کا نام علم صرف ہے۔

لفظ:

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ انسان کے منہ سے جومختلف آوازیں یعنی طرح طرح کے حروف نکلتے ہیں۔ ان کو لفظ کہتے ہیں۔ رات، دِن، صبح، شام، چاند، سورج، زمین، آسمان، اٹھنا، بیٹھنا، لکھنا، پڑھنا وغیرہ غرض جو کچھ انسان بولتا ہے سب لفظ ہیں۔

لفظ کی قسمیں:

لفظ دوطرح کا ہوتا ہے، بامعنی اور بے معنی۔ بے معنی مہمل کہلاتا ہے۔تم بولتے ہو۔ ''روٹی ووٹی''۔''پانی وانی''۔روٹی اور پانی کے مفہوم کوسب جانتے ہیں۔مگر ووٹی اور وانی کے کچھ معنے نہیں ہیں۔بس اس کا نام مہمل ہے(مہمل لفظ بہت کم بولنے میں آتا ہے)بامعنی کو

موضوع کہتے ہیں۔

کلمہ:

لفظ موضوع سے اگر اکیلے معنے سمجھے جائیں تو اس کا نام کلمہ ہے۔ چپ رہنا مار ڈالنا اور اسی قبیل کے اور الفاظ جن کے اجزا ایک سے زیادہ ہیں۔ اگرچہ بجائے خود ہر ایک جز کے جداگانہ معنے ہیں۔ مگر بحالتِ ترکیب چونکہ ان سے ایک معنے سمجھے جاتے ہیں۔ اس لیے ہر ایک لفظ کلمہ ہے۔ کلمے کے لیے ضرور نہیں کہ لفظاً مفرد ہو بلکہ اس معنی مفرد ہونا ضرور ہے۔ ان تعریفات سے تم نے سمجھ لیا ہوگا کہ ہر کلمے کو لفظ کہہ سکتے ہیں۔ ہر لفظ کو کلمہ نہیں کہہ سکتے۔

جس طرح لفظ اُن حرفوں کو کہتے ہیں جو انسان کی زبان سے نکلیں۔ اسی طرح ان حرفوں کو بھی کہتے ہیں جو انسان کے قلم سے نکلیں۔ کیونکہ انسان قلم کے ذریعے سے بھی اپنا مافی الضمیر دوسروں پر اسی طرح ظاہر کرسکتا ہے۔ جس طرح زبان سے، اسی لئے اہل قواعد نے زبان☆ یا بولی کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ تقریری اور تحریری۔ تقریری وہ جو زبان سے بولی جائے۔ تحریری وہ جو لکھنے میں آئے۔ تم کہو گے کہ بولنے کو تو جانور بھی بولتے ہیں۔ چڑیاں چوں چوں کرتی ہیں۔ کوے کائیں کائیں کرتے ہیں۔ بلّیاں میاؤں میاؤں کرتی ہیں اور طوطی و مینا تو ایسی باتیں کرتے ہیں گویا انسان کا ننھا سا بچہ باتیں کرتا ہے اور نہ صرف باتیں کرتے ہیں بلکہ پڑھاؤ تو پڑھتے بھی ہیں۔ بے شک تمہارا یہ کہنا صحیح ہے مگر چونکہ جانور معدودے چند الفاظ کے سوا بول نہیں سکتے اور انسان کی طرح مسلسل گفتگو نہیں کرسکتے اور ہر طرح کے ادائے مطلب پر قدرت نہیں رکھتے۔ اس لئے جو کچھ وہ بولتے ہیں اس کو نہ زبان کہتے ہیں نہ لفظ۔

لفظ کی قسمیں پہلے بیان ہو چکیں اب کلمے کی اقسام سنو۔

☆ زبان یا بولی اس کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے انسان اپنے دل کی بات ظاہر کرسکے۔

کلمے کی قسمیں

اسم:

کلمہ تین قسم کو ہوتا ہے۔ ایک وہ جو اکیلا اپنے معنی دیتا ہے مگر اُس میں وقت کا شمول نہیں ہوتا۔ آدمیوں اور چیزوں کے ناموں مثلاً حامد محمود اونٹ گھوڑا ہاتھی زمین آسمان وغیرہ کو دیکھو کہ ان کے معنوں میں وقت مطلق نہیں پایا جاتا لیکن یہ الفاظ اپنے معنوں کو بخوبی ظاہر کر رہے ہیں۔ اسی طرح وہ الفاظ جن سے انسان وغیر انسان کے افعال اور حرکات بیان کی جائیں۔ جیسے اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، سونا، جاگنا، اچھلنا، کودنا، اڑنا دوڑنا وغیرہ کہ اُن کے معانی بالاستقلال بے انضمام☆ وقت سمجھے جاتے ہیں اس قسم کے کلمے کو اسم☆☆ کہتے ہیں۔

وقت (جس کا دوسرا نام زمانہ ہے) تین قسم کا ہے۔ ایک وہ جو گزر گیا۔ اس کو ماضی کہتے ہیں۔ دوسرا وہ جو بالفعل گزر رہا ہے۔ اس کا نام حال ہے۔ تیسرا آنے والا وہ مستقبل کہلاتا ہے۔ مصرع

وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تھا نہ کریں گے

اس مصرع میں تینوں زمانوں کی مثالیں ہیں۔

فعل:

دوسرا وہ کلمہ جو اکیلا اپنے معنے دیتا ہے اور اس میں منجملہ ازمنہ ثلاثہ کے ایک زمانہ بھی پایا جاتا ہے۔ اس کو فعل کہتے ہیں۔ اسم اور فعل میں اتنا ہی فرق ہے کہ اس میں وقت نہیں ہوتا۔ اس میں وقت کا ہونا ضرور ہوتا ہے۔ جب ہم صرف آنا کہتے ہیں تو اس میں کسی زمانے کا تعلق اور تعین نہیں ہوتا اور اسی لئے یہ اسم ہے لیکن جب آیا یا آتا ہے یا آئے گا کہتے ہیں تو وقت لازم ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ ان میں کام یا تو زمانہ گزشتہ میں ہو چکا ہوتا ہے۔ یا وقت موجودہ میں ہو رہا ہوتا ہے یا زمانِ آئندہ میں ہونے والا ہوتا ہے۔ مثلاً تم کہو زید آیا۔ کوئی پوچھے کب؟ تو جواب ہوگا گزرے ہوئے زمانے میں آتا ہے کب؟ گزرتے ہوئے زمانے میں

☆ شمول ☆☆ لغۃً اسم کے معنے نام کے ہیں۔

آئے گا۔ کب؟ آنے والے میں۔

حرف:

تیسرا وہ جو اکیلا کچھ معنے نہیں دیتا۔ اس کو حرف کہتے ہیں، حرف الفاظ میں صرف ربط اور تعلق کے لئے آتا ہے۔ سے میں پر تک کو سے (جو حروف ہیں) تم کچھ نہیں سمجھ سکتے کہ کہنے والے کی اس سے کیا مراد ہے۔ لیکن جب کہا جائے کہ "حامد صبح سے دوپہر تک اپنے گھر میں سبق یاد کرتا رہا" تو تم سمجھ لو گے کہ حامد کا سبق یاد کرنا صبح سے شروع ہو کر دوپہر کو ختم ہوا اور اس عرصے میں وہ اپنے گھر رہا۔

مختصر اور سلیس لفظوں میں کلمے کی تینوں قسموں کی تعریف یہ ہے اسم وہ کلمہ ہو اکیلا اپنے معنے دے اور اس میں کوئی زمانہ نہ پایا جائے ہر فعل وہ ہے جو اکیلا معنے دے اور اس میں کوئی زمانہ پایا جائے۔ حرف وہ ہے کہ جب تک اُس کے ساتھ اور لفظ نہ ملے اپنے معنے ظاہر نہ کرے۔

اسم کی اولی قسمیں

اسم کی پہلی (یعنی بناوٹ کے لحاظ سے) تین قسمیں ہیں۔ جامد مصدر مشتق۔

جامد:

جس سے کوئی دوسرا لفظ نہ نکلے اور نہ وہ کسی سے نکلے جیسے ہاتھی ۔ گھوڑا۔ چاقو۔ قلم۔ ڈھال۔ تلوار۔

مشتق:

جو کسی اور کلمے سے نکلا ہو۔ جیسے لکھنے والا (اسم فاعل) لکھا ہوا) (اسم مفعول) وغیرہ لکھنے سے مشتق ہیں۔ مگر یہ نہ سمجھنا کے تمام مشتقات اسم ہی ہوتے ہیں۔ کیونکہ افعال بھی مشتق ہوتے ہیں۔ چونکہ مشتقات دونوں قسم کے ہوتے ہیں۔ اسم بھی اور فعل بھی، اس لئے اسم کے اعتبار سے مشتق بھی اس کی ایک قسم قرار دیا گیا ہے۔

مصدر:

جن سے اور الفاظ نکلیں۔ جیسے کھانا سے کھایا کرو۔ ہم کھائیں گے۔ وہ کھاتے ہیں۔ تم نہیں کھاتے وغیرہ۔

مصدر اور اس کے مشتقات کا بیان

(اس میں فعل کی مفصل بحث لکھی جائے گی)

جو کلمہ کسی کام یا حرکت کا بیان ہو اور اس میں زمانہ نہ پایا جائے۔ یعنی اس کام حرکت کا کوئی وقت معین نہ ہو اس کو مصدر کہتے ہیں۔

مصدر کی تعریف اس طرح بھی کی جاتی ہے کہ مصدر وہ اسم ہے جس سے ہونا یا کرنا سہنا بلاتعلق زمانے کے سمجھا جائے۔ اس لیے کہ جتنے کام ہیں سب میں یا تو ہونا پایا جاتا ہے جیسے ہو جانا اٹھنا بیٹھنا آنا جانا وغیرہ یا کرنا جیسے کھانا پینا لکھنا پڑھنا وغیرہ یا سہنا جیسے پٹنا۔ لٹنا۔ مارا جانا وغیرہ۔

مصدر کی علامت یہ ہے کہ اس کے آخر میں ہمیشہ نا آتا ہے جیسے کہنا۔ سننا۔ چلنا۔ پھرنا وغیرہ۔

مصدر کی جو تعریف اوپر کی گئی ہے اس سے وہ الفاظ مصدر سے خارج ہو جاتے ہیں جن کے آخر میں نا تو ہے مگر وہ کسی کام یا حرکت کا بیان نہیں ہوتے۔ جیسے گھرانا۔ نانا۔ پرانا۔ چونا۔ سونا۔ (بواوٗ معروف بمعنی ویران) سونا۔ (بواوٗ مجہول بمعنی زر) تانا۔ بانا وغیرہ۔

مصدر کی ایک بڑی شناخت یہ بھی ہے کہ علامت مصدر (نا) کے ساقط کرنے سے امر کا صیغہ رہ جاتا ہے۔ جیسے کرنا سے کر۔ ہونا سے ہو۔ کھانا سے کھا۔ پینا سے پی۔ مگر گھرانا پرانا وغیرہ۔ اسماء مذکورہ سے نا گرا دیا جائے تو دیکھو باقی کیا رہ جاتا ہے۔

اصل استقاق مصدر ہے یا امر:

مصدر کا لفظ جو عربی ہے اور جس کے معنی ہیں جائے صدور اس امر کی دلیل ہے کہ علمائے عرب مصدر کو اشتقاق کی اصل مانتے ہیں یعنی جائے صدور افعال بعض ادبائے اردو

کے کلام سے بھی تراوش ہوتا ہے کہ وہ مصدر ہی کو اصل اشتقاق خیال کرتے ہیں۔ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی اپنے ایک لکچر میں لکھتے ہیں۔

دنیا نہ ہو تو دین کی رونق کہاں سے ہو اعلائے شان قادر مطلق کہاں سے ہو
ایثار و بذل وجود محقق کہاں سے ہو مصدر ہی جب انہیں ہے تو مشتق کہاں سے ہو

چوتھا مصرع بطور تمثیل واقع ہوا ہے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ مولوی صاحب کے نزدیک مصدر ہی محل اشتقاق ہے۔ ہر چند اس شعر میں صراحت نہیں کہ وہ کس زبان میں مصدر کو اصل اشتقاق سمجھتے ہیں مگر چونکہ وہ اردو کے اہل زبان ہیں اور ہندوستانی ہی ان کے مخاطب ہیں اس لیے کون کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے ہم وطنوں کے خطاب میں زبان عرب کے مسئلہ کو بطور تمثیل کے بیان کیا ہے اہل فارس بھی مصدر ہی کو اصل اشتقاق مانتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ امر بہ اعلیٰ ندا پکار رہا ہے کہ اصل اشتقاق میں ہوں۔ کیونکہ مجھ سے مضارع حال استقبال اسم فاعل اسم حالیہ متعدد صیغے مشتق ہوتے ہیں۔ کر امر ہے۔ کرے مضارع۔ کرتا ہے حال۔ کرے گا استقبال۔ کرنے والا اسم فاعل کرتا ہوا اسم حالیہ۔ دیکھو سب کے شروع میں کر آتا ہے۔ مگر جس طرح امر سے یہ صیغے بن جاتے ہیں۔ اسی طرح مصدر سے علامت مصدر کے حذف کرنے سے یہ صیغے نکل آتے ہیں۔ اس لیے ہم بھی اردو میں مصدر ہی کو اصل اشتقاق قرار دیتے ہیں۔

مصدر اصلی اور جعلی:

مصدر باعتبار وضع یعنی بناوٹ کے دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جو خاص معنی مصدری کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ جیسے لینا دینا۔ آنا جانا۔ دوڑنا بھاگنا وغیرہ۔ ایسا مصدر مصدر اصلی کہلاتا ہے۔ دوسرے وہ جو الفاظ عربی یا فارسی وغیرہ پر (خواہ وہ مصدر ہوں یا اسم جامد یا حاصل مصدر) مصدر یا علامت مصدر زیادہ کر کے مصدر بنائیں۔ جیسے شروع کرنا۔ تشریف لانا۔ روشن کرنا۔ خوش ہونا۔ آزمائش کرنا۔ ایکٹ کرنا۔ لیکچر دینا۔ قبولنا۔ بدلنا۔ بخشنا۔ محاورے میں کہتے ہیں وہ کسی طرح نہیں قبولتا۔ شعر

اس جنگ زرگری سے خبردار ہم بھی ہیں اس سیم تن سے تو نہ عبث اے رقیب بحث

ایسے مصدر مصدر جعلی کہلاتے ہیں۔

کبھی اردو یا فارسی لفظ میں کسی قدر تغیر و تبدل یا کوئی حرف زیادہ کر کے نشان مصدر آخر میں لگاتے ہیں جیسے ٹھوکر سے ٹھکرانا۔ اجلا سے اجلوانا۔ لالچ سے للچانا۔ مکی سے مکیانہ۔ جوتی سے جتیانا۔ شرم سے شرمانا۔ گہن سے گہنانا۔ ساٹھ سے سٹھیانا☆۔ کفن سے کفنانا۔ دفن سے دفنانا۔ پتھر سے پتھرانا۔ چکر سے چکرانا۔ ذوقؔ

چاک آتا ہے نظر پیراہن صبح بہار کس شہید ناز کو دیکھا ہے کفناتے ہوئے

مقتولؔ

وہ نہ آئیں گے یونہی ہوگی مری مٹی خراب ہمدم تم کیوں مرے لاشے کو دفناتے نہیں

ذوقؔ

پتھرا دیا جلوہ نے ترے چشم صنم کو چکرا دیا غمزے نے ترے طوف حرم کو

کبھی فارسی مصدر سے اردو مصدر بناتے اور اس سے فعل مشتق کرتے ہیں جیسے لرزیدن سے لرزنا نواختن سے نوازنا۔ فرمودن سے فرمانا۔ بخشیدن سے بخشنا۔ آزمودن سے آزمانا۔

مرزا غالبؔ

لرزتا ہے مرا دل زحمت مہر درخشاں پر میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خار بیاباں پر

مولوی حالی امید کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔ شعر

نوازا بہت بے نواؤں کو تو نے تونگر بنایا گداؤں کو تو نے

کبھی اس طرح سے مصدر بنایا جاتا ہے کہ فارسی کے دو جزوی مصدر کے جزو اول کو قائم رکھ کر جزو ثانی کا ترجمہ کر دیتے ہیں۔ جیسے برآمدن سے برآنا۔ فارسی

امید بستہ برآمد ولے چہ فائدہ زاں کہ امید نیست کہ عمر گزشتہ باز آید

اردو

وہ بھی ہوگا کوئی امید برآئی جس کی اپنے مطلب تو نہ اس چرخ کہن سے نکلے

☆ جب آدمی بڈھا ہو جاتا ہے اور حواس برجا نہیں رہتے تو کہتے ہیں کہ سٹھیا گیا ہے۔

مصدر مرکب:

مصدر جعلی جو مصدر سے عربی یا فارسی یا انگریزی یا اردو مصدر یا اسم جامد یا حاصل مصدر ترکیب دے کر بنائے جاتے ہیں (جن کی مثالیں اوپر گزر چکی ہیں) ان کو مصدر مرکب بھی کہتے ہیں۔ محاورے میں کبھی کبھی دو دو مصدر استعمال کیے جاتے ہیں خواہ ان کے معنی باہم ملتے جلتے ہوں یا بالکل مختلف ہوں جیسے چلنا۔ پھرنا۔ دیکھنا۔ بھالنا۔ رونا۔ دھونا۔ وغیرہ ایسے مصادر میں دوسرا مصدر پہلے کا تابع کہلاتا ہے۔ اور پہلا دوسرے کا متبوع۔ تابع و متبوع کا مفصل حال ہم علم نحو میں لکھیں گے۔

مصدر کبھی دوسرے الفاظ کی ترکیب سے فعل حال کے معنی دیتا ہے جیسے مومن خاں

دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ　　کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں

یعنی سب مجھی کو بُرا کہتے ہیں۔

کبھی مصدر سے صیغۂ مستقبل کے معنی لیے جاتے ہیں۔ شعر

ہم صفیر و ہو مبارک تم کو گلشن کی بہار　　پھر نہ ہم آئینگے اب کچھ اس طرح جانے کو ہیں

یعنی اب ایسے جائیں گے کہ پھر نہیں آئیں گے۔ شعر

شکوہ حرف تلخ کا یا شور بختی کا گلہ　　ہم جو کچھ کہنے کو ہیں سو بے مزا کہنے کو ہیں

مولوی نذیر احمد صاحب لوگوں کو بگڑے ہوئے مذاقوں کے موافق نظم لکھنے کا ارادہ ظاہر کرتے اور لکھتے ہیں

نظم قومی کی تو اب ہوتی نہیں لوگوں میں قدر　　ہم بھی کوئی دن میں اک اندر سبھا کہنے کو ہیں

جب پڑھی جائے گی یاروں میں غزل تب دیکھنا　　جتنے منہ ہیں ان میں کتنے واہ وا کہنے کو ہیں

مقام نفی میں کہتے ہیں ''میں تو یہ کام نہیں کرنے کا۔'' آتش

زندگانی سے دل محزوں عبث ہوتا ہے تنگ　　دیکھنے کا پھر نہیں عمر رواں کو خواب میں

مصحفی

آنے دو اسے جس کے لیے چاک کیا ہے　　ناصح سے گریباں کو سلانے کے نہیں ہم

اس صورت میں مصدر کے الف کو یائے مجہول سے بدل کر کا واحد مذکر کے لیے اور کے

یائے مجہول جمع مذکر کے لیے اور کی بیائے معروف واحد مونث کے لیے اور کیں بہ نون غنہ جمع مونث کے لیے بڑھاتے ہیں۔

فائدہ:

کبھی مصدر بہ زیادت لفظ ہے بھی استقبال کے معنی دیتا ہے۔ اس وقت اس کا فاعل مفعول کی صورت میں آتا ہے۔ ناسخ

اے اجل ایک دن آخر تجھے آنا ہے ولے   آج آتی شب فرقت میں تو احساں ہوتا

اکثر لوگ جو زبان اردو سے اچھی طرح واقفیت نہیں رکھتے۔ اس طرح کے کلام میں غلطی کرتے ہیں اردو کے اہل زبان کہتے ہیں "تم کو کیا کرنا ہے؟" "مجھے سبق یاد کرنا ہے" اہل پنجاب کہتے ہیں "تم نے کیا کرنا ہے" "میں نے سبق یاد کرنا☆ ہے۔

☆ یہاں پر ایک بات یاد آئی ۱۸۹۴ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ اجلاس پر مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے ایک صغیر السن لڑکے کو جلسے میں پڑھنے کے لیے ایک پانچ بند کا مسدس لکھ دیا جس کا پہلا بند یہ ہے۔

حاتم کو دو نہ شاعر شیریں سخن کو دو   بھوکے کے پیٹ کو نہ برہنہ کے تن کو دو

شہری کو اور نہ مرد غریب الوطن کو دو   نے طفل کو نہ پیر کو نے مرد و زن کو دو

کہتا ہے کون تم سے کہ تم ما و من کو دو   جو کچھ کہ تم کو دینا ہے اس انجمن کو دو

لڑکے نے تو اس طرح پڑھا ہوگا جس طرح اس کو لکھ دیا ہوگا مگر یا تو انجمن کے ممبروں نے یا کاتب رسالہ انجمن نے ٹیپ کے شعر میں تم کو میں، کو، شاید، غلط سمجھ کر بجائے اس کے نے کر دیا۔ چنانچہ رسالہ انجمن میں اسی طرح چھپا ہوا موجود ہے ۱۸۹۵ء میں جب مولوی صاحب انجمن کے سالانہ اجلاس پر تشریف لائے تو راقم کو بھی لاہور جانے اور مولوی صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا اتفاقاً مولوی صاحب نے مسدس مذکور اور اس کے سبب تصنیف کا ذکر کیا اور اس کا دوسرا بند بھی پڑھا۔

اس انجمن میں بیسیوں بچے یتیم ہیں   دل جن کے درد بے پدری سے دو نیم ہیں

بے کس شکستہ حال ہیں زار و سقیم ہیں   سیلی خور طمانچہ امید و بیم ہیں

چوتھے مصرع کو دو تین دفعہ دوہرا کر پڑھا جب ٹیپ کا شعر پڑھا۔

کہتا ہے کون تم سے کہ تم ما و من کو دو   جو کچھ کہ تم کو دینا ہے اس انجمن کو دو

تو میں نے کہا جناب اس شعر میں کسی نے اصلاح بھی دی ہے۔ "جو کچھ کہ تم نے دینا ہے اس انجمن کو دو۔" یہ اصلاح سن کر مولوی صاحب بے ساختہ ہنس پڑے۔)

کبھی مصدر ماضی ناتمام کے معنی دیتا ہے۔ جیسے مثنوی میر حسن میں ہے

جہاں بیٹھنا پھر نہ اٹھنا اسے — محبت میں دن رات گھٹنا اسے
کہا گر کسی نے کہ بیوی چلو — تو اُٹھنا اُسے کہہ کے ہاں جی چلو
جو پوچھا کسی نے کہ کیا حال ہے — تو کہنا یہی ہے جو احوال ہے

یعنی جہاں بیٹھتی تھی پھر نہ اٹھتی تھی اور دن رات محبت میں پڑی گھٹتی تھی۔ اگر کوئی کہتی تھی کہ بیوی چلیے تو یہ کہہ کے اٹھتی تھی کہ ہاں جی چلو۔ اور اگر کوئی حال پوچھتی تھی تو یہ کہتی تھی کہ جو حال ہے بس یہی ہے۔

تنبیہ:

یاد رکھنا چاہیے کہ جب مصدر ماضی ناتمام کے معنی دیتا ہے تو اس صورت میں بھی فاعل مفعول کی صورت میں آتا ہے جیسا کہ ابیات مذکورہ سے ظاہر ہے۔

کبھی مصدر امر کا فائدہ دیتا ہے مگر اس کا حکم فوراً زمانہ حال پر نہیں پڑتا جیسے۔ شعر

کچھ میری بے خودی سے تمہارا زیاں نہیں — تم جاننا کہ بزم میں اک خستہ جاں نہ تھا

کبھی مصدر کے اول مت یا نہ لگا کر نہی کا کام لیتے ہیں۔ جیسے خبردار پھر ایسا مت کرنا۔

ناسخ

کوئی پروانہ جلے گا تو جلوں گا غم سے میں — دوستو ہر گز نہ رکھنا تم سر مدفن چراغ

فائدہ:

جب مصدر امر یا نہی کے معنی دیتا ہے تو فاعل کے ساتھ نے علامت فاعل نہیں آتی۔ مت کہنا۔ تم نے کرنا۔ یا تم نے مت کرنا کہ اس طرح بولنا خلاف محاورۂ اہل زبان ہے۔

جب مصدر کے ساتھ ایسا مونث لفظ واقع ہو جو اس کا اور اس کے مشتقات کا مفعول ہو سکے تو علامت مصدر کا الف یائے معروف سے بدل جاتا ہے جیسے روٹی کھانی۔ کتاب پڑھنی۔ کوشش کرنی۔ بعض اوقات اس کو نہیں بھی بدلتے اور روٹی کھانا اور کتاب پڑھنا اور کوشش کرنا وغیرہ بولتے ہیں اور اہل لکھنؤ تو اس میں مطلق تصرف نہیں کرتے۔

قابلیت کے معنوں میں بھی علامت مصدر کا الف یائے معروف سے بدل جاتا ہے۔

جیسے ہونی ☆ ان ہونی۔ رباعی۔

دنیا ہم نے سرائے فانی دیکھی ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا جو جا کے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

کبھی نا (علامت مصدر) حذف کر دیتے ہیں جیسے شعر

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

مرزا غالب

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

معنوں کی رو سے مصدر کی دو قسمیں ہیں

لازم اور متعدی:

جس فعل کے وقوع میں آنے کے لیے کرنے والے کے سوا دوسرے شخص یا چیز کا ہونا ضرور نہ ہو اس کو فعل لازم کہتے ہیں۔ اور جس مصدر سے ایسا فعل مشتق ہو اس کو مصدر لازم جیسے اٹھنا، بیٹھنا، اچھلنا، کودنا، سونا، جاگنا، یہ سب کام تنہا ایک شخص کے کرنے سے پورے ہو سکتے ہیں اور جس کام کے پورا کرنے کو دوسرے شخص یا چیز کی بھی حاجت ہو۔ اس کو فعل متعدی کہتے ہیں اور جس مصدر سے فعل متعدی نکلے اس کو مصدر متعدی جیسے پڑھنا۔ لکھنا۔ مارنا۔ دینا۔ پالنا۔ یہ سب کام ایسے ہیں کہ جب تک پڑھنے والے، لکھنے والے، مارنے والے، دینے والے، پالنے والے کے سوا ایک اور چیز یا شخص نہ ہو وقوع میں نہیں آسکتے۔ یعنی پڑھنے کے لیے ضرور ہے کہ ایک پڑھنے والا ہو اور ایک وہ چیز ہو جو پڑھی جائے لکھنے کے لیے بھی لکھنے والے کے سوا ایک ایسی چیز کا ہونا ضروری ہے جو لکھی جائے۔ مارنے کے لیے ایک تو مارنے والا چاہیے ایک مار کھانے والا۔ کیونکہ جب تک مار کھانے والا نہ ہو گا مارنا وقوع میں

☆ مولوی حیدر علی صاحب لکھتے ہیں کہ یائے قابلیت فارسی میں البتہ ہوتی ہے جیسے کشتنی و دیدنی و ناگفتنی وغیرہ۔ اردو میں ہرگز نہیں ہے۔ یہ جو کہتے ہیں مجھے بات کرنی ہے یا شکوے کرنے ہیں۔ یہ علامت تانیث و جمع کی ہے جسے اکثر فصحا ترک بھی کرتے ہیں اور یوں بولتے ہیں کہ مجھے بات کرنی ہے۔)

نہیں آسکتا۔ اسی طرح دینے کے لیے دینے والے کے سوا ایک ایسی چیز کا ہونا ضروری ہے جو دی جائے اور ایک ایسے شخص کا ہونا بھی ضرور ہے، جس کو چیز دی جائے کیونکہ اگر چیز اور شخص دونوں نہ ہوں تو دینے والا دے گا کیا اور دے گا کس کو؟

فاعل اور مفعول:

جو شخص کام کو پورا کرتا ہے اس کو فاعل کہتے ہیں اور کام کے پورا کرنے کے لیے فاعل کے سوا جس دوسرے شخص یا چیز کا ہونا ضرور ہوتا ہے وہ مفعول کہلاتا ہے۔ جیسے زید کتاب پڑھتا ہے۔ اس جملہ میں پڑھنے والا (یعنی پڑھنے کے فعل کو پورا کرنے والا زید ہے۔ تو زید کو فاعل کہیں گے اور چیز پڑھی جاتی ہے یعنی کتاب وہ مفعول ہے۔)

لازم اور متعدی کی مختصر طور پر اس طرح بھی تعریف کی جاتی ہے کہ جو فعل صرف فاعل کو چاہے وہ لازم ہے اور جو فاعل اور مفعول دونوں کو چاہے وہ متعدی ہے۔

فعل متعدی کی ایک یہ بھی شناخت ہے کہ کلام میں ماضی مطلق کے فاعل کے بعد نے آتا ہے جیسے زید نے عمرو☆ کو مارا، خالد نے بکر کو سبق پڑھایا۔ مگر لانا، لے جانا، بولنا، مستثنیٰ ہیں۔ اور پکارنا اور سیکھنا اور پڑھنا ایسے فعل ہیں کہ ان کے فاعل کے ساتھ نے آتا بھی ہے اور نہیں بھی آتا جیسے شعر

تم نے یہ جانا گئے ہم تم کو بھول — ہم نے یہ سمجھا کہ تم سمجھے غلط

اس شعر میں سمجھا اور سمجھے کے ساتھ نے کے ہونے اور نہ ہونے دونوں کی مثالیں ہیں مصرع کہ راعی نے للکار کر جب پکارا توبۃ النصوح میں ہے "یہ کہہ کر صالحہ اندر مکان میں گھستے ہی پکاری۔ کیوں بی میری آپا کہاں ہے۔" مرزا غالب

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لیے ہم مصوری — تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

مولوی نذیر احمد

واں مدرسوں کے واسطے چندوں کی ریل پیل — یاں یہ سبق کوئی متنفس پڑھا نہیں

فعل لازم کے فاعل کے ساتھ نے کبھی نہیں آتا۔ جیسے حامد چلا۔ محمود گیا۔ احمد دوڑا۔

☆ عمرو اور عمر میں امتیاز کتابت کے لیے عمرو میں واؤ زیادہ کر دیتے ہیں۔

بعض مصدر لازم بھی ہوتے ہیں اور متعدی بھی۔ جیسے شرمانا۔ حالی

زمیں جس سے ہے زلزلے میں برابر ملک جس سے شرماتے ہیں آسماں پر

ذکر بچپن کا جو فرماتے ہیں آپ اپنے احسانوں سے شرماتے ہیں آپ

بعض مصدر ایسے ہیں کہ ہیں تو لازم۔ مگر بعض اوقات اس کا مفعول بھی آ جاتا ہے۔

جیسے آنا۔ ذوق کہتے ہیں شعر

ہم رونے پہ آ جائیں تو دریا ہی بہائیں شبنم کی طرح سے ہمیں رونا نہیں آتا

اس شعر میں نہیں آتا فعل منفی۔ رونا فاعل۔ ہمیں مفعول ہے شعر

کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرت انسان پر کار بد تو خود کریں لعنت کریں شیطان پر

یہاں مجھ کو آتی ہے کا مفعول ہے۔

فعل متعدی کے لیے جس طرح ایک مفعول کا ہونا ضروری ہے اسی طرح کبھی دو مفعول کا ہونا بھی ضروری ہے۔ جیسے زید نے عمرو کو کھانا کھلایا۔

مصدر متعدی کی قسمیں

اردو میں مصدر متعدی تین طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو اصل میں متعدی ہی وضع کیا گیا ہو جیسے کھانا پینا، لکھنا پڑھنا، ایسے مصدر کو متعدی بنفسہ کہتے ہیں۔ دوسرے جو لازم بلا واسطہ متعدی بنالیا ہو جیسے جلنا سے جلانا۔ ڈرنا سے ڈرانا۔ رونا سے رُلانا ایسے مصادر کا نام متعدی ہے۔

تیسرے جو متعدی سے متعدی المتعدی بنا لیا ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ متعدی ایک مفعول کو چاہتا تھا۔ متعدی المتعدی بنانے سے دوسرے مفعول کو چاہنے لگا۔ جیسے کھانا سے کھلانا۔ پینا سے پلانا۔ اس قسم کے مصدر میں وقوع فعل کے لیے کسی دوسرے شخص کا ذریعہ درمیان میں نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ متعدی ایک مفعول کو چاہتا ہے۔ یا دو کو۔ متعدی المتعدی بننے کی حالت میں وقوع فعل کے لیے کسی اور شخص کا ذریعہ درمیان میں واقع ہو جیسے کرنا سے کرانا کروانا۔ لکھنا سے لکھانا، لکھوانا، اٹھنا سے اٹھانا اٹھوانا۔ دینا سے دلانا دلوانا۔ سینا

سکھنا سکھوانا۔ ان ہر دو اقسام مصدر میں سے اس مصدر قسم اوّل کو متعدی المتعدی کہتے ہیں اور مصدر قسم ثانی کو متعدی بالواسطہ۔

متعدی بنانے کے طریقے

مصدر لازم سے متعدی بنانے کا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں۔ کبھی تو علامت کے پہلے الف زیادہ کر دیتے ہیں جیسے بڑھنا، بڑھانا، چلنا چلانا، ہنسنا ہنسانا، بسنا، بسانا، ہلنا ہلانا، بننا بنانا، ترپنا ترپانا، چمکنا چمکانا، اڑنا اڑانا، ڈرنا ڈرانا، لٹکنا لٹکانا۔ کبھی حرف اوّل کے بعد اس کی حرکت کے موافق حرف علت زیادہ کیا جاتا ہے۔ یعنی پہلے حرف پر اگر پیش ہو تو واؤ زیادہ کرتے ہیں۔ یہ واؤ بعض مصادر میں مجہول ہوتا ہے بعض میں معروف جیسے رُکنا روکنا، کھلنا کھولنا، پجنا پوجنا، لٹنا لوٹنا اور اگر پہلا حرف کسر ہو تو ے زیادہ کرتے ہیں۔ یہ ے بعض مصادر میں مجہول ہوتی ہے اور بعض میں معروف جیسے پھرنا پھیرنا، پسنا، پیسنا اور اگر حرف مفتوح ہو تو الف زیادہ کرتے ہیں جیسے مرنا مارنا، ٹلنا، ٹالنا، پلنا پالنا، بندھنا باندھنا، کٹنا، کاٹنا، پھٹنا کے متعدی میں ٹ کو ڑ سے بھی بدلتے ہیں اور پھاڑنا کہتے ہیں کبھی ایک مصدر کو دو طرح متعدی بناتے ہیں جیسے دبنا دابنا دبانا، کبھی مصدر مشترک المعنی جو اختلاف معنی کے سبب مختلف طور پر متعدی بناتے ہیں۔ جیسے گھلنا سے گھولنا (ملانا) گھلانا (تحلیل کرنا) مصرع گھول کر شہد میں دشمن مجھے سم دیتے ہیں حالی

کھپاتے ہیں کوشش میں تاب و تواں کو گھلاتے ہیں محنت میں جسم اور جاں کو

کبھی دوسرے حرف کے بعد یائے مجہول زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے لپٹنا، لپیٹنا، سمٹنا، سمیٹنا، ادھڑنا، ادھیڑنا، بکھرنا، بکھیرنا، کبھی یائے معروف جیسے گھسٹنا، گھسیٹنا۔

کبھی دوسرے حرف کو واؤ مجہول سے بدل دیتے ہیں۔ جیسے دھلنا، دھونا۔

کبھی علامت مصدر سے پہلے واؤ مجہول زیادہ کرتے ہیں جیسے چھبنا، چھبونا۔

بعض مصدر ایسے ہیں کہ لازم کچھ ہیں متعدی کچھ جیسے رہنا رکھنا، پڑنا، ڈالنا، ٹوٹنا، توڑنا۔

بعض مصادر لازم سے متعدی اور متعدی سے متعدی المتعدی ایک ہی طرح بنائے

جاتے ہیں یعنی اگر مصدر چار حرفی ہو اور دوسرا حرف حرف علت ☆ ہو۔ تو حرف علت کو ساقط کر کے اس کی جگہ لام اور الف (یعنی لا) زیادہ کر دیتے ہیں جیسے رونا۔ رلانا۔ سونا۔ سلانا۔ کھانا۔ کھلانا۔ پینا۔ پلانا اور اگر پانچ حرفی ہو اور دوسرا حرف حرف علت ہو تو اس کو گرا کر علامت مصدر سے پہلے الف زیادہ کیا جاتا ہے۔ جیسے تیرنا ترانا۔ ☆☆ جاگنا جگانا۔ بھاگنا۔ بھگانا۔ کودنا۔ کدانا۔ ہارنا ہرانا۔ چاٹنا چٹانا۔ بعض مصادر میں سے حرف علت کو ساقط کر کے علامت مصدر سے پہلے الف یا لام الف (یعنی لا) بڑھاتے ہیں جیسے دیکھنا دکھلانا۔ بیٹھنا بٹھانا بٹھلانا۔ سیکھنا سکھانا سکھلانا۔ مگر دوسرے طرح کے مصدر بیشتر نظم میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ کبھی مصدر لازم کے پہلے لفظ لے زیادہ کر کے متعدی بناتے ہیں۔ جیسے بھاگنا لے بھاگنا۔ چلنا لے چلنا۔ جانا لے جانا۔ اڑنا لے اڑنا۔ ڈوبنا لے ڈوبنا۔ کوئی کہتا ہے۔ ع

ہم تو ڈوبے ہیں ولے تم کو بھی لے ڈوبیں گے

اب مصدر بالواسطہ کے بنانے کا طریق سنو۔

اردو میں مصدر بالواسطہ کی دو صورتیں ہیں اس لیے اس کے بنانے کے طریق بھی دو ہیں:

ایک یہ کہ علامت مصدر سے پہلے صرف الف زیادہ کیا جاتا ہے۔ جیسے کرنا کرانا دوسرے یہ کہ علامت مذکور سے پہلے واؤ اور الف (یعنی لفظ وا) زیادہ کیا جاتا ہے اور مصدر کا دوسرا حرف حرف علت ہو تو گر جاتا ہے۔ جیسے بھیجنا بھجوانا۔ کھولنا کھلوانا۔ ڈالنا ڈلوانا۔ چھاپنا چھپوانا۔ روکنا رکوانا۔ پیسنا پسوانا۔ ہانکنا ہنکوانا۔ پیٹنا پٹوانا۔ اٹھانا اٹھوانا۔ بچھانا بچھوانا۔ مگر بیچنا کا متعدی بالواسطہ بچوانا نہیں آتا بکوانا آتا ہے یعنی چ ک سے بدل جاتی ہے۔ یہاں پر یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ عموماً مصدر بالواسطہ کے لیے علامت مصدر سے پہلے لفظ وا بھی زیادہ کرتے ہیں صرف زیادت الف ہی کام نہیں دیتی جیسے بھیجنا۔ ڈالنا۔ روکنا۔ پیٹنا وغیرہ سے بھجانا، ڈلانا، رکانا پٹانا نہیں آتا۔ بھجوانا، ڈلوانا، رکوانا (پٹوانا آتا ہے) اور اگر مصدر میں

☆ یہاں حرف علت سے وہ حرف علت مراد ہے جو علامت مصدر کے الف کے علاوہ ہو۔

☆☆ ترانے میں تائے مثناۃ فوقانیہ کو مسکور کر کے ترانا بولتے ہیں۔

تیسرا حرف حرف علت ہو تو وہ ساقط ہو جاتا ہے۔ جیسے کمانا کموانا۔ نچوڑنا نچڑوانا اور جو
حرف حرف علت ہو تو اس کو بھی حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے پہچاننا پہچنوانا۔ چوانا میں علامت
مصدر سے پہلے کا وا اصلی ہے تعدیئے کا نہیں۔ حالی

تو نے اک اک کے چوایا حلق میں آب بقا ہو رہے تھے دو دو ماں علم و دولت جاں بلب

یہ بھی معلوم رہے کہ ہر مصدر لازم سے متعدی اور ہر متعدی سے متعدی المتعدی یا
متعدی بالواسطہ نہیں آتا۔ جیسے آنا☆ جانا للچانا۔ گھبرانا۔ لڑکھڑانا۔ بلبلانا۔ تلملانا۔ پانا۔ لینا۔
وغیرہ یہ مصادر جیسے ہیں ہمیشہ ایسے ہی رہتے ہیں۔

اجزا کی کمی بیشی یعنی لفظ اور خواص کی رو سے مصدر کی قسمیں مجرد اور مزید فیہ

اردو میں مصدر اجزائے الفاظ کی کمی بیشی اور خواص کی رو سے دو قسم کا ہوتا ہے ایک وہ
کہ اگر اس میں سے کوئی حرف کم کر دیا جائے تو مصدر کی صورت بدل جائے یعنی مصدر مصدر
نہ رہے جیسے آنا جانا۔ لکھنا پڑھنا۔ اٹھنا بیٹھنا وغیرہ اس قسم کے مصدر کا نام ہم مجرد رکھتے ہیں۔
دوسرے وہ کہ مصدر مجرد پر کچھ حروف زیادہ کر کے بنایا گیا ہو جیسے ہونا سے ہو چکنا ہو لینا۔ ہو
جانا۔ ہوتا رہنا۔ ہوا کرنا۔ ایسے مصدر کو ہم مزید فیہ کہتے ہیں۔ اسی طرح اور مصادر و افعال کی
بھی طرح طرح کی صورتیں ہیں اور پہلی اور دوسری اقسام کے مقامات استعمال بھی جدا جدا
ہیں۔ مثلاً ہو چکا اور ہو لیا۔ یہ افعال اور جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ ہوا اور جگہ مستعمل ہوتا ہے
ہوا کو ہو چکا اور ہو لیا کی جگہ استعمال کرنا کلام کو غلط اور خوبی کلام کو غارت کر دیتا ہے۔ شیخ
ابراہیم ذوق کہتے ہیں۔ شعر

میں ہجر میں مرنے کے قریں ہو ہی چکا تھا تم وقت پہ آ پہنچے نہیں ہو ہی چکا تھا

اس شعر میں اگر ہو ہی چکا تھا کی جگہ ہوا تھا کہیں تو شعر میں جان نہیں رہتی۔

☆ بعض زبانوں میں آنا کا متعدی لانا آتا ہے مثلاً عربی میں جاء کے معنی ہیں آیا جاء بہ کے معنی
ہیں اس کو لایا صرف حرف ب نے فعل لازم متعدی کر دیا۔)

اردو میں قسم دوم کے مصادر اور افعال کی نہایت خوشنما اور لطیف ترکیبیں ہیں جن سے کلام میں شگفتگی اور برجستگی پیدا ہوتی ہے۔ ایسی صورتوں کے افعال میں علاوہ اس کے کہ ان سے کلام میں زور اور لطافت و خوش نمائی پیدا ہو۔ جداگانہ خواص بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً آیا میں (جو مصدر قسم اول کی ماضی ہے) مطلق آنا یعنی کلام کا وقوع پایا جاتا ہے۔ آنے لگا میں (جو مصدر قسم دوم کی ماضی ہے) کام کا آغاز۔ آچکا میں کام کا اختتام آیا کیا میں عادت و دوام۔ آتا رہا میں استمرار۔ آنے دیا میں اجازت و اختیار۔ اشعار ذیل میں افعال مزید فیہ دیکھو۔

ضبط گریہ نے تماشا طرفہ تر دکھلا دیا
چشم کے کوزے میں دریا بند کر دکھلا دیا

عزیز احباب ساتھی دم کے ہیں پھر چھوٹ جاتے ہیں
جہاں یہ تار ٹوٹا سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں

دیکھ لے حال شمع پروانہ
گھر جہنم ہے زن مریدوں کو

پھینک دو کاٹ کے جڑ نخل تمنا کی امیرؔ
پھول کم بخت میں آئے نہ کبھی پھل آئے

روز روشن تیرہ بختی سے نہ دیکھا عمر بھر
شب کی شب گویا میں اس محفل میں مہماں رہ گیا

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا
خاکساری اپنے کام آئی بہت

فکر فردا کی گلے پڑ گئی عادت کیسی
جان کو ہم نے لگائی ہے یہ علت کیسی

ہزل ہو یا حد نصیحت لیجیے ہر بات سے
کہہ گئے ہیں اہل دل دع ما کدر خذ ما صفا

جس کم سخن سے کیجیے تقریر بول اٹھے
ہے ہم میں وہ کمال کہ تصویر بول اٹھے

میرے نالوں سے نہیں خوشتر نوائے عندلیب　　بندھ رہی ہے پر گلستاں میں ہوائے عندلیب

جس بات کی چاہو قسم اک مرتبہ لے لو　　ہر بار تو قرآن اٹھایا نہیں جاتا

اتنا ہوں تری تیغ کا شرمندہ احساں　　سر میرا ترے سر کی قسم اٹھ نہیں سکتا

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا　　یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

مسدس حالیؔ

راہ راست پر ہیں وہ کچھ آتے جاتے　　تعلّی سے اپنی ہیں شرماتے جاتے
تفاخر سے ہیں اپنے پچھتاتے جاتے　　سراغ اپنا کچھ کچھ ہیں وہ پاتے جاتے
بزرگی کے دعوؤں سے پھرنے لگے ہیں
وہ خد اپنی نظروں سے گرنے لگے ہیں

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے　　سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے　　تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے
بلند ایک ہوتا تھا گرداں شرارا
تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا

پتا اصل مقصود کا پا گیا جب　　نشاں گنج و دولت کا ہاتھ آ گیا جب
محبت سے دل ان کا گرما گیا جب　　سماں ان پہ توحید کا چھا گیا جب
سکھائے معیشت کے آداب ان کو
پڑھائے تمدن کے سب باب ان کو

ہو گرتے ہیں گر کر سنبھل جاتے ہیں وہ　　پڑے زد تو بچ کر نکل جاتے ہیں "
ہر اک سانچے میں جا کے ڈھل جاتے ہیں وہ　　جہاں رنگ بدلا بدل جاتے ہیں "
ہر اک وقت کا مقتضا جانتے ہیں
زمانہ کے تیور وہ پہچانتے ہیں

مصادر مزید فیہ اور ان کے افعال کا عجب حال ہے۔ بعض مصادر ایسے دو مجرد مصدروں سے بنتے ہیں جن میں پہلا لازم ہوتا ہے۔ دوسرا متعدی۔ جیسے سونے دینا۔ اٹھنے دینا۔ بیٹھنے دینا وغیرہ۔ ان میں سونا اور اٹھنا اور بیٹھنا لازم ہیں اور دینا متعدی۔ آتش

رات بھر کیں دل بے تاب نے باتیں مجھ سے ۔۔۔ رنج و محنت کے گرفتار نے سونے نہ دیا

بعض افعال ایسے دو اجزا سے بنتے ہیں جن میں پہلا جزو متعدی ہوتا ہے۔ دوسرا لازم جیسے کرنا پڑا۔ لینا پڑا۔ دینا پڑا وغیرہ۔ ان میں کرنا اور لینا اور دینا متعدی ہیں اور پڑا لازم۔

شعر

بس اب دل سے شکووں کو دھونا پڑے گا ۔۔۔ رہا دوستی پر تکیہ کسی کی

کبھی دونوں اجزا لازم ہوتے ہیں۔ جیسے مر گیا۔ جل اٹھا اور کبھی دونوں متعدی جیسے کرنے دیا۔

بعض افعال میں دو متضاد اجزا جمع ہو جاتے ہیں جیسے اٹھ بیٹھ۔ آ جا۔

بعض میں ایک ہی فعل کی تکرار ہوتی ہے جیسے لے لے۔ دے دے

نظم میں بعض اوقات افعال مزید فیہ کا ایک جزو کہیں جا پڑتا ہے۔ دوسرا کہیں جیسے حالی

سپر بھی دی تو نے تیغ بھی دی مگر دیئے ہاتھ باندھ سب کے

جنہیں تھا یاں اختیار سب کچھ انہیں بھی بے اختیار دیکھا

ناسخ

نبض پیغام ہی کہتا ہوا اللہ رے شوق ۔۔۔ ساتھ قاصد کے گیا تھا کئی منزل دوڑا

بعض افعال مزید فیہ ایسے ہیں کہ ان کے مصادر مستعمل نہیں اور ان کے صیغے بھی صرف دو ایک چند ہیں۔ جیسے کرنا پڑا۔ کرنا پڑتا ہے۔ کرنا پڑے گا۔ ان افعال کا مصدر (کرنا پڑنا) نہیں آتا۔ نہ ان سے امر و نہی کے صیغے آتے ہیں اور نہ اسم فاعل و اسم مفعول وغیرہ مشتق ہوتے ہیں۔

بعض مصدر ایسے ہیں کہ ان سے ہر قسم کے فعل نہیں آتے مثلاً آ چکنا آ چکا اور آ چکے اور آ چکتا ہے لیکن مت آ چک نہیں آتا۔

معلوم رہے کہ مصدر کے بیان سابق میں جو علامات اور قاعدے بیان کیے گئے ہیں وہ مصدر قسم اول سے متعلق ہیں۔ مصدر قسم ثانی کا حال دوسرا ہے۔ اس لیے ضرور نہیں کہ وہ علامات و قواعد اس مصدر پر منطبق ہوں۔ مثلاً مصدر لازم کی ایک یہ شناخت لکھی ہے کہ اس کی ماضی مطلق کے فاعل کے ساتھ "نے" نہیں آتا جیسے وہ رویا لیکن رو دینا جو مصدر مزید فیہ ہے اس کی ماضی کے فاعل کے ساتھ "نے" آتا ہے جیسے شعر

شبنم☆ نے رو دیا کہ میں اشک چکیدہ ہوں | گل ہنس پڑا کہ میں بھی گریباں دریدہ ہوں

یا مثلاً مصدر متعدی کی ایک یہ علامت لکھی ہے کہ اس کی ماضی مطلق کے فاعل کے ساتھ ہمیشہ "نے" آتا ہے لیکن مزید فیہ میں یہ ضرور نہیں کہ سب جگہ یہ علامت پائی جائے جیسے کرنا کی ماضی کیا میں فاعل کے بعد "نے" ضرور آئے گا اور دوسری قسم میں کر لیا کے بعد بھی۔ مگر کر بیٹھا اور کر چکا اور کر چکا کے فاعل کے ساتھ کبھی نہیں آتا۔

اب مشتقات مصدر کا حال سنو۔

مشتقات

یاد رکھو کہ مشتقات جو بہت سے ہیں اور حروف وحرکات وسکنات کے تغیر وتبدل کی وجہ سے سب کی صورتیں جداگانہ ہیں صیغے کہلاتے ہیں اور اشتقاق صیغ ☆☆ کو تعریف یا گردان کہتے ہیں۔

صیغہ لغت میں ڈھلی ہوئی چیز کو کہتے ہیں اور اصطلاح صرف میں حروف اور حرکات سکنات کی تعداد اور ترتیب کے لحاظ سے لفظ کی جو صورت ہو اس کا نام صیغہ ہے۔

فعل کا بیان

فعل کی تعریف تم پہلے سن چکے ہو کہ جس کلمے میں منجملہ ازمنۂ ثلثہ کے ایک زمانہ پایا

☆ نے کبھی نہیں بھی آتا جیسے بحر۔

آج کل جس نے ذرا چھیڑا مجھے میں رو دیا | غم کے ہاتھوں دل ہتھیلی کا پھپھولا ہو گیا

☆☆ صیغ صیغے کی جمع ہے۔ ۱۲۔

جائے وہ فعل ہے۔ فعل میں زمانہ کے ساتھ کام کا وقوع بھی پایا جاتا ہے۔ صبح، شام، رات، دن، کل، پرسوں میں بھی زمانہ پایا جاتا ہے مگر یہ فعل نہیں ہیں کیونکہ ان میں کام کا صدور نہیں پایا جاتا۔ وہ آتا ہے میں جاتا ہوں، تم لاؤ گے۔ یہ فعل ہیں اس لیے کہ ان میں کام کا وقوع بھی ہے اور زمانہ بھی ہے۔ مگر یہ مت سمجھنا کہ ہر فعل میں کام کا ثبوت یعنی ہونا پایا جانا ضروری ہے۔ بلکہ کام کا عدم ثبوت یعنی نہ ہونا پایا جائے تو وہ بھی فعل ہے جیسے میں نے سبق پڑھا اس سے سبق کا پڑھنا یعنی ایک کام کا ہونا پایا جاتا ہے۔ اس نے سبق نہیں پڑھا۔ اس سے نہ پڑھنا یعنی ایک کام کا نہ ہونا مفہوم ہوتا ہے تو پڑھا اور نہیں پڑھا دونوں ہی فعل ہیں۔ فعل کی تکرار بھی جاتی ہے۔ یعنی ہر روز ملا کرتا تھا۔ اس لیے ملتا تھا کو ماضی استمراری کہنا چاہیے۔

مومن

راحت وطن کی یاد کریں کیا سفر میں ہم　　پاتے تھے چین کب غم دوری سے گھر میں ہم

اس شعر میں پاتے تھے ماضی ناتمام ہے۔ کیونکہ اس میں فعل کا پورا نہ ہونا پایا جاتا ہے۔

(۵) ماضی احتمالی یا شکی:

دوسری ماضی احتمالی یا شکی۔ جس میں فعل کے واقع ہو چکنے یا نہ ہو چکنے کا شک و احتمال ہو۔ جیسے زید آیا ہوگا۔ اس جملہ میں زید کے آنے میں شک پایا جاتا ہے۔ خالد نہیں گیا ہوگا۔ اس جملہ میں خالد کے نہ جانے میں شک پایا جاتا ہے۔

(۶) ماضی شرطی یا تمنائی:

تیسری ماضی شرطی یا تمنائی۔ جس میں شرط یا آرزو پائی جائے جیسے اگر آتا۔ کاش آتا۔ ناسخ

گر میں حال نزع میں بھی جام شربت مانگتا　　ہے یقیں زہر ہلاہل مجھ کو دیتے آشنا

ہمارے زمانہ کے شاعر نامور خواجہ حالی ہضماً☆ للنفس اپنے تئیں ہیچ قرار دیتے اور

☆ بطور کسر نفسی۔ فروتنی سے

اپنے جیسے چند اور شاعروں کے ہونے کی تمنا کرتے ہیں۔ شعر☆

کاش ہوتے ملک میں ایسے ہی اب دو چار پانچ　　گو کہ حالی اگلے استادوں کے آگے ہیچ ہے

مضارع:

ایک ایسا فعل ہے جو حال اور استقبال دونوں زمانوں پر دلالت کرتا ہے جیسے آپ اجازت دیں تو میں حاضر ہوں۔ یعنی میرا حاضر ہونا آپ کی اجازت پر موقوف ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو اب آؤں اور اگر پرسوں تو پرسوں۔ شیخ امام بخش ناسخ کہتے ہیں۔ شعر

شرم آتی ہے جو کہتے ہیں مسلماں مجھ کو　　گبر نفرت کرے آگاہ اگر حال سے ہو

یعنی اگر اب حال سے واقف ہو تو اب نفرت کرے اور اگر اب سے بعد ہو تو اس وقت

فعل حال میں صرف بالفعل کا یعنی گزرتا ہوا زمانہ پایا جاتا ہے۔ جیسے زید میں تم کو نصیحت کرتا ہوں یعنی اب نصیحت کرتا ہوں۔

فعل مستقبل سے صرف زمان آئندہ سمجھا جاتا ہے جیسے آئے گا۔ شعر

اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے　　یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں جانور

فعل امر میں حکم یا فرمائش ہوتی ہے۔ جیسے حامد! یہاں آؤ۔ شعر

مثل ہے کہ کرتے کی سب بدیا ہے　　کر، کچھ کہ کرتا ہی کچھ کیمیا ہے

فعل نہی میں کسی کام کے نہ کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ جیسے نہ کرو۔ مت جاؤ۔ سید انشاء

تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں　　نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی

ان سب اقسام فعل کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لیے یہ شجرہ دیکھو۔
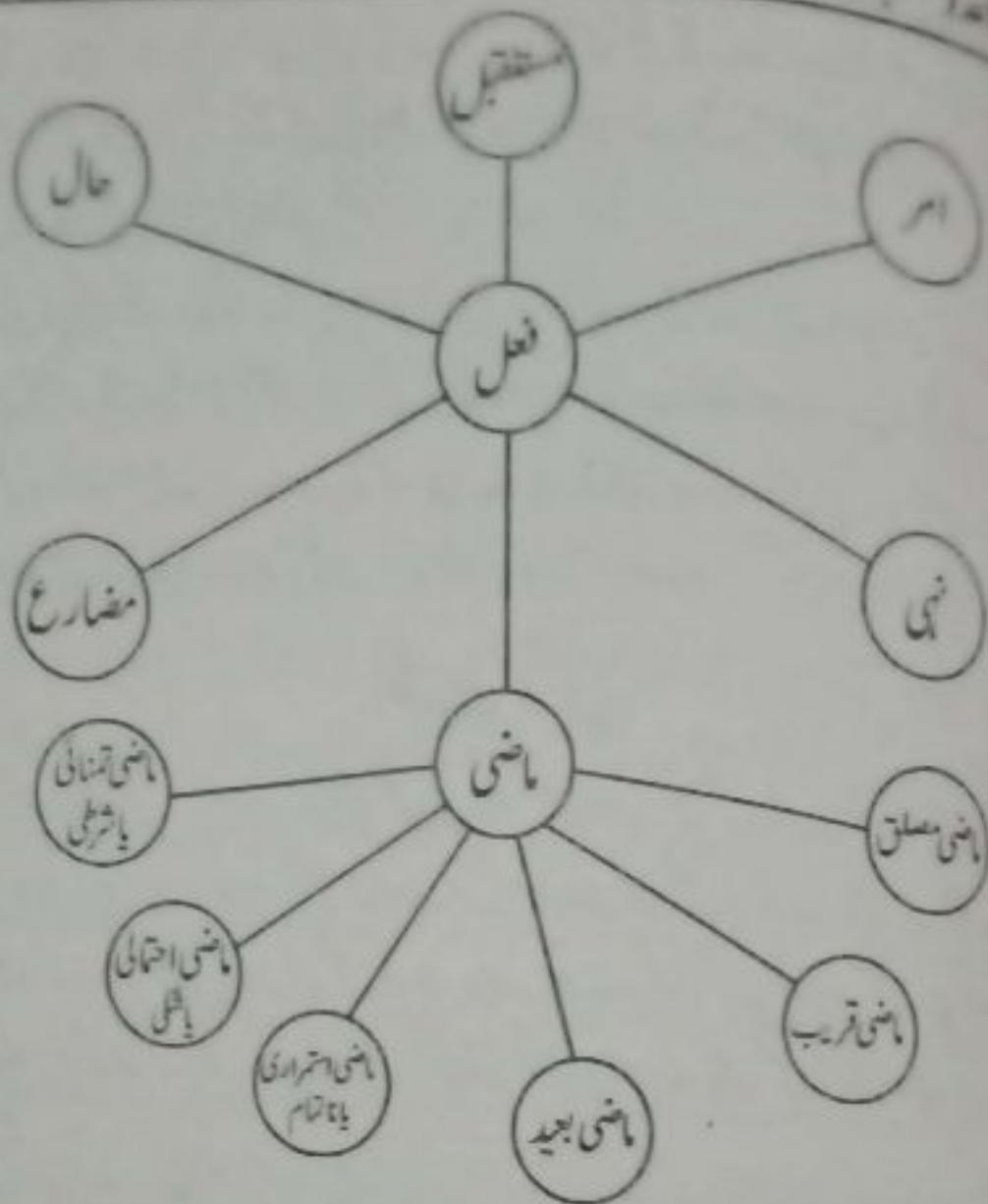
معروف و مجہول

فعل اپنے فاعل کے لحاظ سے بھی دو طرح کا ہوتا ہے۔ معروف، مجہول۔ جس فعل کا فاعل مذکور و معلوم ہو۔ اس کو معروف☆ کہتے ہیں اور جس کا فاعل معلوم نہ ہو اس کو مجہول☆☆ فعل مجہول ہمیشہ متعدی ہوتا ہے کیونکہ اس میں مفعول قائم مقام فاعل ہوتا ہے اس کو مفعول مالم یسم فاعلہ بھی کہتے ہیں۔ فعل معروف کی مثال۔ شعر

☆ معروف کے لغوی معنی ہیں جانا پہچانا ہوا۔ چونکہ فعل معروف میں فاعل معلوم ہوتا ہے اس لیے اس کو معروف الفاعل کہتے ہیں۔

☆☆ مجہول لغت میں اس کو کہتے ہیں جو معلوم نہ ہو چونکہ فعل مجہول میں فاعل معلوم نہیں ہوتا اس لیے اس کو مجہول الفاعل کہتے ہیں ۱۲۔

اک یہاں جینے سے بیزار نہیں ہیں یارب ۔۔۔ یا اسی طرح سے سب عمر بسر کرتے ہیں

اس شعر میں بسر کرتے ہیں کا فاعل ''سب'' یعنی سب لوگ معلوم ہے تو بسر کرتے ہیں فعل معروف۔ فعل مجہول کی مثال شعر

کاش اک جام بھی سالک کو پلایا جاتا ۔۔۔ اک چراغ اور سر راہ جلایا جاتا

اس شعر میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ سالک کو جام پلانے والا اور سر راہ چراغ جلانے والا کون شخص ہوتا۔ صرف پلائے جانے اور جلائے جانے کا ذکر ہے۔ پس پلایا جاتا اور جلایا جاتا فعل مجہول ہیں اور جام اور چراغ ان کے مفعول مالم یسم فاعلہ۔

مثبت و منفی

اثبات اور نفی کے لحاظ سے بھی فعل کی دو قسمیں ہیں یعنی فعل میں یا تو کام کا ثبوت یعنی ہونا پایا جاتا ہے یا عدم ثبوت یعنی نہ ہونا۔ پہلی صورت میں فعل کو مثبت کہتے ہیں دوسری میں منفی جیسے میں نے سبق پڑھا۔ یہ فعل مثبت ہے۔ احمد نے کھانا نہیں کھایا یہ منفی ہے لیکن جب کسی کو کام کے نہ کرنے کے لیے کہیں یعنی منع تو اس صورت میں فعل کو نہی کہتے ہیں۔ جیسے شعر

رند خراب حال کو زاہد چھیڑ تو ۔۔۔ تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

اب معلوم کرنا چاہیے کہ فعل کی چھیوں قسموں میں جس میں ماضی کی اقسام شمش گانہ ملا کر گیارہ ہوتی ہیں۔ کتنے کتنے صیغے ہوتے ہیں۔ سو صیغوں کا شمار فاعل کی حالت کے شمار پر منحصر ہے اور وہ تین حالتیں ہیں۔

ایک حالت تذکیر و تانیث ہے یعنی فاعل فعل دو حال سے خالی نہیں مرد اور نر ہے تو مذکر ہے۔ عورت اور مادہ ہی تو مونث۔ مرد کو کہتے ہیں لایا۔ عورت کو لائی مرد کو بھیجا گیا۔ عورت کو بھیجی گئی۔

دوسری حالت وحدت و جمع ہے۔ یعنی فاعل ایک ہے یا ایک سے زیادہ۔ ایک ہو تو اس کو واحد کہتے ہیں۔ ایک سے زیادہ ہو تو جمع جیسے وہ لایا وہ لائے عربی میں واحد اور جمع کے علاوہ دو کے واسطے تثنیہ کا صیغہ بھی ہوتا ہے لیکن فارسی اور اردو میں ایک سے زیادہ داخل جمع

تیسری۔ تیسری حالت اس کے غائب یا حاضر یا متکلم ہونے کی ہے۔ یعنی فاعل تین حال سے خالی نہیں یا تو خود بات کرنے والا ہوتا ہے۔ اس کو متکلم کہتے ہیں جیسے میں کرتا ہوں یا وہ ہوتا ہے جس سے خطاب کریں اس کو حاضر کہتے ہیں اور مخاطب بھی۔ جیسے تم لاتے ہو۔ تیسرا جو نہ متکلم ہو نہ مخاطب بلکہ مخاطب سے اس کا ذکر کیا جائے اس کو غائب کہتے ہیں۔ جیسے زید لایا۔ یہاں زید متکلم ہے نہ مخاطب بلکہ غائب ہے۔

قیاس اس امر کا مقتضی تھا کہ فاعل کی ان حالتوں کے لحاظ سے گیارہ افعال مذکورہ بالا کے بارہ بارہ صیغے ہوتے ہیں۔ واحد مذکر غائب۔ جمع مذکر غائب۔ واحد مونث غائب۔ جمع مونث غائب۔ واحد مذکر حاضر۔ جمع مذکر حاضر۔ واحد مونث حاضر۔ جمع مونث حاضر۔ واحد مذکر متکلم جمع مذکر متکلم۔ واحد مونث متکلم۔ جمع مونث متکلم۔ اس حساب سے کل صیغے ایک سو تیں ہوتے تھے۔ یعنی بہتر صیغے ماضی کی چھیوں قسموں کے اور ساٹھ صیغے مضارع اور حال اور مستقبل اور امر ونہی کے مگر امر اور نہی میں متکلم کے صیغے بالکل نہیں آتے۔ اس لیے کہ متکلم اپنے اوپر آپ کیا حکم کرے گا۔ یا اپنے تئیں کیا منع کرے گا تو چار صیغے امر میں سے اور چار نہی میں سے کم ہو کر ایک سو بیس صیغے رہ گئے۔ یہ ایک سو چوبیس صیغے فعل لازم میں آتے ہیں۔ فعل متعدی میں اس کا دو چند یعنی دو سو اڑتالیس آنے چاہئیں اس لیے کہ فعل متعدی میں جب مفعول قائم مقام فاعل ہو جاتا ہے تو صیغے کی صورت بدل جاتی ہے۔ مثلاً لایا ماضی مطلق معروف کا صیغہ ہے تو لایا گیا مجہول کا پس فعل متعدی میں معروف و مجہول کے اعتبار سے صیغوں کی تعداد دوگنی ہونی چاہیے لیکن مجہول میں امر حاضر اور نہی حاضر کے پورے صیغے نہیں آتے صرف چار چار صیغے غائب کے آتے ہیں۔ اس لیے امر حاضر مجہول اور نہی حاضر مجہول کے آٹھ صیغے کم ہو کر کل دو سو چالیس صیغے رہے۔ یعنی ایک سو چوبیس معروف کے اور ایک سو سولہ مجہول کے۔ فعل منفی میں معروف ہو یا مجہول صرف ایک سو آٹھ آٹھ صیغے آتے ہیں کیونکہ اس میں امر و نہی کے صیغے نہیں آتے۔

فائدہ:

جس طرح عموماً صیغوں کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع فاعل کے لحاظ سے ہوتی

ہے۔ یعنی فعل اس لیے مذکر یا مونث یا واحد یا جمع ہوتا ہے کہ فاعل مذکر یا مونث یا واحد یا جمع ہوتا ہے جیسے زید لایا۔ حمیدہ بولی، مرد دوڑے۔ عورتیں ہنسیں یا جیسے بادل گرجا بجلی چمکی۔ اولے پڑے۔ بوندیں برسیں۔ اسی طرح افعال متعدی کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع بلحاظ مفعول ہوتی ہے یعنی متعدی بیک مفعول میں بلحاظ پہلے مفعول کے اور متعدی بدو مفعول میں بہ اعتبار دوسرے مفعول کے جیسے کھانا کھایا۔ روٹی کھائی۔ کھانے کھائے۔ روٹیاں کھائیں۔ پانی پلایا۔ روپیہ دلوایا۔ روٹی کھلائی۔ روپے دلوائے۔ کتاب پڑھائی۔ کتابیں پڑھائیں۔ اشرفی دلوائی۔ اشرفیاں دلوائیں۔ لیکن جب علامت مفعول (کو) مذکور ہو تو فعل ہمیشہ واحد اور مذکر آتا ہے۔ جیسے گھوڑے کو دیکھا۔ گھوڑوں کو دیکھا۔ گھوڑی کو دیکھا۔ گھوڑیوں کو دیکھا☆۔

مگر یاد رکھو کہ ایسے افعال میں ہر چند صیغے کی صورت بلحاظ تذکیر و تانیث و وحدت و جمعیت مفعول بدل جاتی ہے لیکن چونکہ ان میں فاعل مذکور ہوتا ہے اس لیے جب صیغے کو واحد یا جمع یا مذکر یا مونث کہیں گے تو باعتبار فاعل کہیں گے۔ مثلاً اس نے کتابیں پڑھیں۔ یہاں پڑھیں واحد مذکر غائب کا صیغہ بھی ہے اور واحد مونث غائب کا بھی۔ کیونکہ اس نے مرد کو بھی کہتے ہیں عورت کو بھی اسی طرح تم نے گھوڑے دیکھے جمع مذکر حاضر کا صیغہ بھی ہے اور جمع مونث حاضر کا بھی یہ بھی معلوم رہے کہ جن افعال متعدی میں تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع بلحاظ مفعول ہوتی ہے ان کے متعدی المتعدی اور متعدی بالواسطہ میں دوسرے مفعول کے لحاظ سے ہوتی ہے جیسے میں نے خالد کو پانی پلوایا۔ حامد نے محمود کو روپے دلوائے۔ زید نے عمر کو کتاب پڑھائی۔ احمد نے نصیر کو اشرفیاں دلوائیں۔

ماضی مطلق

جس میں بلا لحاظ قرب و بعد مطلق زمانے کا گزرنا پایا جائے۔

قاعدہ:

صیغہ ماضی مطلق مصدر سے بنتا ہے۔ اس طرح سے کہ علامت مصدر (نا) گرا کر اگر الف یا واؤ مجہول رہے تو لفظ (بیائے مثناۃ تحتانی والف) زیادہ کرتے ہیں۔ ورنہ صرف

☆ یہ فائدہ علم نحو سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ صرف سے جو اس کا تعلق ہے وہ زیادہ تر گردانوں سے معلوم ہوگا۔

الف جیسے آیا۔ لایا۔ کھایا۔ آنا۔ لانا۔ کھانا سے رویا دھویا۔ کھویا۔ رونا۔ دھونا۔ کھونا سے۔ اٹھا بیٹھا۔ لیٹا۔ اٹھنا۔ بیٹھنا۔ لیٹنا سے۔ لیکن تین چار صیغے خلاف قاعدہ بنائے گئے ہیں۔ جیسے کرنا سے کیا ہونا سے ہوا۔ مرنا سے موا۔ اگرچہ قاعدے کے مطابق مرا بھی آتا ہے۔ واؤ معروف بنے کی صورت میں الف زیادہ کرنے کے علاوہ واؤ کو ہمزے سے بھی بدل دیتے ہیں۔ مگر صرف بولنے میں نہ لکھنے میں جیسے چھونا چھوا۔

ماضی بنانے کا قاعدہ جو بیان کیا گیا ہے صرف واحد مذکر کے لیے ہے۔ دوسرے صیغے صیغہ واحد مذکر میں کسی قدر تصرف کرنے سے بنائے جاتے ہیں جمع مذکر اور جمع مونث متکلم کے لیے دوسری صورت میں یعنی اگر واحد مذکر میں الف زیادہ کیا ہوا ہو تو الف کو یائے مجہول سے بدل دیتے ہیں جیسے اٹھا۔ بیٹھا۔ لیٹا سے اٹھے بیٹھے۔ لیٹے اور واحد مونث کے لیے الف کو یائے معروف سے بدلتے ہیں۔ جیسے اٹھی۔ بیٹھی۔ لیٹی۔ لیکن اگر الف سے پہلے ی ہو تو صرف الف کو گرا دینے سے واحد مونث کا صیغہ بن جاتا ہے۔ جیسے کی☆ لی۔ دی۔ کیا لیا دیا سے اور جمع مونث غائب و حاضر کے لیے واحد مونث کے آخر میں نون غنہ بڑھا دیتے ہیں جیسے اٹھیں بیٹھیں اور اگر واحد مذکر میں لفظ یا زیادہ کیا ہوا ہو تو جمع مذکر اور جمع مونث متکلم کے لیے یا کو ئے یعنی ہمزے اور یائے مجہول سے بدلتے ہیں۔ جیسے روئے اور واحد مونث میں یا کو ئی (یعنی ہمزے اور یائے معروف) سے بدلتے ہیں۔ جیسے آئی۔ لائی۔ اور جمع مونث غائب و حاضر کے لیے واحد مونث میں نون غنہ بڑھاتے ہیں جیسے آئیں لائیں۔

اگر ماضی مطلق میں فاعل کے ساتھ نے آئے تو کسی صیغے میں کچھ تغیر و تبدل نہیں کیا جاتا۔

ذیل کے نقشے میں تینوں قسم کی گردانیں دیکھو۔ ایک چوتھی گردان ان صیغوں کی ہے۔ جن کی صورت مفعول کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع سے بدل جاتی ہے۔ لیکن فاعل کی تذکیر و تانیث یا وحدت و جمع کے اعتبار سے ان کو مذکر یا مونث یا واحد یا جمع کہتے ہیں۔

یاد رکھو کہ فعل خواہ فاعل کے اعتبار سے مذکر یا مونث یا واحد یا جمع ہو خواہ مفعول کے لحاظ سے دونوں کے بنانے کا قاعدہ ایک ہی ہے۔

☆ اکثر لوگ خصوصاً کچہری کے منشی بجائے کی کری بولتے اور لکھتے ہیں۔ جیسے درخواست کری اور غلطی کری۔ یہ صحیح نہیں ۱۲)

گردانیں

صیغہ فعل	ماضی مطلق مثبت معروف	ایضاً	ایضاً	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ لایا	وہ بیٹھا	اس نے کہا	اس نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں۔
جمع مذکر غائب	وہ لائے	وہ بیٹھے	انہوں نے کہا	انہوں نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں۔
واحد مونث غائب	وہ لائی	وہ بیٹھی	اس نے کہا	اس نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں۔
جمع مونث غائب	وہ لائیں	وہ بیٹھیں	انہوں نے کہا	انہوں نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں۔
واحد مذکر حاضر	تو لایا	تو بیٹھا	تو نے کہا	تو نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں۔
جمع مذکر حاضر	تم لائے	تم بیٹھے	تم نے کہا	تم نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں۔
واحد مونث حاضر	تو لائی	تو بیٹھی	تو نے کہا	تو نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں۔
جمع مونث حاضر	تم لائیں	تم بیٹھیں	تم نے کہا	تم نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں۔
واحد مذکر متکلم	میں لایا	میں بیٹھا	میں نے کہا	میں نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں۔
جمع مذکر متکلم	ہم لائے	ہم بیٹھے	ہم نے کہا	ہم نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں۔
واحد مونث متکلم	میں لائی	میں بیٹھی	میں نے کہا	میں نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں۔
جمع مونث متکلم	ہم لائے	ہم بیٹھے	ہم نے کہا	ہم نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں۔

مصدر متعدی المتعدی بالواسطہ کی ماضی مطلق بنانے کے لیے علامت مصدر حذف کر کے لفظ یا لگاتے ہیں۔ جیسے کرایا۔ لکھایا۔ دلایا۔ اٹھوایا۔ الوایا۔ بچھوایا وغیرہ اور باقی صیغوں میں اسی طرح تصرف کیا جاتا ہے۔ جس طرح ماضی لازم یا متعدی بلا واسطہ یا بالواسطہ میں جس میں لفظ یا زیادہ کیا جاتا ہے جیسے کھلایا۔ کھلوایا وغیرہ۔

بعض مقامات میں ماضی مطلق فعل مستقبل کا کام دیتی ہے جیسے حالی

اب لیا چشمہ بقا تو نے ‏ ‏ ‏ ‏ تشنہ لب نہ گھبرانا زہرو

شعر

اگر فرصت ملی مجھ کو جہاں میں ‏ ‏ ‏ ‏ دل پُر درد سے کچھ کام لوں گا

کبھی ماضی مصدر کے معنی دیتی ہے۔ ناسخ

ہنس کے وہ کہنے لگے بستر کو جھاڑا چاہیے ‏ ‏ ‏ ‏ انتہائے لاغری سے جب نظر آیا نہ میں

یعنی بستر کو جھاڑنا چاہیے۔ مومن

تو اب یہ لوگوں کی باتیں سنا نہ کرتے ہم ‏ ‏ ‏ ‏ جو پہلے دن ہی سے دل کا کہا نہ کرتے ہم

کبھی اسم مفعول کے معنی دیتی ہے جیسے اس کا کیا اس کے آگے آیا۔ حامد پڑھا لکھا آدمی ہے۔ شعر

حالی اپنا کہا سنا تو نے ‏ ‏ ‏ ‏ جی میں کیا ہے جو بخشوایا آج

کبھی مکرر ہو کر بھی اسم مفعول کا کام دیتی ہے۔ جیسے وہ صبح کا بیٹھا بیٹھا شام کو اٹھا۔

کبھی ماضی بعید کی جگہ مستعمل ہوتی ہے۔ مدوجزر اسلام

مرض تیرے زہو یک مہلک ہیں کیا کیا ‏ ‏ ‏ ‏ کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا

کبھی حال کے موقع پر استعمال کرتے ہیں۔ ناسخ

عقل سے مجھ کو نظر آئے وہ انساں خالی ‏ ‏ ‏ ‏ خانہ عاریتی میں جو ورم بھرتے ہیں

یعنی ایسے لوگ مجھ کو عقل سے خالی نظر آتے ہیں۔

کبھی مکرر لا کر اور بیچ میں کا یا کے یا کی زیادہ کر کے اسم فاعل یا اسم مفعول کے معنی لیتے ہیں۔ (اسم فاعل کی مثال) بیت

یہ بوسیدہ گھر اب گرا کا گرا ہے   ستوں مرکزِ ثقل سے ہٹ چکا ہے

اسم مفعول کی مثال بیت۔

یکایک جو برق آکے چمکی عرب کی   کھلی کی کھلی رہ گئی آنکھ سب کی

کبھی دعا کے موقع پر ماضی کے آخر لفظ ہو زیادہ کرتے ہیں جیسے ''خدا کرے وہ تندرست ہو گیا ہو۔''

ماضی قریب

جس سے تھوڑی مدت کا گزرا ہوا زمانہ سمجھا جائے۔

قاعدہ:

اس کے صیغے ماضی مطلق سے بنتے ہیں۔ اس طرح سے کہ واحد غائب اور واحد حاضر پر لفظ ہے اور واحد متکلم پر ہوں بواو معروف اور جمع غائب اور جمع متکلم پر ہیں اور جمع حاضر پر ہو بواو مجہول زیادہ کیا جاتا ہے۔ جمع مونث غائب اور حاضر کے صیغوں میں فعل ماضی مطلق کا صیغہ بدستور واحد ہی رہتا ہے۔ یعنی جس طرح ماضی مطلق میں جمع مونث غائب اور حاضر بنانے کے لیے واحد مونث پر نون غنہ زیادہ کیا جاتا ہے۔ ماضی قریب میں ماضی مطلق پر یہ زیادتی نہیں کی جاتی جیسے لائی ہیں لائی ہو اور جن صیغہائے ماضی مطلق میں فاعل کے ساتھ نے آتا ہے۔ ان سے ماضی قریب بنانے میں سب صیغوں میں صرف لفظ ہے زیادہ کیا جاتا ہے جیسے کیا ہے اور جن صیغوں کی صورت مفعول کی وحدت و جمع اور تذکیر و تانیث سے بدلتی ہے ان میں اگر مفعول واحد ہے تو صیغے میں ہے زیادہ کرو اور جمع ہے تو گردانیں دیکھو۔

☆☆☆

گردانیں

صیغہ فعل	ماضی قریب مثبت معروف	ایضاً	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ آیا ہے یالایا ہے	اس نے کہا ہے	اس نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھیں ہیں۔
جمع مذکر غائب	وہ آئے ہیں یالائے ہیں	انہوں نے کہا ہے	انہوں نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھیں ہیں۔
واحد مونث غائب	وہ آئی ہے یالائی ہے	اس نے کہا ہے	اس نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھیں ہیں۔
جمع مونث غائب	وہ آئی ہیں یالائی ہیں	انہوں نے کہا ہے	انہوں نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھیں ہیں۔
واحد مذکر حاضر	تو آیا ہے یالایا ہے	تو نے کہا ہے	تو نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھیں ہیں۔
جمع مذکر حاضر	تم آئے ہو یالائے ہو	تم نے کہا ہے	تم نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھیں ہیں۔
واحد مونث حاضر	تو آئی ہے یالائی ہے	تو نے کہا ہے	تو نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھیں ہیں۔
جمع مونث حاضر	تم آئی ہو یالائی ہو	تم نے کہا ہے	تم نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھیں ہیں۔
واحد مذکر متکلم	میں آیا ہوں یالایا ہوں	میں نے کہا ہے	میں نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھیں ہیں۔
جمع مذکر متکلم	ہم آئے ہیں یالائے ہیں	ہم نے کہا ہے	ہم نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھیں ہیں۔
واحد مونث متکلم	میں آئی ہوں یالائی ہوں	میں نے کہا ہے	میں نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھیں ہیں۔
جمع مونث متکلم	ہم آئے ہیں یالائے ہیں	ہم نے کہا ہے	ہم نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھیں ہیں۔

قدما جمع مونث کے فعلوں کو الف نون کے ساتھ بولتے تھے۔ جیسے تاباں

سن فصل گل خوشی ہو گلشن میں آئیاں ہیں

کیا بلبلوں نے دیکھو دھومیں مچائیاں ہیں

کبھی ماضی قریب ماضی بعید کے معنی دیتی ہے۔ جیسے داناؤں نے کہا ہے۔

ماضی بعید

جس سے مدت کا گزرا ہوا زمانہ سمجھا جائے۔

بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ ماضی مطلق کے صیغہ واحد مذکر پر لفظ تھا اور جمع مذکر اور جمع مونث متکلم تھے اور واحد مونث غائب و حاضر پر تھی زیادہ کرتے ہیں اور صیغہ ماضی مطلق جمع مونث غائب و حاضر میں واحد مونث کی طرح واحد ہی رہتا ہے۔ اور جن صیغہ ہائے ماضی مطلق میں فاعل کے ساتھ نے آتا ہے ان پر لفظ تھا بڑھاتے ہیں اور جن صیغوں کی صورت مفعول کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع سے بدل جاتی ہے ان میں اگر مفعول واحد مذکر ہے تو تھے واحد مونث ہے۔ تو تھی جمع مونث ہے تو تھیں۔

☆☆☆

گردانیں
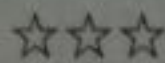
صیغہ افعال	ماضی بعید مثبت معروف	ایضاً	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ آیا تھا لایا تھا	اس نے کہا تھا	اس نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھیں تھیں۔
جمع مذکر غائب	وہ آئے تھے لائے تھے	انہوں نے کہا تھا	انہوں نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھیں تھیں۔
واحد مونث غائب	وہ آئی تھی۔ لائی تھی۔	اس نے کہا تھا	اس نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھیں تھیں۔
جمع مونث غائب	وہ آئی تھیں۔ لائی تھیں۔	انہوں نے کہا تھا	انہوں نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھیں تھیں۔
واحد مذکر حاضر	تو آیا تھا۔ لایا تھا۔	تو نے کہا تھا	تو نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھیں تھیں۔
جمع مذکر حاضر	تم آئے تھے لائے تھے	تم نے کہا تھا	تم نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھیں تھیں۔
واحد مونث حاضر	تو آئی تھی۔ لائی تھی	تو نے کہا تھا	تو نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھیں تھیں۔
جمع مونث حاضر	تم آئی تھیں۔ لائی تھیں	تم نے کہا تھا	تم نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھیں تھیں۔
واحد مذکر متکلم	میں آیا تھا۔ لایا تھا	میں نے کہا تھا	میں نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھیں تھیں۔
جمع مذکر متکلم	ہم آئے تھے۔ لائے تھے	ہم نے کہا تھا	ہم نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھیں تھیں۔
واحد مونث متکلم	میں آئی تھی۔ لائی تھی۔	میں نے کہا تھا	میں نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھیں تھیں۔
جمع مونث متکلم	ہم آئے تھے۔ لائے تھے	ہم نے کہا تھا	ہم نے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کھائے تھے۔ کتاب پڑھی تھی۔ کتابیں پڑھیں تھیں۔

کہنے کو تو یہ ماضی بعید ہے مگر بعض اوقات اس میں نہایت قریب کا زمانہ پایا جاتا ہے
مثلاً احمد ابھی ابھی یہاں آیا تھا۔ میں نے ابھی میز پر کتاب رکھی تھی۔

ماضی استمراری یا ناتمام

جس سے زمانہ گزشتہ میں کام کی تکرار یا اس کا پورا نہ ہونا سمجھا جائے۔

یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ استمراری اور ناتمام حقیقت میں ماضی کی دو جدا جدا قسمیں ہیں اگر گزرے ہوئے زمانہ میں کام کی تکرار سمجھی جائے تو استمراری ہے اور اگر کام کا پورا نہ ہونا پایا جائے تو ناتمام۔

یہ ماضی مطلق سے نہیں بنتی۔ بلکہ مصدر سے نا (علامت مصدر) گرا کر لفظ تا تھا زیادہ کرتے ہیں اور جس طرح ماضی مطلق کے واحد مذکر کا الف جمع مذکر اور جمع مونث متکلم میں یائے مجہول سے اور واحد مونث میں یائے معروف سے اور جمع مونث غائب و حاضر میں یائے معروف اور نون غنہ سے بدل جاتا ہے۔ اسی طرح تا تھا کے الف بدل جاتے ہیں۔ لیکن جمع مونث غائب و حاضر میں تا کا الف یائے معروف سے اور تھا کا الف یائے معروف اور نون غنہ سے بدلتا ہے۔

اس ماضی میں مفعول کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع سے صیغے کی صورت نہیں بدلتی یعنی مفعول مذکر ہو یا مونث واحد ہو یا جمع سب کے لیے ایک ہی صیغہ استعمال کیا جاتا ہے جیسے وہ کھانا کھاتا تھا۔ وہ کھانے کھاتے تھے۔ وہ کتاب پڑھتا تھا۔ وہ کتابیں پڑھتا تھا۔

☆☆☆

گردانیں

صیغہ/فعل	ماضی استمراری یا ناتمام مثبت معروف	ایضاً	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ لاتا تھا	وہ کہتا تھا	وہ کھانا کھاتا تھا۔ کھانے کھاتا تھا۔ کتاب پڑھتا تھا۔ کتابیں پڑھتا تھا۔
جمع مذکر غائب	وہ لائے تھے	وہ کہتے تھے	وہ کھانا کھاتے تھے۔ کھانے کھاتے تھے۔ کتاب پڑھتے تھے۔ کتابیں پڑھتے تھے۔
واحد مونث غائب	وہ لاتی تھی	وہ کہتی تھی	وہ کھانا کھاتی تھی۔ کھانے کھاتی تھی۔ کتاب پڑھتی تھی۔ کتابیں پڑھتی تھی۔
جمع مونث غائب	وہ لاتی تھیں	وہ کہتی تھیں	وہ کھانا کھاتی تھیں۔ کھانے کھاتی تھیں۔ کتاب پڑھتی تھیں۔ کتابیں پڑھتی تھیں۔
واحد مذکر حاضر	تو لاتا تھا۔	تو کہتا تھا	تو کھانا کھاتا تھا۔ کھانے کھاتا تھا۔ کتاب پڑھتا تھا۔ کتابیں پڑھتا تھا۔
جمع مذکر حاضر	تم لاتے تھے	تم کہتے تھے	تم کھانا کھاتے تھے۔ کھانے کھاتے تھے۔ کتاب پڑھتے تھے۔ کتابیں پڑھتے تھے۔
واحد مونث حاضر	تو لاتی تھی	تو کہتی تھی	تو کھانا کھاتی تھی۔ کھانے کھاتی تھی۔ کتاب پڑھتی تھی۔ کتابیں پڑھتی تھی۔
جمع مونث حاضر	تم لاتی تھیں	تم کہتی تھیں	تم کھانا کھاتی تھیں۔ کھانے کھاتی تھیں۔ کتاب پڑھتی تھیں۔ کتابیں پڑھتی تھیں۔
واحد مذکر متکلم	میں لاتا تھا	میں کہتا تھا	میں کھانا کھاتا تھا۔ کھانے کھاتا تھا۔ کتاب پڑھتا تھا۔ کتابیں پڑھتا تھا۔
جمع مذکر متکلم	ہم لاتے تھے	ہم کہتے تھے	ہم کھانا کھاتے تھے۔ کھانے کھاتے تھے۔ کتاب پڑھتے تھے۔ کتابیں پڑھتے تھے۔
واحد مونث متکلم	میں لاتی تھی۔	میں کہتی تھی۔	میں کھانا کھاتی تھی۔ کھانے کھاتی تھی۔ کتاب پڑھتی تھی۔ کتابیں پڑھتی تھی۔
جمع مونث متکلم	ہم لاتے تھے	ہم کہتے تھے	ہم کھانا کھاتے تھے۔ کھانے کھاتے تھے۔ کتاب پڑھتے تھے۔ کتابیں پڑھتے تھے

فائدہ:

بعض شعرائے متاخرین بجائے آتا تھا۔ جاتا تھا کے آئے تھا، جائے تھا، بولئے تھے مثلاً مومن خاں کہتے ہیں۔ شعر

کیا بُرا لگتا تھا جس دم سامنے آ جائے تھا　　سن کے میری مرگ بولے مر گیا اچھا ہوا

مگر ہمارے زمانے کے شاعر اس قسم کے صیغے مطلق استعمال نہیں کرتے۔

فائدہ:

پہلے زمانہ میں ماضی استمراری کے صیغے جمع مونث میں دونوں فعل جمع لاتے تھے مثلاً لڑکیاں جاتیاں تھیں اور پڑھتیاں تھیں۔ اب صرف پہلے فعل کو واحد لاتے تھے۔ جیسے لڑکیاں جاتی تھیں اور پڑھتی تھیں۔

ماضی شکی یا احتمالی

جس میں کام کے ہونے یا نہ ہونے میں شک و احتمال پایا جائے۔

قاعدہ:

ماضی مطلق کے صیغہائے واحد مذکر غائب اور حاضر پر لفظ ہوگا اور واحد متکلم پر ہوں گا اور جمع غائب اور جمع متکلم مذکر و مونث پر ہوں گے (بیائے مجہول) اور جمع حاضر مذکر پر ہوگے (بیائے مجہول) اور واحد مونث غائب اور واحد مونث حاضر پر ہوگی (بیائے معروف) اور واں متکلم مونث پر ہوں گی (بواؤ معروف و یائے معروف) اور جمع غائب مونث پر لفظ ہوں گی (بواؤ مجہول و یائے معروف) زیادہ کرو۔ لیکن جس ماضی کے فاعل کے ساتھ نے آتا ہے اس پر صرف لفظ ہوگا بڑھاؤ۔ اور جن صیغوں کی صورت مفعول کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع سے بدل جاتی ہے۔ ان میں اگر مفعول واؤ مذکر ہے تو صیغے میں ہوگا زیادہ کرو۔ جمع مذکر ہے تو ہوں گے (بہ واؤ مجہول و یائے مجہول) واحد مونث ہے تو ہوگی (بیائے معروف) جمع مونث ہے تو ہوں گی (بواؤ مجہول و یائے معروف)

☆☆☆

ماضی شرطی یا تمنائی

جس سے شرط آرزو کبھی جائے۔ اگر شرط کے معنی پائے جائیں تو شرطی کہو۔ تمنا کبھی جائے تو تمنائی۔ یہ ماضی تین طریق سے بنائی جاتی ہے۔

طریق اول:

مصدر سے نا ساقط کر کے تا (بتائے مثناۃ فوقانیہ) زیادہ کرتے اور صیغہائے جمع اور مونث میں تا کے الف کو اسی طرح بدل دیتے ہیں جس طرح ماضی مطلق کا الف بدل جاتا ہے۔

گردان

صیغہ	فعل (ماضی شرطی یا تمنائی فعل معروف)
جمع مونث متکلم	ہم آتے یا آتے
واحد مونث متکلم	میں آتی یا آتی
جمع مذکر متکلم	ہم آتے یا آتے
واحد مذکر متکلم	میں آتا یا آتا
جمع مونث حاضر	تم آتیں یا آتیں
واحد مونث حاضر	تو آتی یا آتی
جمع مذکر حاضر	تم آتے یا آتے
واحد مذکر حاضر	تو آتا یا آتا
جمع مونث غائب	وہ آتیں یا آتیں
واحد مونث غائب	وہ آتی یا آتی
جمع مذکر غائب	وہ آتے یا آتے
واحد مذکر غائب	وہ آتا یا آتا

طریق دوم:

ماضی مطلق پر ہوتا لگانے سے مرزا غالب فرماتے ہیں۔ شعر

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا　　دل بھی یا رب کئی دیے ہوتے

حالی

جو دل پہ گزرتی ہے کیا تجھ کو خبر ناصح
کچھ ہم نے سنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا

تانیث اور جمع میں ہوتا کا الف بدلتا رہتا ہے۔ جیسا کہ گردانوں سے معلوم ہوگا۔

گردانیں

صیغہ/فعل	ماضی شرطی یا تمنائی مثبت معروف	ایضاً	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ آیا ہوتا یا لایا ہوتا	اس نے کہا ہوتا	اس نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں۔
جمع مذکر غائب	وہ آئے ہوتے یا لائے ہوتے	انہوں نے کہا ہوتا	انہوں نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں۔
واحد مونث غائب	وہ آئی ہوتی یا لائی ہوتی	اس نے کہا ہوتا	اس نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں۔
جمع مونث غائب	وہ آئی ہوتیں یا لائی ہوتیں	انہوں نے کہا ہوتا	انہوں نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں۔
واحد مذکر حاضر	تو آیا ہوتا یا لایا ہوتا	تو نے کہا ہوتا	تو نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں۔
جمع مذکر حاضر	تم آئے ہوتے یا لائے ہوتے	تم نے کہا ہوتا	تم نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں۔
واحد مونث حاضر	تو آئی ہوتی یا لائی ہوتی	تو نے کہا ہوتا	تو نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں۔
جمع مونث حاضر	تم آئی ہوتیں یا لائی ہوتیں	تم نے کہا ہوتا	تم نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں۔
واحد مذکر متکلم	میں آیا ہوتا یا لایا ہوتا	میں نے کہا ہوتا	میں نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں۔
جمع مذکر متکلم	ہم آئے ہوتے یا لائے ہوتے	ہم نے کہا ہوتا	ہم نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں۔
واحد مونث متکلم	میں آئی ہوتی یا لائی ہوتی	میں نے کہا ہوتا	میں نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں۔
جمع مونث متکلم	ہم آئے ہوتے یا لائے ہوتے	ہم نے کہا ہوتا	ہم نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں۔

طریق سوم۔ ماضی شکی سے تھا۔ تھے۔ تھی حذف کرنے سے۔

گردانیں

صیغہ اسم	ماضی شرطی یا احتمالی جہت معروف	ایضاً	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ آیا ہو یا لایا ہو	اس نے کہا ہو	اس نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں۔
جمع مذکر غائب	وہ آئے ہوں یا لائے ہوں	انہوں نے کہا ہو	انہوں نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں۔
واحد مونث غائب	وہ آئی ہو یا لائی ہو	اس نے کہا ہو	اس نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں۔
جمع مونث غائب	وہ آئی ہوں یا لائی ہو	انہوں نے کہا ہو	انہوں نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں۔
واحد مذکر حاضر	تو آیا ہو یا لایا ہو	تو نے کہا ہو	تو نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں۔
جمع مذکر حاضر	تم آئے ہو یا لائے ہو	تم نے کہا ہو	تم نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں۔
واحد مونث حاضر	تو آئی ہو یا لائی ہو	تو نے کہا ہو	تو نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں۔
جمع مونث حاضر	تم آئی ہو یا لائی ہو	تم نے کہا ہو	تم نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں۔
واحد مذکر متکلم	میں آیا ہوں یا لایا ہوں	میں نے کہا ہو	میں نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں۔
جمع مذکر متکلم	ہم آئے ہوں یا لائے ہوں	ہم نے کہا ہو	ہم نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں۔
واحد مونث متکلم	میں آئی ہوں یا لائی ہوں	میں نے کہا ہو	میں نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں۔
جمع مونث متکلم	ہم آئے ہوں یا لائے ہوں	ہم نے کہا ہو	ہم نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں۔

فائدہ:
ماضی شرطی یا تمنائی بسا اوقات ماضی استمراری کا کام دیتی ہے۔
کبھی یہ ماضی مستقبل کی جگہ آتی ہے جیسے مومن

اچھی ہے وفا مجھ سے جلتے ہیں جلیں دشمن
تم آج ہوا سمجھو جو روز جزا ہوتا

یعنی تم مجھ سے وفا کیے جاؤ۔ دشمن اگر جلتے ہیں تو جلنے دو۔ اور یوں سمجھو کہ ان کم بختوں کے ساتھ جو قیامت کے دن ہوتا ہے کہ پڑے آگ میں جلیں گے وہ آج ہو رہا ہے۔

فعل مضارع

جس میں حال اور استقبال دونوں زمانے پائے جائیں۔

فائدہ:
مضارع مصدر سے بنتا ہے اس طرح سے کہ علامت مصدر گرا کر حرف اخیر کو دیکھو اگر الف یا واؤ ہو تو ہمزہ اور یائے مجہول آخر میں زیادہ کرو جیسے لائے سوئے۔ متقدمین ہمزے کی جگہ واؤ زیادہ کر کے لاوے اور سووے کہتے تھے مگر متاخرین لاوے اور سووے نہیں بولتے اور حقیقت میں لاوے اور سووے کی نسبت لائے اور سوئے فصیح ہے۔ لیکن ہونا کے مضارع میں بجائے ہمزہ واو ہی زیادہ کرتے ہیں اور ہووے کہتے ہیں۔ مگر صرف نظم میں اور وہ بھی بہت کم یعنی بضرورت شعری۔ ورنہ عموماً بحذف واؤ دیا بولتے ہیں۔ ذوق

آدمیت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ پست ہمت یہ نہ ہووے پست قامت ہو تو ہو

دیکھ لو اسی شعر میں ہووے ایک دفعہ آیا ہے تو ہو دو دفعہ۔
اور اگر حرف اخیر یائے مجہول ہو تو بس اسی لفظ کو مضارع سمجھو۔ جیسے دے اور لے۔ "خدا دے اور بندہ لے۔" مگر جس طرح متقدمین الف اور واؤ کی حالت میں واؤ اور یائے مجہول بھی بڑھاتے تھے۔ اسی طرح یائے مجہول کی حالت میں بھی یہ حروف بڑھا کر دے کو دیوے اور لے کو لیوے کہتے تھے۔ مصرع

خدا دیوے تو بندہ کیوں نہ لیوے

متاخرین نے بھی بہ ضرورت ایسے صیغے استعمال کیے ہیں۔ ذوقؔ ایک قصیدے میں لکھتے ہیں

تقویت دیوے اگر پاس حفاظت تیرا
شعلۂ شمع کو صرصر سے نہ ہو اضمحلال

اور اگر ان حرفوں میں سے کوئی حرف نہ ہو تو صرف یائے مجہول بڑھاؤ۔ جیسے پڑھنا سے پڑھے، کرنا سے کرے۔ یا واحد غائب اور واحد حاضر کے صیغے بنے۔ جمع میں نون غنہ زیادہ کرو واحد متکلم میں واؤ معروف اور نون غنہ یعنی اگر علامت مصدر کے حذف کرنے کے بعد حرف صحیح یا یائے معروف رہے تو اس پر ضمہ دے کر واؤ معروف اور نون غنہ زیادہ کرو جیسے کرنا سے کروں چینا سے جیوں اور اگر الف یا واؤ باقی رہے تو ایک ہمزہ بھی زیادہ کرو جیسے لاؤں کھوؤں اور اگر یائے مجہول رہے تو حذف کر دو جیسے دینا سے دوں۔ لینا سے لوں۔ صیغہائے جمع حاضر میں حرف صحیح اور یائے معروف کی حالت میں صرف واؤ مجہول زیادہ کرو۔ جیسے کرو۔ جیو۔ الف یا واؤ کی حالت میں ایک ہمزہ اور واؤ مجہول۔ جیسے کھاؤ۔ سوؤ۔ اور اگر یائے مجہول باقی رہے تو اس کو واؤ مجہول سے بدل دو۔ جیسے دو۔ لو۔

گردانیں

صیغہ/فعل	مضارع مثبت معروف	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ آئے یا لائے	وہ آئے
جمع مذکر غائب	وہ آئیں یا لائیں	وہ آئیں
واحد مؤنث غائب	وہ آئے یا لائے	وہ آئے
جمع مؤنث غائب	وہ آئیں یا لائیں	وہ آئیں
واحد مذکر حاضر	تو آئے یا لائے	تو آئے
جمع مذکر حاضر	تم آؤ یا لاؤ	تم آؤ
واحد مؤنث حاضر	تو آئے یا لائے	تو آئے
جمع مؤنث حاضر	تم آؤ یا لاؤ	تم آؤ
واحد مذکر متکلم	میں آؤں یا لاؤں	میں آؤں
جمع مذکر متکلم	ہم آئیں یا لائیں	ہم آئیں
واحد مؤنث متکلم	میں آؤں یا لاؤں	میں آؤں
جمع مؤنث متکلم	ہم آئیں یا لائیں	ہم آئیں

مضارع میں جمع متکلم کے صیغے اور طریقوں سے بھی بنائے جاتے ہیں یعنی علامت مصدر کے حذف کرنے کے بعد اگر حرف صحیح ہے تو لفظ یے بیائے مثناۃ تحتانی و یائے مجہول بڑھاتے ہیں جیسے دیکھئے لکھئے کہئے مگر کیجیے میں زیادہ تصرف کیا گیا ہے۔ آزاد

قسمت میں جو لکھا ہے سو دیکھا ہے اب تلک　　اور آگے دیکھیے ابھی کیا کیا ہیں دیکھتے

یعنی دیکھیں کہ آگے کیا کیا دیکھتے ہیں۔ غالب

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے　　ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

یعنی کیا لکھیں اور کیا کہیں۔

اور اگر الف یا واؤ مجہول رہے تو ایک ہمزہ مکسور بھی زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے لائیے۔ کھوئیے۔ مگر ہدہد☆ جئے میں بجائے ہمزہ جیم بڑھایا گیا اور واؤ مجہول کو معروف کیا گیا ہے۔

☆☆ہدہد

☆ شعر

ہے یہی اصل کتاب ہو جے سب سے مستفید　　زک ملے یا سزا ملے درس ملے ادب ملے

☆☆ ہدہد کا تھوڑا سا حال بیان کر دینا خالی از لطف نہ ہوگا۔ یہ ایک عجیب شخص تھے۔ ان کے حالات پڑھ کر اور ان کا کلام سن کر ظرافت بے ساختہ ہنس پڑتی ہے۔ ان کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ طبقہ پنجم کے شعرا یعنی غالب و ذوق و مومن وغیرہ کے زمانہ میں (جیسا کہ مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے لکھا ہے) پورب سے دلی میں آئے اور حکیم آغا جان عیش کے پاس (جو بادشاہی اور خاندانی طبیب۔ زیور علم اور لباس کمال سے آراستہ نہایت خوش مزاج! شیریں کلام۔ شگفتہ صورت اور شاعر لطیفہ سنج تھے) ایک مکان میں مکتب تھا اس میں لڑکے پڑھانے لگے۔ حکیم صاحب کے خویش و اقارب میں سے بھی بعض لڑکے وہاں پڑھتے تھے ان میں ایک لڑکا سکندر نامہ پڑھا کرتا تھا۔ حکیم صاحب کا معمول تھا کہ آٹھویں ساتویں دن رات کو ایک لڑکے کا سبق سنا کرتے تھے۔ سکندر نامہ کا سبق جو سنا تو عجائب و غرائب مضامین سننے میں آئے فرمایا کہ اپنے مولوی کو کسی وقت ہمارے پاس بھیجنا۔ وہ دوسرے ہی دن تشریف لائے۔ حکیم صاحب آخر حکیم تھے ملاقات ہوئی تو اول قیافے سے پھر گفتگو سے نبض دیکھی۔ معلوم ہوا کہ شدہ بدہ سے زیادہ مادہ نہیں مگر طرفہ [illegible] انسان تھوڑی سی ترکیب میں رونق

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

مرکز محور گردوں بہ لب آب نہیں ناخن قوس قزح شبہ مضراب نہیں

ظریف الطبع شعرا نے ہدہد کے شکار کو ایک باز طیار کیا اور مشاعرے میں خوب خوب

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

محمل ہو سکتا ہے۔ پوچھا کہ آپ شعر کا بھی شوق رکھتے ہیں مولوی صاحب نے کہا کیا مشکل بات ہے۔ ہو سکتا ہے۔ حکیم صاحب نے کہا کہ ایک جگہ مشاعرہ ہوتا ہے۔ آٹھ نو دن باقی ہیں یہ طرح کا مصرع ہے۔ آپ بھی غزل کہے تو مشاعرے میں لے چلیں۔ وہ مشاعرے کو بھی نہ جانتے تھے۔ اس کی صورت بیان کی۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اس عرصے میں بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ غزل کہہ کر لائے تو سبحان اللہ اور مولوی صاحب ہی تخلص رکھا۔ حکیم صاحب کی طبع ظریف کے مشغلے کو ایسا الو خدا دے۔ بہت تعریف کی۔ غزل کو جابجا اصلاحیں دے کر خوب نون مرچ چھڑکا۔ مولوی صاحب بہت خوش ہوئے۔ یہ دیکھ کر حکیم صاحب کو اطمینان ہوا۔ مولوی صاحب کی چگی ڈاڑھی اس پر لمبی اور نکیلی۔ سر منڈا ہوا۔ اس پر نکو عمامہ فقط کھٹ بڑھئی نظر آتے تھے۔ حکیم صاحب نے کہا کہ شعرا کو تخلص بھی ایسا چاہیے کہ ظریفانہ ولطیفانہ اور خوشنما ہو اور شان وشکوہ کی عظمت سے تاجدار ہو بہتر ہے کہ آپ ہدہد تخلص کریں کہ حضرت سلیمان کا راز دار تھا اور قاصد خجستہ کام وغیرہ وغیرہ۔ مولوی صاحب نے اس تخلص کو بہت خوشی سے منظور کیا۔

مشاعرے کے دن جلسے میں گئے جب ان کے سامنے شمع آئی تو حکیم صاحب نے ان کی تعریف میں چند فقرے مناسب وقت فرمائے۔ سب متوجہ ہوئے جب انہوں نے غزل پڑھی تو مسخروں نے تالیاں بجائیں۔ ظرافت نے ٹوپیاں اچھالیں اور قہقہوں نے اتنا شور وغل مچایا کہ کسی کی غزل پر اتنی تعریف کا جوش نہ ہوا تھا۔ مولوی صاحب بہت خوش ہوئے۔ چند روز اس طرح مشاعرے کو اور بعض امرا کے جلسوں کو رونق دیتے رہے۔ مگر مکتب کے کام سے جاتے رہے۔ حکیم صاحب نے سوچا کہ ان کے گزارے کے لیے کوئی نسخہ تجویز کرنا چاہیے۔ ان سے کہا کہ بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہو تو تمہیں دربار میں لے چلیں دیکھو رزاق مطلق کیا سامان کرتا ہے۔ قصیدہ تیار ہوا تو حکیم صاحب نے ہدہد کو اڑا کر دربار میں پہنچا دیا اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے۔

جو تیری مدح میں میں چونچ اپنی وا کر دوں تو رشک باغ ارم اپنا گھونسلا کر دوں

بادشاہوں اور امیروں کو مسخرا پن بلکہ زمانے کی طبیعت کو غذا مرغوب وموافق ہے ظفر تو

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

...نے اس مشاعرے کی غزل کے تین شعر یہ ہیں۔

...ہدہد وہ تو زر شیروں کا دادا ہے — مقابل تیرے کیا ہو تو اک ذرے کی مادہ ہے

...کے بازی میداں میں آ سامنے میرے — تو دم میں پر نہ چھوڑوں گا یہی میرا ارادہ ہے

...اب تک نہیں تجھ کو خبر اس کی — کہ ہدہد سب جہاں کے طائروں کا پیرزادہ ہے

چند روز کے بعد باز اڑ گیا تو لوگوں نے ایک کوا تیار کیا اور زاغ تخلص رکھا۔ انھوں نے اس کے بھی پر نوچے۔

...آیا ہے بدل اب کے عدو کوے کی — اس کی ہے پاؤں سے تا سر وہی خو کوے کی

وہی کاں کاں وہی کیں کیں وہی ٹاں ٹاں اسکی — بات چھوڑی نہیں ہاں اک سر مو کوے کی

مقطع میں کہتا ہے۔

...کے کوا جو یہ آیا ہے تو اے ہدہد شاہ — دم کتر دینے کو کچھ کم نہیں تو کوے کی

عیش چونکہ شاعر تھے ہمیشہ فکر سخن میں رہتے۔ اس میں جو ظرافت کے مضامین خیال میں آتے۔ ان کو موزوں کر کے ہدہد کی چونچ میں دیتے ان کے بھی دو چار شعر سنو۔ رباعی

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

خود شاعر تھے خطاب عطا فرمایا۔ طائر الاراکین۔ شہپر الملک۔ ہدہد الشعرا۔ منقار جنگ بہادر اور سات روپے مہینہ بھی کر دیا کہ ان کی شاعری کی بنیاد قائم ہو گئی۔

حکیم صاحب کے اشارے پر ہدہد بلبلان سخن کو ٹھونگیں بھی مارتا تھا۔ چنانچہ بعض غزلیں سر مشاعرہ پڑھتا جس کے الفاظ نہایت شستہ اور رنگین ہوتے۔ لیکن شعر بالکل بے معنی اور کہہ دیتا کہ غالب کے انداز میں غزل لکھی ہے غالب مرحوم تو بہتے دریا تھے۔ ہنستے تھے اور ہنستے تھے۔ غالب کے انداز کا بھی ایک مطلع سنو۔

رات آئینوں کو نفرت ہے کج آئینوں سے — تیر نکلا جو کماں سے تو گریزاں نکلا

آشیاں سے جو غزل پڑھنے کو ہدہد آیا — غل پڑا پیش رو ملک سلیماں نکلا

(آب حیات بہ اختصار و تصرف یسیر)

ہم نے ہدہد کے کلام سے اس لیے استناد کیا ہے کہ وہ یا تو عیش کا اپنا نتیجہ طبع ہوتا تھا۔ یا ان کا اصلاح کیا ہوا ہوتا تھا۔)

انداز ہے اک نیا نکالا سب سے ۔۔۔ ہر ہر کا مذاق ہے نرالا سب سے
اڑتا بھی ہے دیکھو بالا بالا سب سے ۔۔۔ یہ ہے سر دفتر لشکر سلیماں

اس قسم کے صیغے مقام تعظیم میں امر کا کام بھی دیتے ہیں۔ اور ان پر گا بھی زیادہ کیا جاتا ہے جیسے آیئے گا۔ لایئے گا۔ بیٹھیے گا۔ بھیجیے گا۔ پیجئے گا۔ دیجیے گا۔ لیجیے گا۔ شعر

میں بھی جوں نقش پا ہوں چشم براہ ۔۔۔ خوش خرامی ادھر بھی کیجیے گا

کبھی ایسے صیغے فعل مستقبل کا کام دیتے ہیں۔

فعل مضارع کبھی خالص حال کے معنی دیتا ہے کبھی خالص استقبال کے دونوں کی مثالیں نیچے کے دونوں شعروں میں دیکھو ؎

صدمہ شیشے کو جو پہنچے تو صدا پیدا ہو ۔۔۔ چوٹ دل کو جو لگے آہ رسا پیدا ہو

یعنی جب دل کو چوٹ لگتی ہے تو آہ رسا پیدا ہوتی ہے اور شیشے کو صدمہ پہنچتا ہے تو صدا پیدا ہوتی ہے۔ شعر

عضو سے عضو قیامت کو جدا پیدا ہو ۔۔۔ کشتہ تیغ جدائی ہوں یقیں ہے مجھ کو

یعنی پیدا ہوگا

فعل حال

اس سے بالفعل کے زمانے میں کام کا ہونا سمجھا جاتا ہے

قاعدہ:

پہلے مصدر سے نا حذف کر کے تا (بتائے مثناۃ فوقانیہ) زیادہ کرو اور جمع مذکر اور جمع مؤنث متکلم کے لیے۔ تا کے الف کو یائے مجہول سے اور باقی صیغہائے مؤنث کے لیے یائے معروف سے بدل دو۔ پھر ان الفاظ کے ساتھ صیغہائے واحد مذکر غائب اور واحد مذکر حاضر میں ہے اور واحد متکلم میں ہوں (بواؤ معروف) اور جمع متکلم میں ہیں اور جمع حاضر میں ہو یا زیادہ کرو۔

کس سے جا کے کہیے یہ غم کو ہمارے کھویے ۔۔۔ ترے شاہنشا کہ کس کے آگے رویے
فکر کیجیے صرف اس میں اور پتھر دھویے ۔۔۔ داغ اکی زمیں ہے سوچ اے دل تا کجا

اور اگر یائے معروف یا مجہول رہے تو ہو جیے کی طرح (یے زائد پر) ایک جیم بڑھاتے اور یائے مجہول کو معروف سے بدل دیتے ہیں۔ جیسے پیجیے، دیجیے، لیجیے۔ حالی

یاد اس کی یہاں درد مدام اپنا ہے خالی نہ ہو جو کبھی وہ جام اپنا ہے

کس طرح نہ لیجیے کہ ہے نام اس کا کس طرح نہ کیجیے کہ کام اپنا ہے

کبھی بجائے جیے کے یعنی جیم اور صرف یائے مجہول زیادہ کرتے ہیں۔ اور پیجے۔ دیجے۔ لیجے۔ کیجے وغیرہ بولتے ہیں لیکن ہوجیے بدستور رہتا ہے۔

یہ صیغے ہمیشہ وہاں استعمال کیے جاتے ہیں جہاں فاعل مقدر ہوتا ہے یعنی ان کے ساتھ فاعل کبھی مذکور نہیں ہوتا۔ مت کہنا ہم لکھئے اور ہم پڑھیے۔

گردانیں

صیغہ افعال	حال مثبت معروف
واحد مذکر غائب	وہ آتا ہے یا لاتا ہے
جمع مذکر غائب	وہ آتے ہیں یا لاتے ہیں
واحد مونث غائب	وہ آتی ہے یا لاتی ہے
جمع مونث غائب	وہ آتی ہیں یا لاتی ہیں
واحد مذکر حاضر	تو آتا ہے یا لاتا ہے
جمع مذکر حاضر	تم آتے ہو یا لاتے ہو
واحد مونث حاضر	تو آتی ہے یا لاتی ہے
جمع مونث حاضر	تم آتی ہو یا لاتی ہو
واحد مذکر متکلم	میں آتا ہوں یا لاتا ہوں
جمع مذکر متکلم	ہم آتے ہیں یا لاتے ہیں
واحد مونث متکلم	میں آتی ہوں یا لاتی ہوں
جمع مونث متکلم	ہم آتے ہیں یا لاتے ہیں ☆

پہلے جمع مونث کے فعلوں کو الف نون کے ساتھ بولتے تھے جیسے شعر

وہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

☆ دہلی و لکھنؤ میں جمع مونث متکلم میں بھی جمع مذکر متکلم کی طرح ہم آتے ہیں اور ہم لاتے ہیں بولا جاتا ہے اسی واسطے ہم نے جیسا کہ پہلے ماضی کی بحث میں لکھا ہے۔ دیگر کتب قواعد کے خلاف یہاں ہم آتے ہیں یا لاتے ہیں لکھا ہے۔

اب متروک ہے۔

فعل حال مضارع سے بھی بنا لیتے ہیں۔ اس طرح کہ فعل مضارع پر واحد غائب اور واحد حاضر کے صیغوں کے لیے لفظ ہے۔ اور جمع غائب اور جمع متکلم کے لیے ہیں اور جمع حاضر کے لیے ہو اور واحد متکلم کے لیے ہوں زیادہ کر دیتے ہیں۔ ذوق

دانہ خرمن ہے ہمیں قطرہ ہے دریا ہم کو آئے ہے جزو میں نظر کل کا تماشا ہم کو

غالب

ادھر وہ بدگمانی ہے ادھر یہ ناتوانی ہے نہ پوچھا جائے ہے اس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے

مصحفی

سمجھوں ہوں اسے مہرۂ بازیچہ طفلاں کس کام کا ہے گنبد گردوں مرے آگے

ع مستانہ طے کروں ہوں رہ وادیٔ خیال

مگر مولوی محمد حسین صاحب نے آب حیات میں لکھا ہے کہ ''اساتذہ دہلی کے کلام میں آئے ہے اور جائے ہے اکثر ہے۔ مگر اخیر کی غزلوں میں انہوں نے بھی بچاؤ کیا ہے۔'' اور حالی کے شعرا تو ایسے صیغے مطلق استعمال نہیں کرتے۔

فعل حال ایک اور طریقہ سے بھی بناتے ہیں کہ مصدر سے علامت مصدر یعنی نا دور کر کے واحد مذکر غائب اور حاضر کے لیے رہا ہے۔ اور جمع مذکر غائب اور جمع مذکر و مونث متکلم کے لیے رہے ہیں اور واحد مونث غائب اور حاضر کے لیے رہی ہیں اور جمع مونث غائب کے لیے رہی ہیں اور جمع مذکر حاضر کے لیے رہے ہو اور جمع مونث حاضر کے لیے رہی ہو اور واحد متکلم مذکر کے لیے رہا ہوں اور واحد مونث متکلم کے لیے رہی ہوں زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے وہ کر رہا ہے وہ کر رہے ہیں وہ کر رہی ہے وہ کر رہی ہیں۔ تو کر رہا ہے۔ تم کر رہے ہو۔ تو کر رہی ہے۔ تم کر رہی ہو۔ میں کر رہا ہوں۔ ہم کر رہے ہیں۔ میں کر رہی ہوں۔ ہم کر رہے ہیں۔

لیکن بعض مصادر مزید فیہ☆ ایسے ہیں جن کی ماضی قریب اور اس طرح کے فعل حال

☆ کوئی صاحب جو عربی پڑھے ہوئے ہوں یہ نہ کہیں کہ مصادر کی صفت مزید فیہا لکھنا چاہیے تھا۔ ہم نے مزید فیہ عمداً لکھا ہے۔

کے صیغوں میں کچھ فرق نہیں ہوتا جیسے آ رہا ہے یہ آنا کا فعل حال بھی ہے۔ اور آ رہنا کی ماضی قریب بھی ہے۔

فعل حال کبھی مستقبل کا کام دیتا ہے مثلاً حامد، خالد سے کہو ہم ابھی آتے ہیں۔ شعر

اے شیفتہ ہم آج نہیں بچتے شب تک ہے قراری رہی متصل اگر

کبھی ماضی کی جگہ استعمال کرتے ہیں جیسے ”حکما کہتے ہیں“ ”شیخ سعدی فرماتے ہیں۔“

فعل مستقبل

اس سے زمانہ آئندہ مفہوم ہوتا ہے۔

قاعدہ:

مضارع پر گا زیادہ کرو اور گا کے الف کو صیغہائے جمع مذکر اور جمع مونث متکلم میں یائے مجہول سے باقی موقعوں میں یائے معروف سے بدل دو۔ مستقبل بن جائے گا۔

گردان

صیغۂ فعل	مستقبل مثبت معروف
واحد مذکر غائب	وہ آئے گا یا آوے گا
جمع مذکر غائب	وہ آئیں گے یا آویں گے
واحد مونث غائب	وہ آئے گی یا آوے گی
جمع مونث غائب	وہ آئیں گی یا آویں گی
واحد مذکر حاضر	تو آئے گا یا آوے گا
جمع مذکر حاضر	تم آؤ گے یا آوو گے
واحد مونث حاضر	تو آئے گی یا آوے گی
جمع مونث حاضر	تم آؤ گی یا آوو گی
واحد مذکر متکلم	میں آؤں گا یا آوؤں گا
جمع مذکر متکلم	ہم آئیں گے یا آویں گے
واحد مونث متکلم	میں آؤں گی یا آوؤں گی
جمع مونث متکلم	ہم آئیں گی یا آویں گی

تم کو یاد ہوگا کہ ہم نے مضارع کے بیان میں لکھا ہے کہ ہونا کا مضارع ہووے اور ہوے صرف ہوئے آتا ہے جن میں سے ہو کثیر الاستعمال ہے۔ مستقبل بھی عموماً ہوئی ہے سے بنتا ہے

ہیں۔ مگر اب ہووے سے استقبال بناتے ہیں تو اکثر دے کے واؤ کو ہمزے سے بدل کر ہوئے گا کہتے ہیں۔ مومن

روشن ہے جو ہے آل عبا کا پایہ ہاں مرتبہ تسلیم و رضا کا پایا
قندیل ہے عرش کی جو ہر جان شہید کیا ہوئے گا شاہ شہدا کا پایا

ہو گا کبھی ہے کے معنی دیتا ہے
مگر شک بدستور قائم رہتا ہے۔ رباعی

اک گور پرست نے یہ دہری سے کہا ہو گا نہ شقی کوئی جہاں میں تجھ سا
دہری نے کہا کہ کیا خدا کا منکر اس سے بھی گیا کہ جس کے لاکھوں ہوں خدا

کبھی فعل مستقبل سے علامت استقبال حذف کر دیتے ہیں۔ شعر

نہ پوری ہوئی ہیں امیدیں نہ ہوں یونہی عمر ساری گزر جائے گی

یعنی امیدیں نہ پوری ہوئی ہیں نہ ہوں گی۔

فعل امر

اس میں مخاطب کو کسی کام کا حکم ہوتا ہے۔ یہاں حکم سے مراد لغوی حکم نہیں ہے۔ کیونکہ بندہ خدا کو محکوم حاکم کو۔ بیٹا باپ کو۔ شاگرد استاد کو کیا حکم دے سکتا ہے لیکن بندہ خدا سے یا محکوم حاکم سے یا بیٹا باپ سے یا شاگرد استاد سے جو دعا یا سوال یا درخواست کرتا ہے۔ اس کو بھی اصطلاح صرف میں امر کہتے ہیں۔ ایک بندہ خدا خدا سے التجا کرتا ہوا کہتا ہے۔ مصرع

کر رحم خدایا تو رحیم الرحما ہے

قاعدہ:

مصدر سے علامت مصدر حذف کر دو واحد مذکر کا صیغہ بن جائے گا۔ اور واؤ مجہول زیادہ کرنے سے صیغہ جمع اور اگر واحد میں پچھلا حرف الف یا واؤ مجہول ہو تو جمع میں واؤ مجہول سے پہلے ایک ہمزہ بھی زیادہ کرو۔ جیسے آؤ۔ سوؤ۔

امر کا صحیح مفہوم تو یہی ہے کہ مخاطب کو حکم کیا جائے اور اسی لیے اردو میں امر کے چار سے زیادہ صیغے نہیں ہونے چاہئیں یعنی دو مذکر حاضر کے مگر بعض اہل قواعد نے اس کے بارہ

پیدا کیے ہیں۔ تعجب ہے کہ انہوں نے اس بات کو نہیں سمجھا کہ ایک زبان کو دوسری زبان پر قیاس نہیں کرتے اور یہ کہ ایک زبان دوسری زبان کے قواعد کی محکوم نہیں ہو سکتی اور یہ کہ قواعد محکوم زبان ہیں نہ زبان محکوم قواعد اگر عربی میں امر حاضر اور امر غائب کے مل کر چودہ صیغے ہیں تو ہم اہل عرب کی تقلید کیوں کریں۔ اردو کا اہل زبان کبھی اپنے اوپر آپ حکم نہیں کر سکتا۔ ان وجوہ سے امر میں سے متکلم کے چار صیغے تو قطعاً نکل گئے۔ مگر اب بحث اس میں ہے کہ اردو میں امر غائب کے صیغے ہوتے ہیں یا نہیں۔ ہمارے نزدیک غائب کا ایسا کوئی صیغہ نہیں جس میں امر حاضر کی طرح حکم واقع ہو سکے۔ جو افعال امر غائب کے صیغے قرار دیئے جاتے ہیں وہ پورا جملہ بننے کے سوا کبھی کام نہیں دے سکتے۔ مثلاً احمد سے کہو کہ میز پر سے میری کتاب اٹھا لائے۔ اس فقرے میں اٹھا لانے کا امر قرار دینا تکلف سے خالی نہیں اس میں وہ صیغہ جو امر کا صحیح اور اصلی مصداق ہو سکتا ہے۔ کہو ہے۔ اور میز پر سے اٹھا لائے اس کا بیان کیونکہ جب تک یہ بیان نہ کیا جائے کہ کیا کہنا چاہیے۔ کہو کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ مگر چونکہ غائب کے صیغوں میں بھی امر کی جھلک پائی جاتی ہے اس لیے چار صیغے امر غائب کے اور بڑھا دو تو امر کے کل آٹھ صیغے ہوئے۔ امر غائب کے صیغوں کے بنانے کا کوئی جدا قاعدہ نہیں۔ یہ مضارع غائب ہی کے صیغے ہیں جن سے امر غائب کا کام لیا جاتا ہے۔

گردان

صیغہ/فعل	امر معروف
واحد مذکر غائب	وہ آئے یا لائے
جمع مذکر غائب	وہ آئیں یا لائیں
واحد مؤنث غائب	وہ آئے یا لائے
جمع مؤنث غائب	وہ آئیں یا لائیں
واحد مذکر حاضر	تو آ یا لا
جمع مذکر حاضر	تم آؤ یا لاؤ
واحد مؤنث حاضر	تو آ یا لا
جمع مؤنث حاضر	تم آؤ یا لاؤ

کبھی امر کے آخر میں یائے تحتانی اور واؤ مجہول زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے دوڑیو۔ پکڑیو۔ لیکن کرانا سے اس طرح کا امر کریو نہیں آتا۔ کیجیو آتا ہے۔

جن امروں کے آخر الف یا واؤ مجہول ہوتا ہے۔ ان میں یائے مضموم کے پہلے ہمزہ مکسور بھی زیادہ کر دیتے ہیں۔ جیسے کھائیو۔ سوئیو۔ شعر

یا رب نگاہ بد سے چمن کو بچائیو ۔۔۔ بلبل بہت ہے دیکھ کے پھولوں کو باغ باغ

اور جس امر کے آخر یائے معروف یا مجہول ہو تو اس میں یوزاید پر ایک جیم بھی بڑھا دیتے اور یائے مجہول کو معروف سے بدل دیتے ہیں۔ جیسے پیجیو۔ لیجیو۔ دیجیو۔ وغیرہ لیکن ہر ایک امر پر تم حروف مذکورہ بڑھا کر اس صورت کے امر نہیں بنا سکتے۔

کیجیو۔ پیجیو۔ لیجیو وغیرہ میں یائے مضموم کو حذف کر کے کیجو۔ پیجو۔ لیجو۔ وغیرہ بھی بولتے ہیں۔

اس قسم کے امر سے (یعنی جس میں اصل پر حروف زیادہ کیے جاتے ہیں) مقام دعا میں مضارع کا کام بھی لیتے ہیں۔ جیسے حالی

دل احباب پر نہیں چلتا ۔۔۔ سحر میرا کہ رہیو غیر سے دور

اے چشمہ آب زندگانی ۔۔۔ گھٹیو نہ کبھی تری روانی

فعل مضارع کی بحث میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ کہ لائیے اور کیجیے وغیرہ صیغہائے متکلم مقام تعظیم میں امر کا کام بھی دیتے ہیں۔ بلکہ زیادہ تر یہ امر ہی کا کام دیتے ہیں اس لیے ہمارے نزدیک ان کو صیغہائے امر کہنا بھی درست ہے۔

اسی طرح مقام تعظیم میں صیغہ غائب (فعل امر) کو استعمال کرتے ہیں مگر ان صیغوں کے ساتھ تم کا لفظ نہیں بولتے آپ کا لفظ بولتے ہیں۔ جیسے آپ بیٹھے ہیں۔ آپ تشریف لائیں۔

ہندوستان میں مقام تعظیم و ادب میں تم سے خطاب نہیں کرتے۔ آپ بولتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کیجیے گا اور لیجیے گا وغیرہ صیغوں کے ساتھ آپ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تم کیجیے گا۔ تم لیجیے گا نہیں بولتے اور زیادہ ادب ملحوظ ہو تو جناب کہتے ہیں۔ اس سے زیادہ ہو تو حضور عربی۔ فارسی میں یہ تکلفات نہیں۔ عربی میں چھوٹا ہو یا بڑا سب کو انت سے خطاب کرتے ہیں۔ انتم (تم) بھی نہیں کہتے۔ فارسی اور پنجابی کا ایک حال ہے۔ فارسی میں شما او

پنجابی میں تسی ادب کے الفاظ ہیں۔ پنجابی میں تسی سے بڑھ کر کوئی تعظیم و ادب کا لفظ نہیں اور اس کے ساتھ ہمیشہ جمع حاضر امر کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔

ضرور نہیں کہ مخاطب آنکھ کے سامنے موجود ہو یا موجود فی الخارج ہو۔ مولوی حالیؔ نا امیدی اور امید کو مخاطب کر کے کہتے ہیں ؎

بس اے نا امیدی نہ یوں دل بجھا تو ۔ جھلک اے امید اپنی آخر دکھا تو
ذرا نا امیدوں کی ڈھارس بندھا تو ۔ فسردہ دلوں کے دل آ کر بڑھا تو

ترے دم سے مُردوں میں جانیں پڑی ہیں
جلی کھیتیاں تو نے سر سبز کی ہیں

کبھی مخاطب غیر معین ہوتا ہے۔ شعر

قفس میں جی نہیں لگتا کسی طرح ۔ لگا دو آگ کوئی آشیاں میں

غالبؔ

پوچھتے ہیں وہ کہ غالبؔ کون ہے ۔ کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

کبھی امر مرکب سے جزو ثانی حذف کر دیتے ہیں۔ شعر

ڈر ہے دلوں کے ساتھ امیدیں بھی پس نہ جائیں
اے آسیاے گردش لیل و نہار بس

یعنی بس کر ؎

مدد اے جذبہ توفیق کہ یاں ۔ ہو چکا کام توانائی کا

یعنی مدد کر۔ امر کے بعض صیغے تنبیہ کے مقام پر بھی استعمال کیے جاتے ہیں جیسے دیکھو۔ دیکھو۔ سن۔ سنو۔

فعل نہی

قاعدہ: امر کے اول میں نہ یا مت لگاؤ صیغہ نہی بن جائے گا۔

گردان

صیغہ امر	نہی معروف	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ نہ آئے یا نہ لائے	وہ مت آئے یا مت لائے
جمع مذکر غائب	وہ نہ آئیں یا نہ لائیں	وہ مت آئیں یا مت لائیں
واحد مؤنث غائب	وہ نہ آئے یا نہ لائے	وہ مت آئے یا مت لائے
جمع مؤنث غائب	وہ نہ آئیں یا نہ لائیں	وہ مت آئیں یا مت لائیں
واحد مذکر حاضر	تو نہ آ یا نہ لا	تو مت آ یا مت لا
جمع مذکر حاضر	تم نہ آؤ یا نہ لاؤ	تم مت آؤ یا مت لاؤ
واحد مؤنث حاضر	تو نہ آ یا نہ لا	تو مت آ یا مت لا
جمع مؤنث حاضر	تم نہ آؤ یا نہ لاؤ	تم مت آؤ یا مت لاؤ

مت جس طرح فعل کے آغاز میں آتا ہے۔ اسی طرح بعد میں بھی آتا ہے۔ جیسے بولو مت،

نہیں جو ایک نفی کا حرف ہے فعل امر کے بعد واقع ہو کر نہی کے معنی پیدا کرتا ہے۔ جیسے جھگڑو نہیں۔

ظفر

ہمدمو تم میری حالت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں   دیکھ لو چہرے کی رنگت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

کبھی کلام میں فعل کو حذف کر دیتے اور صرف نہیں سے فعل نہی کا کام لیتے ہیں۔ جیسے

"کھیلو مگر ہر وقت نہیں۔"

مصدر پر بھی نہ اور مت واقع ہو کر افادہ فعل نہیں کرتے ہیں۔ الاسلام میں ہے۔

مری☆ قبر کو تم نہ مسجد بنانا   نہ تربت پہ میری کبھی سر جھکانا

☆ یہ ایک حدیث کا ترجمہ ہے۔

مری منزلت سے نہ مجھ کو بڑھانا خدا سے نہ ہرگز کہیں جا بھڑانا

کہ مجھ میں نہیں کوئی شانِ خدائی

بشر ہوں تمہاری طرح ایک میں بھی

فائدہ:

جب مصدر افادۂ امر حاضر یا نہی حاضر کرتا ہے ضمیر فاعلی (تم) اس کے ساتھ بہت کم استعمال کرتے ہیں اور جب کرتے ہیں تو ضمیر کے ساتھ نے علامت فاعل ہرگز استعمال نہیں کرتے۔ شعر

یوں ہی گر روتا رہا غالبؔ تو اے اہلِ جہاں

دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

پنجاب میں اکثر لوگ تم نے کرنا اور تم نے مت کرنا بولتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔

فعل مجہول

تم پڑھ چکے ہو کہ فعل مجہول میں فاعل مذکور نہیں ہوتا اور مفعول قائم مقام فاعل آتا ہے۔ اسی لیے مجہول فعل متعدی سے آتا ہے فعل لازم کا مجہول نہیں ہوتا۔

بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ جس فعل معروف کو مجہول بنانا چاہو اس کی ماضی مطلق کے ساتھ مصدر جانا کا وہی صیغہ بڑھا دو جو بنانا مطلوب ہے اور اس بات کا خیال رکھو کہ معروف کی ماضی مطلق اور جانا کے مشتقات میں وحدت و جمع اور تذکیر و تانیث میں مطابقت رہے۔ یعنی اگر صیغہ واحد بنانا ہو تو دونوں واحد ہوں اور جمع بنانا ہو تو دونوں جمع مذکر میں مذکر اور مونث میں باستثنائے جمع مونث متکلم مونث ☆ البتہ صیغہائے ماضی کی مونثات متعدی کے معروف کو جمع نہیں کرتے اور علامت جمع صرف مشتقات جانا میں لگاتے ہیں۔ جیسے پالا گیا۔ پالے گئے۔ پالی گئی۔ پالی گئیں۔ اور صیغہائے مضارع و حال و استقبال و امر و نہی میں چونکہ صیغے کی حالت

☆ یہ ہم پہلے معروف کی بحث میں لکھ چکے ہیں کہ جمع مونث متکلم کا صیغہ محاورہ دہلی و لکھنؤ میں وہی ہوتا ہے جو جمع مذکر متکلم کا ہوتا ہے۔ تو جہاں مونثات کا ذکر ہو وہاں صیغۂ جمع مونث متکلم کو اس سے خارج سمجھنا چاہیے۔

بدل جاتی ہے۔ یعنی متعدی کے معروف میں ماضی ہوتی ہے اور جانا کا مشق مضارع و حال وغیرہ اس لیے جمع مذکر کے صیغوں میں بھی علامت جمع لگاتے ہیں۔ جیسے پائے جائیں باقی سب باتیں صیغہائے ماضی کی طرح بدستور رہتی ہیں۔ مصدر مجہول بنانا چاہو تو فعل ماضی مطلق پر جانا لگا دو مصدر بن جائے گا جیسے پالا جانا کیا جانا وغیرہ نقشہ ذیل میں تمام افعال مثبت مجہول کی گردانیں لکھی جاتی ہیں۔

گردانیں ☆

☆ چونکہ اس صفحہ میں تمام گردانوں کی گنجائش نہ تھی اس لیے صفحات آئندہ میں لکھی گئیں۔

فعل/صیغہ	ماضی مطلق مثبت مجہول	ماضی قریب مثبت مجہول	ماضی بعید مثبت مجہول	ماضی استمراری یا ناتمام مثبت مجہول	ماضی شکی یا احتمالی مثبت مجہول	ماضی شرطی یا تمنائی مثبت مجہول
واحد مذکر غائب	وہ لایا گیا	وہ لایا گیا ہے	وہ لایا گیا تھا	وہ لایا جاتا تھا	وہ لایا جاتا ہوگا	وہ لایا جاتا۔ لایا گیا ہوتا۔ لایا گیا ہو۔
جمع مذکر غائب	وہ لائے گئے	وہ لائے گئے ہیں	وہ لائے گئے تھے	وہ لائے جاتے تھے	وہ لائے جاتے ہونگے	وہ لائے جاتے۔ لائے گئے ہوتے۔ لائے گئے ہوں
واحد مونث غائب	وہ لائی گئی	وہ لائی گئی ہے	وہ لائی گئی تھی	وہ لائی جاتی تھی	وہ لائی جاتی ہوگی	وہ لائی جاتی۔ لائی گئی ہوتی۔ لائی گئی ہو۔
جمع مونث غائب	وہ لائی گئیں	وہ لائی گئی ہیں	وہ لائی گئی تھیں	وہ لائی جاتی تھیں	وہ لائی جاتی ہونگی	وہ لائی جاتیں۔ لائی گئی ہوتیں۔ لائی گئی ہوں۔
واحد مذکر حاضر	تو لایا گیا	تو لایا گیا ہے	تو لایا گیا تھا	تو لایا جاتا تھا	تو لایا جاتا ہوگا	تو لایا جاتا۔ لایا گیا ہوتا۔ لایا گیا ہو۔
جمع مذکر حاضر	تم لائے گئے	تم لائے گئے ہو	تم لائے گئے تھے	تم لائے جاتے تھے	تم لائے جاتے ہوگے	تم لائے جاتے۔ لائے گئے ہوتے۔ لائے گئے ہو۔
واحد مونث حاضر	تو لائی گئی	تو لائی گئی ہے	تو لائی گئی تھی	تو لائی جاتی تھی	تو لائی جاتی ہوگی	تو لائی جاتی۔ لائی گئی ہوتی۔ لائی گئی ہو۔
جمع مونث حاضر	تم لائی گئیں	تم لائی گئی ہو	تم لائی گئی تھیں	تم لائی جاتی تھیں	تم لائی جاتی ہوگی	تم لائی جاتیں۔ لائی گئی ہوتیں۔ لائی گئی ہو۔
واحد مذکر متکلم	میں لایا گیا	میں لایا گیا ہوں	میں لایا گیا تھا	میں لایا جاتا تھا	میں لایا جاتا ہونگا	میں لایا جاتا۔ لایا گیا ہوتا۔ لایا گیا ہوں
جمع مذکر متکلم	ہم لائے گئے	ہم لائے گئے ہیں	ہم لائے گئے تھے	ہم لائے جاتے تھے	ہم لائے جاتے ہونگے	ہم لائے جاتے۔ لائے گئے ہوتے۔ لائے گئے ہوں۔
واحد مونث متکلم	میں لائی گئی	میں لائی گئی ہوں	میں لائی گئی تھی	میں لائی جاتی تھی	میں لائی جاتی ہونگی ۔	میں لائی جاتی۔ لائی گئی ہوتی۔ لائی گئی ہوں۔
جمع مونث متکلم	ہم لائے گئے	ہم لائے گئے ہیں	ہم لائے گئے تھے	ہم لائے جاتے تھے	ہم لائے جاتے ہونگے	ہم لائے جاتے۔ لائے گئے ہوتے۔ لائے گئے ہوں۔

نمبر صیغہ	مضارع مثبت مجہول	حال مثبت مجہول	مستقبل مثبت مجہول	امر مجہول	نہی مجہول
واحد مذکر غائب	وہ لایا جائے	وہ لایا جاتا ہے	وہ لایا جائے گا	وہ لایا جائے	وہ نہ لایا جائے یا مت لایا جائے
جمع مذکر غائب	وہ لائے جائیں	وہ لائے جاتے ہیں	وہ لائے جائیں گے	وہ لائے جائیں	وہ نہ لائے جائیں یا مت لائے جائیں
واحد مونث غائب	وہ لائی جائے	وہ لائی جاتی ہے	وہ لائی جائے گی	وہ لائی جائے	وہ نہ لائی جائے یا مت لائی جائے
جمع مونث غائب	وہ لائی جائیں	وہ لائی جاتی ہیں	وہ لائی جائیں گی	وہ لائی جائیں	وہ نہ لائی جائیں یا مت لائی جائیں
واحد مذکر حاضر	تو لایا جائے	تو لایا جاتا ہے	تو لایا جائے گا		
جمع مذکر حاضر	تم لائے جاؤ	تم لائے جاتے ہو	تم لائے جاؤ گے		
واحد مونث حاضر	تو لائی جائے	تو لائی جاتی ہے	تو لائی جائے گی		
جمع مونث حاضر	تم لائی جاؤ	تم لائی جاتی ہو	تم لائی جاؤ گی		
واحد مذکر متکلم	میں لایا جاؤں	میں لایا جاتا ہوں	میں لایا جاؤں گا		
جمع مذکر متکلم	ہم لائے جائیں	ہم لائے جاتے ہیں	میں لائے جائیں گے		
واحد مونث متکلم	میں لائی جاؤں	میں لائی جاتی ہوں	میں لائی جاؤں گی		
جمع مونث متکلم	ہم لائے جائیں	ہم لائے جاتے ہیں	ہم لائے جائیں گے		

حقیقت میں اردو میں مجہول دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک لفظی ایک معنوی۔ لفظی وہ جس میں علامت مجہول جو بیان کی گئی ہے ظاہر ہو۔ جیسے لوٹا جانا۔ مارا جانا۔ پوچا جانا وغیرہ معنوی وہ جس میں علامت مذکور ظاہر نہ ہو جیسے لٹنا پٹنا۔ وغیرہ۔ اور کچھ شک نہیں کہ جس طرح لوٹا جانا مارا جانا۔ پوجا جانا۔ بغیر لوٹنے والے اور مارنے والے اور پوجنے والے کے وقوع میں نہیں آ

سکتے۔ اسی طرح لٹنا اور پٹنا اور بچنا لوٹنے والے اور پیٹنے والے اور پوچھنے والے تم کو یاد ہوگا۔

افعال منفی معروف کی گردانیں

صیغہ فعل	ماضی مطلق منفی معروف	ماضی قریب منفی معروف	ماضی بعید منفی معروف	ماضی استمراری یا ناتمام منفی معروف
واحد مذکر غائب	وہ نہ لایا یا نہیں لایا	وہ نہ لایا ہے یا نہیں لایا ہے	وہ نہ لایا تھا یا نہیں لایا تھا	وہ نہ لاتا تھا یا نہیں لاتا تھا
جمع مذکر غائب	وہ نہ لائے یا نہیں لائے	وہ نہ لائے ہیں یا نہیں لائے ہیں	وہ نہ لائے تھے یا نہیں لائے تھے	وہ نہ لاتے تھے یا نہیں لاتے تھے
واحد مونث غائب	وہ نہ لائی یا نہیں لائی	وہ نہ لائی ہے یا نہیں لائی ہے	وہ نہ لائی تھی یا نہیں لائی تھی	وہ نہ لاتی تھی یا نہیں لاتی تھی
جمع مونث غائب	وہ نہ لائیں یا نہیں لائیں	وہ نہ لائی ہیں یا نہیں لائی ہیں	وہ نہ لائی تھیں یا نہیں لائی تھیں	وہ نہ لاتی تھیں یا نہیں لاتی تھیں
واحد مذکر حاضر	تو نہ لایا یا نہیں لایا	تو نہ لایا ہے یا نہیں لایا ہے	تو نہ لایا تھا یا نہیں لایا تھا	تو نہ لاتا تھا یا نہیں لاتا تھا
جمع مذکر حاضر	تم نہ لائے یا نہیں لائے	تم نہ لائے ہو یا نہیں لائے ہو	تم نہ لائے تھے یا نہیں لائے تھے	تم نہ لاتے تھے یا نہیں لاتے تھے
واحد مونث حاضر	تو نہ لائی یا نہیں لائی	تو نہ لائی ہے یا نہیں لائی ہے	تو نہ لائی تھی یا نہیں لائی تھی	تو نہ لاتی تھی یا نہیں لاتی تھی
جمع مونث حاضر	تم نہ لائیں یا نہیں لائیں	تم نہ لائی ہو یا نہیں لائی ہو	تم نہ لائی تھیں یا نہیں لائی تھیں	تم نہ لاتی تھیں یا نہیں لاتی تھیں
واحد مذکر متکلم	میں نہ لایا یا نہیں لایا	میں نہ لایا ہوں یا نہیں لایا ہوں	میں نہ لایا تھا یا نہیں لایا تھا	میں نہ لاتا تھا یا نہیں لاتا تھا
جمع مذکر متکلم	ہم نہ لائے یا نہیں لائے	ہم نہ لائے ہیں یا نہیں لائے ہیں	ہم نہ لائے تھے یا نہیں لائے تھے	ہم نہ لاتے تھے یا نہیں لاتے تھے
واحد مونث متکلم	میں نہ لائی یا نہیں لائی	میں نہ لائی ہوں یا نہیں لائی ہوں	میں نہ لائی تھی یا نہیں لائی تھی	میں نہ لاتی تھی یا نہیں لاتی تھی
جمع مونث متکلم	ہم نہ لائے یا نہیں لائے	ہم نہ لائے ہیں یا نہیں لائے ہیں	ہم نہ لائے تھے یا نہیں لائے تھے	ہم نہ لاتے تھے یا نہیں لاتے تھے

صیغہ نفی	ماضی نفی یا احتمالی نفی معروف	ماضی شرطی یا تمنائی نفی معروف	مضارع نفی معروف	حال نفی معروف	مستقبل نفی معروف
واحد مذکر غائب	وہ نہ لایا ہوگا یا نہیں لایا ہوگا	وہ نہ لاتا۔ وہ نہ لایا ہوتا۔ وہ نہ لایا ہو	وہ نہ لائے	وہ نہ لاتا ہے یا نہیں لاتا ہے	وہ نہ لائے گا یا نہیں لائے گا
جمع مذکر غائب	وہ نہ لائے ہونگے یا نہیں لائے ہونگے	وہ نہ لاتے۔ وہ نہ لائے ہوتے۔ وہ نہ لائے ہوں	وہ نہ لائیں	وہ نہ لاتے ہیں یا نہیں لاتے ہیں	وہ نہ لائیں گے یا نہیں لائیں گے
واحد مونث غائب	وہ نہ لائی ہوگی یا نہیں لائی ہوگی	وہ نہ لاتی۔ وہ نہ لائی ہوتی۔ وہ نہ لائی ہو	وہ نہ لائے	وہ نہ لاتی ہے یا نہیں لاتی ہے	وہ نہ لائے گی یا نہیں لائے گی
جمع مونث غائب	وہ نہ لائی ہونگی یا نہیں لائی ہونگی	وہ نہ لاتیں۔ وہ نہ لائی ہوتیں۔ وہ نہ لائی ہوں	وہ نہ لائیں	وہ نہ لاتی ہیں یا نہیں لاتی ہیں	وہ نہ لائیں گی یا نہیں لائیں گی
واحد مذکر حاضر	تو نہ لایا ہوگا یا نہیں لایا ہوگا	تو نہ لاتا۔ تو نہ لایا ہوتا۔ تو نہ لایا ہو	تو نہ لائے	تو نہ لاتا ہے یا نہیں لاتا ہے	تو نہ لائے گا یا نہیں لائے گا
جمع مذکر حاضر	تم نہ لائے ہوگے یا نہیں لائے ہوگے	تم نہ لاتے۔ تم نہ لائے ہوتے۔ تم نہ لائے ہو	تم نہ لاؤ	تم نہ لاتے ہو یا نہیں لاتے ہو	تم نہ لاؤ گے یا نہیں لاؤ گے
واحد مونث حاضر	تو نہ لائی ہوگی یا نہیں لائی ہوگی	تو نہ لاتی۔ تو نہ لائی ہوتی۔ تو نہ لائی ہو	تو نہ لائے	تو نہ لاتی ہے یا نہیں لاتی ہے	تو نہ لائے گی یا نہیں لائے گی
جمع مونث حاضر	تم نہ لائی ہوگی یا نہیں لائی ہوگی	تم نہ لاتیں۔ تم نہ لائی ہوتیں۔ تم نہ لائی ہو	تم نہ لاؤ	تم نہ لاتی ہو یا نہیں لاتی ہو	تم نہ لاؤ گی یا نہیں لاؤ گی
واحد مذکر متکلم	میں نہ لایا ہوں گا یا نہیں لایا ہونگا	میں نہ لاتا۔ میں نہ لایا ہوتا۔ میں نہ لایا ہوں	میں نہ لاؤں	میں نہ لاتا ہوں یا نہیں لاتا ہوں	میں نہ لاؤں گا یا نہیں لاؤں گا
جمع مذکر متکلم	ہم نہ لائے ہونگے یا نہیں لائے ہونگے	ہم نہ لاتے۔ ہم نہ لائے ہوتے۔ ہم نہ لائے ہوں	ہم نہ لائیں	ہم نہ لاتے ہیں یا نہیں لاتے ہیں	ہم نہ لائیں گے یا نہیں لائینگے
واحد مذکر متکلم	میں نہ لائی ہونگی یا نہیں لائی ہونگی	میں نہ لاتی۔ میں نہ لائی ہوتی۔ میں نہ لائی ہوں	میں نہ لاؤں	میں نہ لاتی ہوں یا نہیں لاتی ہوں	میں نہ لاؤں گی یا نہیں لاؤں گی
جمع مذکر متکلم	ہم نہ لائے ہونگے یا نہیں لائے ہونگے	ہم نہ لاتے۔ ہم نہ لائے ہوتے۔ ہم نہ لائے ہوں	ہم نہ لائیں	ہم نہ لاتے ہیں یا نہیں لاتے ہیں	ہم نہ لائینگے یا نہیں لائینگے

ہم صیغوں کے شمار میں لکھ چکے ہیں کہ فعل منفی میں نہ امر آتا ہے نہ نہی اس لیے اس کے صرف ایک سو آٹھ صیغے ہیں۔

فائدہ: محاورے میں کبھی فعل مثبت بھی منفی کا کام دیتا ہے۔ خواجہ حالی ایک قصیدہ نعتیہ کی تشبیب میں کہتے ہیں۔ شعر

ہیں بھی ہوں حسن طبع پر مغرور — مجھ سے اٹھیں گے ان کے ناز ضرور

افعال منفی مجہول کی گردانیں

صیغہ/فعل	ماضی مطلق مثبت معروف	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ نہ لایا گیا یا نہیں لایا گیا	وہ نہ لایا گیا ہے یا نہیں لایا گیا ہے
جمع مذکر غائب	وہ نہ لائے گئے یا نہیں لائے گئے	وہ نہ لائے گئے ہیں یا نہیں لائے گئے ہیں
واحد مونث غائب	وہ نہ لائی گئی یا نہیں لائی گئی	وہ نہ لائی گئی ہے یا نہیں لائی گئی ہے
جمع مونث غائب	وہ نہ لائی گئیں یا نہیں لائی گئیں	وہ نہ لائی گئی ہیں یا نہیں لائی گئی ہیں
واحد مذکر حاضر	تو نہ لایا گیا یا نہیں لایا گیا	تو نہ لایا گیا ہے یا نہیں لایا گیا ہے
جمع مذکر حاضر	تم نہ لائے گئے یا نہیں لائے گئے	تم نہ لائے گئے ہو یا نہیں لائے گئے ہو
واحد مونث حاضر	تو نہ لائی گئی یا نہیں لائی گئی	تو نہ لائی گئی ہے یا نہیں لائی گئی ہے
جمع مونث حاضر	تم نہ لائی گئیں یا نہیں لائی گئیں	تم نہ لائی گئی ہو یا نہیں لائی گئی ہو
واحد مذکر متکلم	میں نہ لایا گیا یا نہیں لایا گیا	میں نہ لایا گیا ہوں یا نہیں لایا گیا ہوں
جمع مذکر متکلم	ہم نہ لائے گئے یا نہیں لائے گئے	ہم نہ لائے گئے ہیں یا نہیں لائے گئے ہیں
واحد مونث متکلم	میں نہ لائی گئی یا نہیں لائی گئی	میں نہ لائی گئی ہوں یا نہیں لائی گئی ہوں
جمع مونث متکلم	ہم نہ لائے گئے یا نہیں لائے گئے	ہم نہ لائے گئے ہیں یا نہیں لائے گئے ہیں

صیغہ	ماضی بعید منفی مجہول	ماضی استمراری یا ناتمام منفی مجہول	ماضی شکی یا احتمالی منفی مجہول	ماضی شرطی یا تمنائی منفی مجہول
واحد مذکر غائب	وہ نہ لایا گیا تھا یا نہیں لایا گیا تھا	وہ نہ لایا جاتا تھا یا نہیں لایا جاتا تھا	وہ نہ لایا جاتا ہوگا یا نہیں لایا جاتا ہوگا	وہ نہ لایا جاتا۔ نہ لایا گیا ہوتا۔ نہ لایا گیا ہو۔
جمع مذکر غائب	وہ نہ لائے گئے تھے یا نہیں لائے گئے تھے	وہ نہ لائے جاتے تھے یا نہیں لائے جاتے تھے	وہ نہ لائے جاتے ہونگے یا نہیں لائے جاتے ہونگے	وہ نہ لائے جاتے۔ نہ لائے گئے ہوتے۔ نہ لائے گئے ہوں
واحد مؤنث غائب	وہ نہ لائی گئی تھی یا نہیں لائی گئی تھی	وہ نہ لائی جاتی تھی یا نہیں لائی جاتی تھی	وہ نہ لائی جاتی ہوگی یا نہیں لائی جاتی ہوگی	وہ نہ لائی جاتی۔ نہ لائی گئی ہوتی۔ نہ لائی گئی ہو
جمع مؤنث غائب	وہ نہ لائی گئی تھیں یا نہیں لائی گئی تھیں	وہ نہ لائی جاتی تھیں یا نہیں لائی جاتی تھیں	وہ نہ لائی جاتی ہونگی یا نہیں لائی جاتی ہونگی	وہ نہ لائی جاتیں۔ نہ لائی گئی ہوتیں۔ نہ لائی گئی ہوں
واحد مذکر حاضر	تو نہ لایا گیا تھا یا نہیں لایا گیا تھا	تو نہ لایا جاتا تھا یا نہیں لایا جاتا تھا	تو نہ لایا جاتا ہوگا یا نہیں لایا جاتا ہوگا	تو نہ لایا جاتا۔ نہ لایا گیا ہوتا۔ نہ لایا گیا ہو
جمع مذکر حاضر	تم نہ لائے گئے تھے یا نہیں لائے گئے تھے	تم نہ لائے جاتے تھے یا نہیں لائے جاتے تھے	تم نہ لائے جاتے ہوگے یا نہیں لائے جاتے ہوگے	تم نہ لائے جاتے۔ نہ لائے گئے ہوتے۔ نہ لائے گئے ہو
واحد مؤنث حاضر	تو نہ لائی گئی تھی یا نہیں لائی گئی تھی	تو نہ لائی جاتی تھی یا نہیں لائی جاتی تھی	تو نہ لائی جاتی [illegible]یں لائی جاتی ہوگی	تو نہ لائی جاتی۔ نہ لائی گئی ہوتی۔ نہ لائی گئی ہو
جمع مؤنث حاضر	تم نہ لائی گئی تھیں یا نہیں لائی گئی تھیں	تم نہ لائی جاتی تھیں یا نہیں لائی جاتی تھیں	تم نہ لائی جاتی ہوگی یا نہیں لائی جاتی ہوگی	تم نہ لائی جاتیں۔ نہ لائی گئی ہوتیں۔ نہ لائی گئی ہوں
واحد مذکر متکلم	میں نہ لایا گیا تھا یا نہیں لایا گیا تھا	میں نہ لایا جاتا تھا یا نہیں لایا جاتا تھا	میں نہ لایا جاتا ہوں گا یا نہیں لایا جاتا ہونگا	میں نہ لایا جاتا۔ نہ لایا گیا ہوتا۔ نہ لایا گیا ہوں
جمع مذکر متکلم	ہم نہ لائے گئے تھے یا نہیں لائے گئے تھے	ہم نہ لائے جاتے تھے یا نہیں لائے جاتے تھے	ہم نہ لائے جاتے ہونگے یا نہیں لائے جاتے ہونگے	ہم نہ لائے جاتے۔ نہ لائے گئے ہوتے۔ نہ لائے گئے ہوں
واحد مؤنث متکلم	میں نہ لائی گئی تھی یا نہیں لائی گئی تھی	میں نہ لائی جاتی تھی یا نہیں لائی جاتی تھی	میں نہ لائی جاتی ہونگی یا نہیں لائی جاتی ہونگی	میں نہ لائی جاتی۔ نہ لائی گئی ہوتی۔ نہ لائی گئی ہوں
جمع مؤنث متکلم	ہم نہ لائے گئے تھے یا نہیں لائے گئے تھے	ہم نہ لائے جاتے تھے یا نہیں لائے جاتے تھے	ہم نہ لائے جاتے ہونگے یا نہیں لائے جاتے ہونگے	ہم نہ لائے جاتے۔ نہ لائے گئے ہوتے۔ نہ لائے گئے ہوں

فعل/صیغہ	مضارع منفی مجہول	حال منفی مجہول	مستقبل منفی مجہول
واحد مذکر غائب	وہ نہ لایا جائے	وہ نہ لایا جاتا ہے یا نہیں لایا جاتا ہے	وہ نہ لایا جائے گا یا نہیں لایا جائے گا
جمع مذکر غائب	وہ نہ لائے جائیں	وہ نہ لائے جاتے ہیں یا نہیں لائے جاتے ہیں	وہ نہ لائے جائینگے یا نہیں لائے جائینگے
واحد مونث غائب	وہ نہ لائی جائے	وہ نہ لائی جاتی ہے یا نہیں لائی جاتی ہے	وہ نہ لائی جائے گی یا نہیں لائی جائے گی
جمع مونث غائب	وہ نہ لائی جائیں	وہ نہ لائی جاتی ہیں یا نہیں لائی جاتی ہیں	وہ نہ لائی جائیں گی یا نہیں لائی جائیں گی
واحد مذکر حاضر	تو نہ لایا جائے	تو نہ لایا جاتا ہے یا نہیں لایا جاتا ہے	تو نہ لایا جائے گا یا نہیں لایا جائے گا
جمع مذکر حاضر	تم نہ لائے جاؤ	تم نہ لائے جاتے ہو یا نہیں لائے جاتے ہو	تم نہ لائے جاؤ گے یا نہیں لائے جاؤ گے
واحد مونث حاضر	تو نہ لائی جائے	تو نہ لائی جاتی ہے یا نہیں لائی جاتی ہے	تو نہ لائی جائے گی یا نہیں لائی جائے گی
جمع مونث حاضر	تم نہ لائی جاؤ	تم نہ لائی جاتی ہو یا نہیں لائی جاتی ہو	تم نہ لائی جاؤ گی یا نہیں لاؤ جاؤ گی
واحد مذکر متکلم	میں نہ لایا جاؤں	میں نہ لایا جاتا ہوں یا نہیں لایا جاتا ہوں	میں نہ لایا جاؤں گا یا نہیں لایا جاؤں گا
جمع مذکر متکلم	ہم نہ لائے جائیں	ہم نہ لائے جاتے ہیں یا نہیں لائے جاتے ہیں	ہم نہ لائے جائیں گے یا نہیں لائے جائیں گے
واحد مونث متکلم	میں نہ لائی جاؤں	میں نہ لائی جاتی ہوں یا نہیں لائی جاتی ہوں	میں نہ لائی جاؤں گی یا نہیں لائی جاؤں گی
جمع مونث متکلم	ہم نہ لائے جائیں	ہم نہ لائے جاتے ہیں یا نہیں لائے جاتے ہیں	ہم نہ لائے جائیں گے یا نہیں لائے جائیں گے

فائدہ:

افعال معروف و مجہول اور مثبت و منفی کے تمام صیغے نثر میں عموماً اسی طرح استعمال کیے جاتے ہیں۔ جس طرح ہم نے گردانوں میں لکھے ہیں یعنی بلا فصل اجزا و تقدیم و تاخیر۔ مگر نظم میں بسا اوقات ماضی قریب اور حال کا ہے اور ہیں اور ماضی بعید اور ماضی استمراری کا تھا اور تھے اور علامات نفی و نہی فعل سے جدا ہو کر آگے پیچھے ہو جاتی ہیں۔ بلکہ منفی صیغوں میں جن میں منجملہ حروف نفی کے نہیں آتا ہے۔ ہے اور ہیں حذف بھی ہو جاتے ہیں۔ نثر میں بھی نہیں موخر آ جاتا ہے اور ہے اور ہیں حذف ہو جاتے ہیں۔ چند مثالیں سنو۔ حالی

تھے اے نعمائے سلطانی سے بہتر جانتے اپنی محنت سے اگر نان جویں کھاتے تھے ہم

جی چراتے تھے نہ مکروہاتِ عالم سے کبھی اور خلافِ چرخ دوراں سے نہ گھبراتے تھے ہم

خدا رحم کرتا نہیں اس بشر پر نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر

عجب نہیں کہ رہے نیک و بد میں کچھ نہ تمیز کہ جو بدی ہے وہ سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے

جیتے جی رکھ نہ فراغت کی توقع ناداں قید ہستی میں مری جان فراغت کیسی

اسم فعل

بعض کلمات ایسے ہیں کہ مصدر سے تو مشتق نہیں مگر ان میں کام کا ہونا مع انضمام وقت پایا جاتا ہے۔ جیسے ہے☆ تھا سہی ☆☆ ان کو ہم اسم فعل کہتے ہیں اس لیے کہ لفظ کے رو سے

☆ ہے کو اہل قواعد نے حرف ربط لکھا ہے فعل نہیں لکھا۔ ہم اس کی تحقیق علم نحو میں افعال ناقصہ کی بحث میں لکھیں گے۔

☆☆ یہ وہ سہی نہیں جو سہنا کی ماضی ہے۔ جیسے مصرع یہ سب سہا پر ایک نہیں کی نہیں سہی۔

تو یہ اسم ہیں اور معنی کے اعتبار سے فعل۔ رہی یہ بات کہ یہ کس قسم کے فعل ہیں۔ یہ کبھی آگے بیان کریں گے۔ ہے جمع میں ہیں ہو جاتا ہے۔ اور واحد متکلم میں ہوں۔ تذکیر و تانیث کا اس میں کچھ امتیاز نہیں تھا مذکر میں تھے اور واحد مونث میں تھی اور جمع مونث میں تھیں۔ سہی ایک ایسا لفظ ہے کہ کبھی تو خود فعل کا کام دیتا ہے۔ کبھی فعل کے ساتھ زائد آتا ہے۔ اس کی نہ جمع ہوتی ہے نہ تذکیر و تانیث ذیل کے اشعار و فقرات سے مقامات استعمال معلوم ہو سکتے ہیں۔

قطع کیجیے نہ تعلق ہم سے ۔۔۔ کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی
کچھ تو دے اے فلک نا انصاف ۔۔۔ آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی
ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے ۔۔۔ بے نیازی تری عادت ہی سہی
ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق ۔۔۔ نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی
نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا ۔۔۔ گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

"دیکھو تو سہی" "سنو تو سہی"

فائدہ:

ہے۔ کبھی ہوتا ہے کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے ع

کبھی اس طرح بھی ہے دور زماں

یعنی زمانے کا دور کبھی اس طرح بھی ہوتا ہے۔

افعال ناقصہ

بعض فعل ایسے ہیں کہ ظاہر میں تو فعل لازم ہیں۔ مگر جب تک فاعل کے علاوہ کوئی اور اسم یا صفت اس کے ساتھ نہ ملے پورا مطلب نہیں دیتے۔ ان کو افعال ناقصہ☆ کہتے ہیں۔ ان کا مفصل بیان علم نحو میں لکھیں گے۔ افعال مجرد میں ہونا اور بننا اور نکلنا (یعنی ظاہر ہونا) اور لگنا اور رہنا اور پڑنا اور مزید فیہ میں ہو جانا اور بن جانا کے مشتقات اور تمام اسم فعل یعنی ہے کے تینوں صیغے اور تھا کے چاروں اور سہی یہ سب فعل ناقص ہیں لیکن جب ان افعال میں سے کوئی فعل ایک ہی اسم پر پورا ہو جاتا ہے تو وہ فعل ناقص نہیں رہتا فعل تام ہو جاتا ہے کہی ایک

☆ ان افعال کا فاعل اسم کہلاتا ہے۔ اور اسم یا صفت جو فاعل کے علاوہ ملے خبر۔

ایسا کلمہ ہے کہ لازم و متعدی معروف و مجہول ناقص و تام سب قسم کے فعلوں کا کام دیتا ہے
اسم فعل جب کسی فعل کا جز ہو جاتا ہے تو فعل ناقص نہیں رہتا۔ جیسے کیا ہے پالا تھا وغیرہ۔

فعل معطوف

فعل معطوف میں دو فعل ہوتے ہیں۔ پہلا معطوف علیہ کہلاتا ہے۔ دوسرا معطوف ان دو
فعلوں کے درمیان کریا کے واقع ہوتا ہے پہلا فعل اگرچہ ہمیشہ امر کا صیغہ ہوتا ہے لیکن فائدہ وہی
دیتا ہے جو دوسرا فعل دیتا ہے یعنی دوسرا فعل اگر ماضی یا مضارع یا مستقبل یا امر وغیرہ ہوگا تو پہلا
فعل بھی وہی فائدہ دے گا۔ یوں سمجھو کہ پہلا فعل دوسرے فعل کے تابع ہوتا ہے۔ جیسے زید کتاب
پڑھ کر سو رہا حامد کھانا کھا کر پڑھے گا۔ یہاں آکر بیٹھو کبھی پہلا فعل دوام ہوتے ہیں جیسے حالی

بس بس کے ہزاروں گھر اجڑ جاتے ہیں ۔۔۔ گڑ گڑ کے علم لاکھوں اکھڑ جاتے ہیں
آج اس کی ہے نوبت تو کل اس کی باری ۔۔۔ بن بن کے یونہیں کھیل بگڑ جاتے ہیں

فعل معطوف میں عموماً پہلے فعل کے واقع ہو چکنے کے بعد دوسرا فعل واقع ہوتا ہے جیسا کہ
مثالہائے مذکورہ سے معلوم ہو چکا۔ کبھی محاورے میں فعل کے واقع ہونے کا کچھ لحاظ نہیں ہوتا جیسے شعر

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا ۔۔۔ پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

کبھی کریا کے حذف کر دیئے جاتے ہیں۔ شعر

وہ عجائب اب نظر آتے نہیں ۔۔۔ دیکھ پہلے جن کو رہ جاتے تھے دنگ

فعل معطوف ایک اور صورت سے بھی آتا ہے۔ یعنی ماضی شرطی پر ہوا۔ ہوئے۔ ہوئی۔
لگانے سے یہ الفاظ بجائے کریا کے سمجھنے چاہئیں۔

مرزا غالب ایک خط میں لکھتے ہیں۔ ''شہرت ہوئی کہ لارڈ صاحب (لاٹ صاحب)
آتے ہیں۔ فروری کو انبالے پہنچیں گے۔ اہل دہلی کی ملازمت وہاں ہوگی۔ اب یہ آواز بلند
ہے کہ فروری میں کلکتے سے چلیں گے۔ بنارس الہ آباد اکبر آباد ہوتے ہوئے مارچ کو انبالے
پہنچیں گے۔'' یعنی بنارس وغیرہ ہو کر مارچ کو انبالے پہنچیں گے۔

فعل معطوف کی تیسری صورت ایک اور بھی ہے۔ یعنی ماضی شرطی کے صیغہ جمع مذکر پر
ہی (یائے معروف) بڑھانے سے اس قسم کا فعل معطوف وہاں مستعمل ہوتا ہے جہاں ایک
کام کے وقوع میں آتے ہی دوسرا کام واقع ہو۔ جیسے سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔

چاہیے

بعض ایسے فعل ہیں کہ ظاہر میں تو مشتق معلوم ہوتے ہیں۔ مگر جس مصدر سے مشتق معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے معنوں سے سب جگہ مناسبت نہیں رکھتے اور نہ ان کا فاعل کون یا کس نے کے جواب میں واقع ہوتا ہے۔ بلکہ ان الفاظ کے جواب میں آتا ہے جو مفعول کی بیانات کے لیے مقرر ہیں۔ اس کے علاوہ کبھی تنہا استعمال کیے جاتے ہیں۔ کبھی دوسرے الفاظ مثلاً تھا اور فعل ماضی مطلق اور مصدر کے ساتھ جیسے ''چاہیے'' یہ لفظ ظاہر میں چاہنا سے مشتق یعنی اس کے مضارع ''چاہے'' سے بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ مگر کہاں چاہیے اور کہاں چاہے ''چاہیے'' تو یہ ''یوں چاہیے تھا'' ''یوں نہ چاہیے'' یعنی یوں مناسب ہے۔ یا یوں مناسب تھا یا یوں مناسب نہیں۔ شعر

اب جیسے اک حسن سے ہنسے تھے تو ہنس لیے پر اس طرح ہر ایک سے ٹھٹھا نہ چاہیے

چاہیے مصدر اور ماضی کے ساتھ مل کر اکثر امر کے معنی دیتا ہے۔ جیسے غالب

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید ناامیدی اس کی دیکھا چاہیے

کبھی مصدر کے ساتھ مل کر مضارع کے اور کبھی حال کے معنی دیتا ہے جیسے شعر

لگ گئی چپ حالیؔ رنجور کو حال اس کا کس سے پوچھا چاہیے

''اب ہم کو یہ بیان کرنا چاہیے'' یعنی اب ہم یہ بیان کرتے ہیں۔

چاہیے درکار ہے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ مصرع

وہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے

کبھی نظم میں چاہیے کے ساتھ ہے بھی آ جاتا ہے جیسے شعر

حشر کو کوئی وسیلہ نہیں اس سے بہتر اے ظفر دوستی آل نبی چاہیے ہے

چاہیے جمع میں چاہئیں ہو جاتا ہے جیسے ''نیک باتیں تم کو کرنی چاہئیں۔''

اسم فاعل

قبل اس کے کہ ہم اسم فاعل کی تعریف لکھیں یہ بیان کر دینا ضرور ہے کہ ایک فاعل ہوتا

ہے ایک اسم فاعل اور دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ فاعل تو اس کو کہتے ہیں جس سے فعل سرزد ہو۔

جیسے زید نے کھانا کھایا اس جملے میں کھانے کا فعل زید سے وقوع میں آیا ہے۔ اور اسم فعل کا فاعل ہے۔ تو ہم زید کو فاعل کہیں گے اسم فاعل نہیں کہیں گے لیکن اس فعل کے تعلق سے جو نام لے کر فاعل کو پکاریں اس کو اسم فاعل کہتے ہیں۔ مثلاً زید نے کھانا کھایا میں زید کھانے والے کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس کھانے والا اسم فاعل ہے۔ اسی طرح پڑھنے والا۔ لکھنے والا۔ آنے والا۔ جانے والا۔ سب اسم فاعل ہیں۔

اہل قواعد اسم فاعل کی تعریف عموماً اس طرح کرتے ہیں کہ وہ ایک اسم مشتق ہوتا ہے اور اس ذات پر دلالت کرتا ہے۔ جس سے وہ فعل صادر ہو۔

قاعدہ:

اسم فاعل مصدر سے بنایا جاتا ہے۔ اس طرح سے کہ علامت مصدر کے الف کو یائے مجہول سے بدل کر لفظ والا زیادہ کرتے ہیں۔ جمع مذکر میں والا کا الف یائے مجہول سے اور واحد مونث میں یائے معروف سے بدل دیا جاتا ہے۔ جمع مونث میں واحد مونث پر الف و نون غنہ زیادہ کیا جاتا ہے جیسے کرنے والا کرنے والے۔ کرنے والی۔ کرنے والیاں۔

فائدہ:

عربی کے سینکڑوں اسم فاعل اردو میں مستعمل ہیں جیسے حاضر۔ ناظر۔ قادر۔ نادر۔ حاکم۔ سالم۔ ناظم۔ ظالم عابد زاہد شاہد غائب غالب واقف عارف۔ لائق۔ شائق۔ فائق۔ ناصر۔ بالغ عالم عامل شامل کامل خائن ضامن خالق رازق واثق حافظ وارث والد قاہر۔ ناشر صابر شاکر حاصل باطل ثابت خادم جائز جابر طالب صادر وارد کافر۔ قاتل۔ حامل۔ تائب ناطق۔ واقع۔ دافع۔ قائم دائم کافی حامی وغیرہ۔

عربی کا جو لفظ فاعل کے وزن پر آئے اسے اسم فاعل سمجھو مگر چونکہ عربی میں مصدر کئی طرح کے ہیں۔ اس لیے ان کے اسم فاعل بھی کئی طرح کے ہیں اور سب میں (باستثنائے وزن فاعل) پہلا حرف ہمیشہ میم مضموم اور ماقبل آخر مکسور ہوتا ہے جیسے مظہر۔ محسن۔ منعم۔

مشفق۔ منعم۔ مومن۔ مسلم۔ مشرک۔ مرشد۔ موجد۔ منصف۔ مشکل۔ متکبر۔ متحمل۔ متوجہ۔ متصرف۔ مترصد۔

متوقف۔ متواضع۔ متساوی۔ متعارف۔ معاہد۔ مقابل۔ مناسب۔ موافق۔ مطابق۔ متصل۔ مشتہر۔ معترض۔ محترز۔ مجتنب۔ ملتجی۔ ملتمس۔ معتقد۔ مستعد۔ منفعل۔ منجمد۔ مدبر۔ محرک۔ موئید۔ موحد اور اگر ماقبل آخر حرف علت ہو تو اس سے پہلا حرف مکسور ہوتا ہے جیسے مشیر۔ مرید۔ منیب۔ مطیع۔ مقیم۔ مفید۔ مستفید۔ مستفیض۔ مستقیم۔ مستطیل وغیرہ۔ اور اگر حرف آخر مشدد ہو تو پہلا حرف مفتوح ہوتا ہے جیسے منجر۔ منضم۔ منفک۔

تنبیہ

بعض لوگ بعض عربی اسم فاعل کے تلفظ میں نہایت مکروہ غلطی کرتے ہیں۔ یعنی جن مصادر کا حرف ماقبل آخر مضموم ہوتا ہے۔ ان کے اسم فاعل کے حرف ماقبل آخر کو بھی مضموم بولتے ہیں۔ مثلاً توجہ اور تواضع کہ جیم اور ضاد کے پیش سے ہیں۔ ان کے اسم فاعل بھی بضم جیم وضاد یعنی متوجہ اور متواضع بولتے ہیں۔

بعض فارسی اسم فاعل بھی اردو میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ جیسے چرندو پرندہ فارسی کے اسم فاعل ترکیبی تو بہت سے اردو میں مستعمل ہیں۔ ان کی بحث علیحدہ لکھی جائے گی۔

فائدہ:

عربی میں پیشے کے تعلق سے جو لقب پیشہ وروں کو دیئے جاتے ہیں وہ مشتق ہوتے ہیں اور اکثر عربی کے اسم مبالغہ کے وزن پر آتے ہیں۔ جیسے خیاط (درزی) نجار (بڑھئی) صباغ (رنگریز) بزاز (پارچہ فروش) اسی طرح دلال۔ حجام۔ فصاد۔ جراح۔ خواجہ حالی نے چند پیشہ وروں کے نام اس بند میں جمع کیے ہیں۔

حکومت ملی ان کو صفار[1] تھے جو ۔۔۔ امامت کو پہنچے وہ قصار[2] تھے جو
وہ قطب زماں ٹھیرے عطار تھے جو ۔۔۔ بنے مرجع خلق نجار تھے جو

---

[1] ٹھیرا [2] دھوبی

ابو الفضل یاں اٹھے سراج[1] کہئے

واہ ابو الوقت ہو گزرے حلاج[2] کہئے

مگر اردو میں پیشے کا نام اور ہوتا ہے پیشہ ور کا لقب کچھ اور مثلاً حجامت بنانے والے کو نائی کہتے ہیں۔ کپڑا سینے والے کو درزی۔ سبزی بیچنے والے کو کنجڑا۔ کپڑا بننے والے کو جولاہا۔ لکڑی کا کام کرنے والے کو بڑھئی۔ مٹی کے باسن بنانے والے کو کمہار۔ علیٰ ہذالقیاس۔ البتہ دھوبی میں کپڑے دھونے کی علامت پائی جاتی ہے۔ لہار اور سنار بھی کسی قدر اپنے اپنے پیشوں کا اظہار کر رہے ہیں۔

اسم مفعول

جس طرح فاعل اور اسم فاعل میں فرق بیان ہوا۔ اسی طرح مفعول اور اسم مفعول میں فرق ہے یعنی مفعول تو وہ ہے جس پر فعل واقع ہو۔ جیسے زید نے عمرو کو مارا اس جملے میں عمرو مفعول ہے کیونکہ اس پر فعل واقع ہوا۔ مگر اس فعل کے تعلق سے جو نام لے کر مفعول کو پکاریں اس کو اسم مفعول کہتے ہیں۔ جیسے زید نے عمرو کو مارا میں عمرو کو مار کھایا ہوا کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ تو مار کھایا ہوا اسم مفعول ہے۔ اسی طرح دیا ہوا۔ لیا ہوا۔ کھایا ہوا۔ پیا ہوا۔

عام طور پر اسم مفعول کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ اسم مفعول ایک اسم مشتق ہوتا ہے اور اس ذات پر دلالت کرتا ہے جس پر فعل واقع ہو۔

قاعدہ:

صیغہ ماضی مطلق پر لفظ ہوا لگا دو اسم مفعول بن جائے گا۔ جیسے پالا ہوا۔ لیا ہوا۔ جمع اور

---

[1] زین ساز (فائدہ) اس مقام پر یہ بیان کر دینا مناسب ہے کہ پنجاب کے بعض اضلاع میں جو ایک قوم کا نام سراج (بہ تخفیف را) مشہور ہے اور جو لوگ جوتا بنانے کا کام کرتے ہیں وہ بھی سراج ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے بزرگ زین سازی کا کام کرتے ہوں گے اسی سے وہ سراج کہلائے بعد میں یہ لوگ جوتا بنانے کا کام کرنے لگے چونکہ زین سازی کے سبب سراج کا لقب مشہور ہو چکا تھا اس لیے اب بھی سراج کہلاتے ہیں گو جوتا بنانے کا کام کرتے ہیں اور اب بھی بہت سے لوگ اپنا آبائی پیشہ زین سازی کرتے ہیں۔

[2] دھنیا

کے صیغوں میں ہوا کا الف بھی اسم فاعل کے الف کی طرح بدل جاتا ہے یعنی جمع مذکر
میں یائے مجہول سے اور واحد مونث میں یائے معروف سے جمع مونث میں واحد مونث پر نون
غنہ بھی زیادہ کیا جاتا ہے۔ جیسے پالے ہوئے۔ پالی ہوئی۔ پالی ہوئیں۔
کبھی ہوا کی جگہ گیا لگاتے ہیں۔ جیسے لایا گیا۔ مارا گیا۔
عربی کے بہت سے اسم مفعول بھی اردو میں مستعمل ہیں۔ جیسے معلوم۔ مقتول۔
مجروح۔ مظلوم معبود۔ محمود۔ مشہور۔ منظور۔ محجوب۔ مرغوب۔ مردود۔ مقبول۔ مشغول۔
مغموم۔ مخزون موقوف۔ معقول۔ موصوف۔ مصروف۔ مرحوم۔ مرقوم۔ مخدوم۔
جو عربی لفظ مفعول کے وزن پر آئے اسے اسم مفعول سمجھنا چاہیے۔ مگر اسم فاعل کی طرح
اسم مفعول کی بھی بہت سی صورتیں ہیں اور سب میں بہ استثنائے وزن مفعول کا پہلا حرف ہمیشہ
میم مضموم اور ماقبل آخر مفتوح ہوتا ہے۔ جیسے مکرم۔ معظم۔ مسلم۔ مقدم۔ مستحکم۔ ملزم۔ مدعی۔
مستثنیٰ۔ مجتبیٰ۔ وغیرہ۔
اور اگر ماقبل آخر حرف علت ہو تو اس سے پہلا حرف مفتوح ہوتا ہے جیسے مدام مراد
وغیرہ فارسی اسم مفعول بھی اردو میں استعمال کیے جاتے ہیں جیسے آشفتہ۔ آزردہ۔ کشتہ۔
رنجیدہ۔ شیفتہ۔ فریفتہ۔ گرویدہ وغیرہ۔
اسم مفعول فعل متعدی سے آتا ہے کبھی فعل لازم سے بھی آجاتا ہے۔ جیسے آیا ہوا۔ گیا
ہوا۔ اٹھا ہوا۔ بیٹھا ہوا وغیرہ۔
بعضوں نے اس خیال سے کہ اسم مفعول فعل لازم سے نہیں آنا چاہیے۔ اس قسم کے
صیغوں کو صفت مشبہ قرار دیا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک یہ تکلف اور تحکم ہے۔ کیونکہ صفت☆
مشبہ ایک قسم کا اسم فاعل ہوتا ہے اور یہ اسم مفعول کے صیغے ہیں مع ہذا صفت مشبہ میں وصف
ذاتی پایا جاتا ہے آیا ہوا اور گیا ہوا سے وصف ذاتی نہیں سمجھا جاتا۔ پس چونکہ ان پر صفت مشبہ
کی تعریف صادق نہیں آتی۔ اس لیے ان کو اسم مفعول ہی کہنا چاہیے۔ جب بعض لازم فعلوں
کے مفعول ہوتے ہیں۔ اور ان کو مفعول تسلیم کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ فعل کی بحث میں بیان ہوا تو
ایسے افعال کے اسم مفعول کیوں نہ ہوں اور ان کو اسم مفعول کہنے میں کیوں تامل ہو۔

☆ صفت مشبہ اور اسم فاعل میں جو فرق ہے صفت مشبہ کی بحث میں بیان کیا جائے گا۔

فائدہ:

بعض اسم مفعول اسم فاعل یا صفت مشبہ کے معنی دیتے ہیں جیسے پڑھا لکھا مرد، پڑی ہوئی عورت۔

اسم فاعل سماعی اور ترکیبی

بعض مشتق الفاظ ایسے ہیں کہ اسم فاعل کے صیغوں کے وزن پرنہیں ہیں لیکن اسم فاعل کے معنی دیتے ہیں ان کو اسم فاعل سماعی کہتے ہیں جیسے چور۔ چوٹا (چوری کرنے والا) لٹیرا (لوٹنے والا) چرواہا (چرنے والا) جوتا (بواؤ مجہول جوتنے والا) لیوا (لینے والا) یہ لفظ عموماً لفظ نام کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے۔

میر انشاء اللہ خاں

بچپن۔ اکڑ۔ چھب۔ نگاہ۔ سج۔ دھج۔ جمال۔ طرز۔ خرام آٹھوں
نہ دیں اس بت کے گر پجاری تو کیوں ہو میلے کا نام آٹھوں

کبھی دو لفظ مل کر فاعلی معنی دیتے ہیں جیسے راہ چلتا (راہ چلنے والا) دودھ پیتا (دودھ پینے والا یعنی شیر خوار) بے چین۔ بے قرار۔ بے جوڑ۔ بے سمجھ۔ ایسے الفاظ اسم فاعل ترکیبی کہلاتے ہیں۔

لفظ ہار بھی اسم فاعل کے معنوں کا افادہ کرتا ہے۔ یہ لفظ مصدر کے ساتھ آتا اور علامت مصدر کا الف حذف ہو جاتا ہے۔ جیسے ہون ہار۔ مرن ہار۔

واضح رہے کہ اسم فاعل ترکیبی کو سماعی کہہ سکتے ہیں۔ سماعی کو ترکیبی نہیں کہہ سکتے کیونکہ سماعی کا اطلاق مفرد اور مرکب دونوں طرح کے اسم فاعل پر ہو سکتا ہے۔ ترکیبی کا صرف اس پر جو مرکب ہو۔ فارسی کے بہت سے اسم فاعل ترکیبی اور سماعی اردو میں بے تکلف بولے جاتے ہیں مثلاً راہ گیر۔ راہ رو۔ کارساز۔ بندہ نواز۔ دل کشا۔ روح افزا۔ دانا۔ بینا۔ مالا مال۔ رنگا رنگ۔ پرہیز گار۔ خدمت گار۔ عقلمند۔ خداوند۔ زور آور جانور۔ سخنور۔ نامور۔ مزدور۔ غمناک۔ ساربان۔ خریدار۔ مشعلچی۔ خزانچی۔ سردختر۔ سرگروہ۔ سرسبز۔ ناکارہ۔ خدادوست۔

عالی ہمت۔ سیر چشم۔ نیک خصال۔ بدشکل۔ بدوضع۔ بدقسمت۔ بدنصیب۔ خوش طبع۔ گمراہ۔ ناہنجار۔ ناگوار۔ ناپاک۔ ناروا۔ بے دین۔ بے ایمان۔ بے شعور۔ بے خبر۔ بے پروا۔ بے نیاز۔ بیچارہ۔ بے انصاف۔ ہم عمر۔ ہمراز۔ ہمراہ۔ ہم وطن۔ ہم مکتب۔ ہمسایہ۔ ہمپایہ۔ خودغرض۔ خودمطلب۔ ان میں کوئی اسم فاعل کے معنی دیتا ہے کوئی صفت مشبہ کے۔

اسم مفعول سماعی اور ترکیبی

بعض مشتق الفاظ ایسے ہیں کہ صیغہ اسم مفعول کے وزن پر نہیں ہیں۔ لیکن اسم مفعول کے معنی دیتے ہیں۔ ان کو اسم مفعول سماعی کہتے ہیں جیسے بیاہتا عورت۔

جس طرح اردو میں فارسی اسم فاعل ترکیبی اور سماعی کے صیغے مستعمل ہیں اسی طرح اسم مفعول ترکیبی کے صیغے بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ جیسے خدا ساز۔ شاہ نواز۔ پاانداز۔ گرفتار۔ دل پذیر۔ شاہزادہ۔ نازپروردہ وغیرہ۔

اسم معاوضہ

جو کسی خدمت یا محنت کے معاوضے کا نام ہو۔

قاعدہ:

مصدر متعدی بلاواسطہ اور متعدی المتعدی سے علامت مصدر حذف کر کے لفظ ئی (بہ ہمزہ مکسور و یائے معروف) لگاتے ہیں جیسے رنگائی۔ دھلائی۔ سلائی۔ پکوائی۔ وغیرہ۔ فسانہ آزاد میں ایک ظریف کہتا ہے۔ قطعہ

حجامت بنانے کو آیا تھا نائی	حجامت بناتے ہی مانگی رضائی
مثل مجھ کو اس وقت یہ یاد آئی	کہ دمڑی کی بڑھیا ٹکا سر منڈائی

مصدر متعدی بالواسطہ سے بھی بطریق مذکور اسم معاوضہ آتا ہے۔ لیکن کم اور مصادر لازم اور مصادر متعدی بنفسہ سے کبھی بھی نہیں آتا۔

حاصل مصدر

جو لفظ کسی ایسی کیفیت کو ظاہر کرے جو کسی چیز کا اثر و نتیجہ ہو تو اس کو حاصل مصدر کہتے ہیں جیسے جلنا سے جلن تڑپنا سے تڑپ۔

معلوم رہے کہ ہر ایک مصدر کا حاصل مصدر نہیں ہوتا اور نہ حاصل مصدر بنانے کا کوئی قاعدہ کلیہ ہے۔ عموماً مصدر میں بعد حذف علامت مصدر کچھ تغیر کر کے حاصل مصدر بناتے ہیں۔ جیسے گھومنا۔ بچنا۔ بہنا۔ چڑھنا سے۔ گھماؤ۔ بچاؤ۔ بہاؤ۔ چڑھاؤ۔ گھبرانا سے گھبراہٹ ملنا سے ملاپ۔ تھکنا سے تھکن۔ جلنا سے جلن۔ اور جلاپا۔ بکنا سے بکواس۔ ہنسنا سے ہنسی۔ بکنا سے بکری۔ بننا۔ رکنا۔ لگنا۔ ملنا سے بناوٹ بناؤ۔ رکاوٹ لگاؤ۔ لاگ۔ لگاوٹ۔ ملاوٹ۔ بہلنا۔ پہننا سے بہلاوا۔ پہناوا۔ سمانا سے سمائی۔ لوٹنا سے لوٹ اور لٹس۔

کبھی ماضی حاصل مصدر کا کام دیتی ہے جیسے جھگڑا اور کہا۔ ''اس سے جھگڑا مت کرو۔'' ہمارا کہا مان لو۔

کبھی امر سے حاصل مصدر کا کام لیتے ہیں۔ جیسے تڑپنا سے تڑپ۔ چمکنا سے چمک۔ بولنا سے بول۔ مارنا سے مار۔ پہچاننا سے پہچان۔ پہنچنا سے پہنچ۔ بگاڑنا سے بگاڑ۔ سنوارنا سے سنوار۔ اونگھنا سے اونگھ۔ دوڑنا سے دوڑ۔ بھاگنا سے بھاگ۔

کبھی تکرار امر (یعنی دو امروں) سے جیسے بک بک (بکنا سے)

کبھی دو مختلف امروں سے جیسے جان پہچان (جاننا اور پہچاننا سے)

کبھی مصدر کچھ ہوتا ہے۔ حاصل مصدر کچھ۔ جیسے (سونا سے نیند)

کبھی مصدر کے آخر سے الف حذف کر کے حاصل مصدر بناتے ہیں۔ جیسے دینا سے دین۔ لینا سے لین شعر

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال — کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

میرا اپنا جدا معاملہ ہے — اور کی لین دین سے کیا کام

غرض تمام حاصل مصدر سماعی ہیں قیاسی نہیں اور اسی لیے ان کے بنانے کا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں۔

...آمد کبھی اسم پر پن لگا کر۔ جیسے احمق پن۔ بیہودہ پن۔ گنوار پن۔ کبھی لفظ پت لگا کر جیسے
کنوار پت۔ مگر حقیقت میں یہ الفاظ اسموں پر زیادہ نہیں کیے گئے بلکہ احمق ہونا۔ بیہودہ ہونا۔
کنوار ہونا سے ہونا کو حذف کر کے زیادہ کیے گئے ہیں۔ کنوار پت میں ہونا کے علاوہ ایک اور
حرف بھی گرایا گیا ہے۔ یعنی کنوارا ہونے کی حالت میں الف اور کنواری ہونے کی حالت میں
یائے معروف۔

فارسی کے بہت سے حاصل مصدر اردو میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ جیسے دانش بینش۔
نازش۔ نازش۔ گزارش۔ بخشش۔ آمیزش۔ آزمائش۔ سوزش۔ جوش۔ خروش۔ دانائی۔
بینائی۔ رسائی۔ توانائی۔ ناز۔ انداز۔ پرواز۔ پندار۔ شکن۔ شگاف۔ گریہ۔ زیست۔
دریافت۔ برداشت۔ بازگشت۔ پیش رفت۔ فروگذاشت۔ جستجو۔ گفتگو۔ آمدورفت۔ خرید و
فروخت۔ نشست و برخاست۔ زدوکوب۔ پیچ و تاب۔ سوز و گداز۔ کشمکش۔ خواہ مخواہ۔
کشاکش۔ دسترس۔ قدم بوس۔ دیدار۔ رفتار۔ گفتار وغیرہ۔

بہت سے حاصل مصدر ہیں کہ مرزا رفیع سودا کی طبع جدت طراز کا نتیجہ ہیں اور بہت کم
مستعمل ہیں۔ جیسے پڑھنت۔ اکڑنت۔ لڑنت۔ پھڑکنت۔ پٹنت۔ وغیرہ۔

اسم حالیہ

وہ اسم ہے جو فاعل یا مفعول کی حالت ظاہر کرے۔

قاعدہ:

مصدر کی علامت نا تا سے بدل دیتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ اسم حالیہ کا صیغہ ماضی شرطی کی
صورت پر آتا ہے۔ جیسے حامد مسکراتا جاتا تھا۔ یعنی مسکرانے کی حالت میں جا رہا تھا۔
جمع مذکر میں اسم حالیہ کے آخر کا الف یائے مجہول سے اور واحد مونث میں یائے
معروف سے بدل جاتا ہے۔ جمع مونث میں معروف کے ساتھ نون غنہ بھی زیادہ کیا جاتا
ہے۔ جیسے مسکراتے۔ مسکراتی۔ مسکراتیں۔
کبھی لفظ ہوا بھی زیادہ کر دیتے ہیں جیسے خالد مسکراتا ہوا جاتا تھا جمع اور مونثات میں ہوا
کا الف بھی صیغے کے آخر کے الف کی طرح یائے مجہول اور معروف سے بدل جاتا ہے لیکن

صیغہ جمع مونث میں نون غنہ لفظ ہوئیں میں ہوتا ہے۔ اصل صیغہ میں نہیں ہوتا۔ جیسے مسکراتے ہوئے۔ مسکراتی ہوئی۔ مسکراتی ہوئیں۔

فائدہ:

جب اسم حالیہ فعل لازم کے فاعل واحد سے حال پڑے تو اس میں کچھ تغیر نہیں ہوتا جیسے زید ہنستا جاتا تھا۔ یا ہنستا ہوا جاتا تھا۔ اور جب مکرر ہو تو ہوا کا لفظ نہیں آتا۔ جیسے

بیت

یہی جی میں آیا کہ گھر سے نکل ٹہلتا ٹہلتا ذرا باغ چل

اگر متعدی فعل کے فاعل سے حال واقع ہو تو مکرر ہوگا۔ اور آخر کا الف یائے مجہول سے بدل جائے گا۔ جیسے شعر

ہنستے ہنستے تو کیا قتل گنہگاروں کو رو دیا دیکھ کے جلاد نے زنداں خالی

لیکن اگر ہوا کا لفظ ساتھ ہو تو مکرر نہیں ہوگا۔ اور ہوا کا الف بھی یائے مجہول سے بدل جائے گا جیسے زید نے عمرو سے ہنستے ہوئے کہا۔ اگر مفعول سے حال پڑے تو الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے لیکن مکرر نہیں آتا جیسے مصرع

دور ساغر نہ ترے عہد میں چلتے دیکھا

فارسی اسم حالیہ بھی اردو میں مستعمل ہیں جیسے افتاں۔ خیزاں۔ گریاں۔ خنداں۔ بیت

گر افتاں و خیزاں سدھارے بھی اب ہم تو پہنچے بھلا جا کے منزل پہ کب ہم

مشتقات کی بحث ختم ہوئی لیکن طلبا کی مشق کے لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس مقام پر مشہور اور کثیر الاستعمال مصادر اور ان کے استعمال ماضی مطلق اور مضارع اور حال اور مستقبل اور امر اور نہی کا ایک ایک صیغہ بھی لکھ دیں۔

مصدر	ماضی مطلق	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی

الف

آنا	آیا	آئے	آتا ہے	آئے گا	آ	نہ آ۔ مت آ
آزمانا	آزمایا	آزمائے	آزماتا ہے	آزمائے گا	آزما	نہ آزما۔ مت آزما
ابلنا	ابلا	ابلے	ابلتا ہے	ابلے گا	ابل	نہ ابل۔ مت ابل
ابالنا	ابالا	ابالے	ابالتا ہے	ابالے گا	ابال	نہ ابال۔ مت ابال
ابھرنا	ابھرا	ابھرے	ابھرتا ہے	ابھرے گا	ابھر	نہ ابھر۔ مت ابھر
ابھارنا	ابھارا	ابھارے	ابھارتا ہے	ابھارے گا	ابھار	نہ ابھار۔ مت ابھار
اپھرنا	اپھرا	اپھرے	اپھرتا ہے	اپھرے گا	اپھر	نہ اپھر۔ مت اپھر
اترنا	اترا	اترے	اترتا ہے	اترے گا	اتر	نہ اتر۔ مت اتر
اتارنا	اتارا	اتارے	اتارتا ہے	اتارے گا	اتار	نہ اتار۔ مت اتار
اتروانا	اتروایا	اتروائے	اترواتا ہے	اتروائے گا	اتروا	نہ اتروا۔ مت اتروا
اترانا	اترایا	اترائے	اتراتا ہے	اترائے گا	اترا	نہ اترا۔ مت اترا
اٹنا	اٹا	اٹے	اٹتا ہے	اٹے گا	اٹ	نہ اٹ۔ مت اٹ
اٹکنا	اٹکا	اٹکے	اٹکتا ہے	اٹکے گا	اٹک	نہ اٹک۔ مت اٹک
اٹکانا	اٹکایا	اٹکائے	اٹکاتا ہے	اٹکائے گا	اٹکا	نہ اٹکا۔ مت اٹکا
اٹھنا	اٹھا	اٹھے	اٹھتا ہے	اٹھے گا	اٹھ	نہ اٹھ۔ مت اٹھ
اٹھانا	اٹھایا	اٹھائے	اٹھاتا ہے	اٹھائے گا	اٹھا	نہ اٹھا۔ مت اٹھا
اٹھوانا	اٹھوایا	اٹھوائے	اٹھواتا ہے	اٹھوائے گا	اٹھو	نہ اٹھو۔ مت اٹھو
اڑنا	اڑا	اڑائے	اڑتا ہے	اڑے گا	اڑ	نہ اڑ۔ مت اڑ
اڑانا	اڑایا	اڑائے	اڑاتا ہے	اڑائے گا	اڑا	نہ اڑا۔ مت اڑا
اڑنا	اڑا	اڑے	اڑتا ہے	اڑے گا	اڑ	نہ اڑ۔ مت اڑ

اڑانا	اڑایا	اڑائے	اڑاتا ہے	اڑائے گا	اڑا	نہ اڑا۔ مت اڑا
اکسانا	اکسایا	اکسائے	اکساتا ہے	اکسائے گا	اکسا	نہ اکسا۔ مت اکسا
اُگنا	اُگا	اُگے	اُگتا ہے	اُگے گا	اُگ	نہ اُگ۔ مت اُگ
اگانا	اگایا	اگائے	اگاتا ہے	اگائے گا	اگا	نہ اگا۔ مت اگا
الجھنا	الجھا	الجھے	الجھتا ہے	الجھے گا	الجھ	نہ الجھ۔ مت الجھ
الجھانا	الجھایا	الجھائے	الجھاتا ہے	الجھائے گا	الجھا	نہ الجھا۔ مت الجھا
اونگھنا	اونگھا	اونگھے	اونگھتا ہے	اونگھے گا	اونگھ	نہ اونگھ۔ مت اونگھ
اینٹھنا	اینٹھا	اینٹھے	اینٹھتا ہے	اینٹھے گا	اینٹھ	نہ اینٹھ۔ مت اینٹھ

ب☆

☆ان مصادر کی تربیت بلحاظ ترتیب حروف تہجی ہے۔ اسی واسطے لازم کہیں ہے اور متعدی کہیں اور متعدی المتعدی کہیں۔ باندھنا متعدی ہے اور ردیف ب میں سب سے پہلے آیا ہے۔ بندھنا جو اس کا لازم ہے وہ ردیف کے آخر میں بندھنا وغیرہ کے ساتھ ہے۔ اسی طرح بکنا کہیں ہے اور بیچنا کہیں اور بجھوانا کہیں اور بھیجنا کہیں۔

باندھنا	باندھا	باندھے	باندھتا ہے	باندھے گا	باندھ	نہ باندھ۔ مت باندھ
بانٹنا	بانٹا	بانٹے	بانٹتا ہے	بانٹے گا	بانٹ	نہ بانٹ۔ مت بانٹ
بتانا	بتایا	بتائے	بتاتا ہے	بتائے گا	بتا	نہ بتا۔ مت بتا
بٹھانا	بٹھایا	بٹھائے	بٹھاتا ہے	بٹھائے گا	بٹھا	نہ بٹھا۔ مت بٹھا
بجنا	بجا	بجے	بجتا ہے	بجے گا	بج	نہ بج۔ مت بج
بجانا	بجایا	بجائے	بجاتا ہے	بجائے گا	بجا	نہ بجا۔ مت بجا
بجھنا	بجھا	بجھے	بجھتا ہے	بجھے گا	بجھ	نہ بجھ۔ مت بجھ
بجھانا	بجھایا	بجھائے	بجھاتا ہے	بجھائے گا	بجھا	نہ بجھا۔ مت بجھا
بچنا	بچا	بچے	بچتا ہے	بچے گا	بچ	نہ بچ۔ مت بچ
بچانا	بچایا	بچائے	بچاتا ہے	بچائے گا	بچا	نہ بچا۔ مت بچا

بچھنا	بچھا	بچھے	بچھتا ہے	بچھے گا	بچھ	نہ بچھ۔ مت بچھ
بچھانا	بچھایا	بچھائے	بچھاتا ہے	بچھائے گا	بچھا	نہ بچھا۔ مت بچھا
بخشنا	بخشا	بخشے	بخشتا ہے	بخشے گا	بخش	نہ بخش۔ مت بخش
بخشنا	بخشا	بخشے	بخشتا ہے	بخشے گا	بخش	نہ بخش۔ مت بخش
بخشوانا	بخشوایا	بخشوائے	بخشواتا ہے	بخشوائے گا	بخشوا	نہ بخشوا۔ مت بخشوا
بدلنا	بدلا	بدلے	بدلتا ہے	بدلے گا	بدل	نہ بدل۔ مت بدل
بدلوانا	بدلوایا	بدلوائے	بدلواتا ہے	بدلوائے گا	بدلوا	نہ بدلوا۔ مت بدلوا
برتنا	برتا	برتے	برتتا ہے	برتے گا	برت	نہ برت۔ مت برت
برسنا	برسا	برسے	برستا ہے	برسے گا	برس	نہ برس۔ مت برس
برسانا	برسایا	برسائے	برساتا ہے	برسائے گا	برسا	نہ برسا۔ مت برسا
بڑھنا	بڑھا	بڑھے	بڑھتا ہے	بڑھے گا	بڑھ	نہ بڑھ۔ مت بڑھ
بڑھانا	بڑھایا	بڑھائے	بڑھاتا ہے	بڑھائے گا	بڑھا	نہ بڑھا۔ مت بڑھا
بڑبڑانا	بڑبڑایا	بڑبڑائے	بڑبڑاتا ہے	بڑبڑائے گا	بڑبڑا	نہ بڑبڑا۔ مت بڑبڑا
بسنا	بسا	بسے	بستا ہے	بسے گا	بس	نہ بس۔ مت بس
بسانا	بسایا	بسائے	بساتا ہے	بسائے گا	بسا	نہ بسا۔ مت بسا
بکھرنا	بکھرا	بکھرے	بکھرتا ہے	بکھرے گا	بکھر	نہ بکھر۔ مت بکھر
بکھیرنا	بکھیرا	بکھیرے	بکھیرتا ہے	بکھیرے گا	بکھیر	نہ بکھیر۔ مت بکھیر
بکنا	بکا	بکے	بکتا ہے	بکے گا	بک	نہ بک۔ مت بک
بکنا	بکا	بکے	بکتا ہے	بکے گا	بک	نہ بک۔ مت بک
بکوانا	بکوایا	بکوائے	بکواتا ہے	بکوائے گا	بکوا	نہ بکوا۔ مت بکوا
بگڑنا	بگڑا	بگڑے	بگڑتا ہے	بگڑے گا	بگڑ	نہ بگڑ۔ مت بگڑ
بگاڑنا	بگاڑا	بگاڑے	بگاڑتا ہے	بگاڑے گا	بگاڑ	نہ بگاڑ۔ مت بگاڑ

بلانا	بلایا	بلائے	بلاتا ہے	بلائے گا	بلا	نہ بلا۔ مت بلا
بلکنا	بلکا	بلکے	بلکتا ہے	بلکے گا	بلک	نہ بلک۔ مت بلک
بلوانا	بلوایا	بلوائے	بلواتا ہے	بلوائے گا	بلوا	نہ بلوا۔ مت بلوا
بلونا	بلویا	بلوئے	بلوتا ہے	بلوئے گا	بلو	نہ بلو۔ مت بلو
بلبلانا	بلبلایا	بلبلائے	بلبلاتا ہے	بلبلائے گا	بلبلا	نہ بلبلا۔ مت بلبلا
بننا	بنا	بنے	بنتا ہے	بنے گا	بن	نہ بن۔ مت بن
بنانا	بنایا	بنائے	بناتا ہے	بنائے گا	بنا	نہ بنا۔ مت بنا
بنوانا	بنوایا	بنوائے	بنواتا ہے	بنوائے گا	بنوا	نہ بنوا۔ مت بنوا
بننا	بنا	بنے	بنتا ہے	بنے گا	بن	نہ بن۔ مت بن
بنوانا	بنوایا	بنوائے	بنواتا ہے	بنوائے گا	بنوا	نہ بنوا۔ مت بنوا
بندھنا	بندھا	بندھے	بندھتا ہے	بندھے گا	بندھ	نہ بندھ۔ مت بندھ
بندھوانا	بندھوایا	بندھوائے	بندھواتا ہے	بندھوائے گا	بندھوا	نہ بندھوا۔ مت بندھوا
بونا	بویا	بوئے	بوتا ہے	بوئے گا	بو	نہ بو۔ مت بو
بوانا	بوایا	بوائے	بواتا ہے	بوائے گا	بوا	نہ بوا۔ مت بوا
بوجھنا	بوجھا	بوجھے	بوجھتا ہے	بوجھے گا	بوجھ	نہ بوجھ۔ مت بوجھ
بولنا	بولا	بولے	بولتا ہے	بولے گا	بول	نہ بول۔ مت بول
بہکنا	بہکا	بہکے	بہکتا ہے	بہکے گا	بہک	نہ بہک۔ مت بہک
بہنا	بہا	بہے	بہتا ہے	بہے گا	بہہ	نہ بہہ۔ مت بہہ
بہلنا	بہلا	بہلے	بہلتا ہے	بہلے گا	بہل	نہ بہل۔ مت بہل
بہلانا	بہلایا	بہلائے	بہلاتا ہے	بہلائے گا	بہلا	نہ بہلا۔ مت بہلا
بیٹھنا	بیٹھا	بیٹھے	بیٹھتا ہے	بیٹھے گا	بیٹھ	نہ بیٹھ۔ مت بیٹھ
بیچنا	بیچا	بیچے	بیچتا ہے	بیچے گا	بیچ	نہ بیچ۔ مت بیچ

بیلنا	بیلا	بیلے	بیلتا ہے	بیلے گا	بیل	نہ بیل۔ مت بیل
			بھ			
بھاگنا	بھاگا	بھاگے	بھاگتا ہے	بھاگے گا	بھاگ	نہ بھاگ۔ مت بھاگ
بھجوانا	بھجوایا	بھجوائے	بھجواتا ہے	بھجوائے گا	بھجوا	نہ بھجوا۔ مت بھجوا
بھرنا	بھرا	بھرے	بھرتا ہے	بھرے گا	بھر	نہ بھر۔ مت بھر
بھروانا	بھروایا	بھروائے	بھرواتا ہے	بھروائے گا	بھروا	نہ بھروا۔ مت بھروا
بھڑکنا	بھڑکا	بھڑکے	بھڑکتا ہے	بھڑکے گا	بھڑک	نہ بھڑک۔ مت بھڑک
بھگانا	بھگایا	بھگائے	بھگاتا ہے	بھگائے گا	بھگا	نہ بھگا۔ مت بھگا
بھگونا	بھگویا	بھگوئے	بھگوتا ہے	بھگوئے گا	بھگو	نہ بھگو۔ مت بھگو
بھلانا	بھلایا	بھلائے	بھلاتا ہے	بھلائے گا	بھلا	نہ بھلا۔ مت بھلا
بھنانا	بھنایا	بھنائے	بھناتا ہے	بھنائے گا	بھنا	نہ بھنا۔ مت بھنا
بھولنا	بھولا	بھولے	بھولتا ہے	بھولے گا	بھول	نہ بھوت۔ مت بھول
بھونکنا	بھونکا	بھونکے	بھونکتا ہے	بھونکے گا	بھونک	نہ بھونک۔ مت بھونک
بھونکنا	بھونکا	بھونکے	بھونکتا ہے	بھونکے گا	بھونک	نہ بھونک۔ مت بھونک
٭ بھونکنا: بالضم چبھونا، گھونپنا یہ لفظ چھری وغیرہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے چھری بھونکنا، بھالا بھونکنا						
بھیگنا	بھیگا	بھیگے	بھیگتا ہے	بھیگے گا	بھیگ	نہ بھیگ۔ مت بھیگ
بھیجنا	بھیجا	بھیجے	بھیجتا ہے	بھیجے گا	بھیج	نہ بھیج۔ مت بھیج
			پ			
پانا	پایا	پائے	پاتا ہے	پائے گا	پا	نہ پا۔ مت پا
پاٹنا	پاٹا	پاٹے	پاٹتا ہے	پاٹے گا	پاٹ	نہ پاٹ۔ مت پاٹ
پالنا	پالا	پالے	پالتا ہے	پالے گا	پال	نہ پال۔ مت پال

پچھڑانا	پچھڑایا	پچھڑائے	پچھڑاتا ہے	پچھڑائے گا	پچھڑا	نہ پچھڑا - مت پچھڑا
پچنا	پچا	پچے	پچتا ہے	پچے گا	پچ	نہ پچ - مت پچ
پٹنا	پٹا	پٹے	پٹتا ہے	پٹے گا	پٹ	نہ پٹ - مت پٹ
پٹانا	پٹایا	پٹائے	پٹاتا ہے	پٹائے گا	پٹا	نہ پٹا - مت پٹا
پٹوانا	پٹوایا	پٹوائے	پٹواتا ہے	پٹوائے گا	پٹوا	نہ پٹوا - مت پٹوا
پڑنا	پڑا	پڑے	پڑتا ہے	پڑے گا	پڑ	نہ پڑ - مت پڑ
پڑھنا	پڑھا	پڑھے	پڑھتا ہے	پڑھے گا	پڑھ	نہ پڑھ - مت پڑھ
پڑھانا	پڑھایا	پڑھائے	پڑھاتا ہے	پڑھائے گا	پڑھا	نہ پڑھا - مت پڑھا
پڑھوانا	پڑھوایا	پڑھوائے	پڑھواتا ہے	پڑھوائے گا	پڑھوا	نہ پڑھوا - مت پڑھوا
پسیجنا	پسیجا	پسیجے	پسیجتا ہے	پسیجے گا	پسیج	نہ پسیج - مت پسیج
پسنا	پسا	پسے	پستا ہے	پسے گا	پس	نہ پس - مت پس
پسوانا	پسوایا	پسوائے	پسواتا ہے	پسوائے گا	پسوا	نہ پسوا - مت پسوا
پکنا	پکا	پکے	پکتا ہے	پکے گا	پک	نہ پک - مت پک
پکانا	پکایا	پکائے	پکاتا ہے	پکائے گا	پکا	نہ پکا - مت پکا
پکوانا	پکوایا	پکوائے	پکواتا ہے	پکوائے گا	پکوا	نہ پکوا - مت پکوا
پکڑنا	پکڑا	پکڑے	پکڑتا ہے	پکڑے گا	پکڑ	نہ پکڑ - مت پکڑ
پکڑانا	پکڑایا	پکڑائے	پکڑاتا ہے	پکڑائے گا	پکڑا	نہ پکڑا - مت پکڑا
پکڑوانا	پکڑوایا	پکڑوائے	پکڑواتا ہے	پکڑوائے گا	پکڑوا	نہ پکڑوا - مت پکڑوا
پگھلانا	پگھلایا	پگھلائے	پگھلاتا ہے	پگھلائے گا	پگھلا	نہ پگھلا - مت پگھلا
پلانا	پلایا	پلائے	پلاتا ہے	پلائے گا	پلا	نہ پلا - مت پلا
پلوانا	پلوایا	پلوائے	پلواتا ہے	پلوائے گا	پلوا	نہ پلوا - مت پلوا
پلنا	پلا	پلے	پلتا ہے	پلے گا	پل	نہ پل - مت پل

پنپنا	پنپا	پنپے	پنپتا ہے	پنپے گا	پنپ	نہ پنپ۔ مت پنپ
پوجنا	پوجا	پوجے	پوجتا ہے	پوجے گا	پوج	نہ پوج۔ مت پوج
پوچھنا	پوچھا	پوچھے	پوچھتا ہے	پوچھے گا	پوچھ	نہ پوچھ۔ مت پوچھ
پہچاننا	پہچانا	پہچانے	پہچانتا ہے	پہچانے گا	پہچان	نہ پہچان۔ مت پہچان
پچھوانا	پچھوایا	پچھوائے	پچھواتا ہے	پچھوائے گا	پچھوا	نہ پچھوا۔ مت پچھوا
پہنچنا	پہنچا	پہنچے	پہنچتا ہے	پہنچے گا	پہنچ	نہ پہنچ۔ مت پہنچ
پہنچانا	پہنچایا	پہنچائے	پہنچاتا ہے	پہنچائے گا	پہنچا	نہ پہنچا۔ مت پہنچا
پہننا	پہنا	پہنے	پہنتا ہے	پہنے گا	پہن	نہ پہن۔ مت پہن
پہنانا	پہنایا	پہنائے	پہناتا ہے	پہنائے گا	پہنا	نہ پہنا۔ مت پہنا
پیسنا	پیسا	پیسے	پیستا ہے	پیسے گا	پیس	نہ پیس۔ مت پیس
پینا	پیا	پیئے	پیتا ہے	پیئے گا	پی	نہ پی۔ مت پی
پیلنا	پیلا	پیلے	پیلتا ہے	پیلے گا	پیل	نہ پیل۔ مت پیل

پھ

پھاڑنا	پھاڑا	پھاڑے	پھاڑتا ہے	پھاڑے گا	پھاڑ	نہ پھاڑ۔ مت پھاڑ
پھٹنا	پھٹا	پھٹے	پھٹتا ہے	پھٹے گا	پھٹ	نہ پھٹ۔ مت پھٹ
پھرنا	پھرا	پھرے	پھرتا ہے	پھرے گا	پھر	نہ پھر۔ مت پھر
پھرانا	پھرایا	پھرائے	پھراتا ہے	پھرائے گا	پھرا	نہ پھرا۔ مت پھرا
پھسلنا	پھسلا	پھسلے	پھسلتا ہے	پھسلے گا	پھسل	نہ پھسل۔ مت پھسل
پھسلانا	پھسلایا	پھسلائے	پھسلاتا ہے	پھسلائے گا	پھسلا	نہ پھسلا۔ مت پھسلا
پھکوانا	پھکوایا	پھکوائے	پھکواتا ہے	پھکوائے گا	پھکوا	نہ پھکوا۔ مت پھکوا
پھنسنا	پھنسا	پھنسے	پھنستا ہے	پھنسے گا	پھنس	نہ پھنس۔ مت پھنس

پھنسانا	پھنسایا	پھنسائے	پھنساتا ہے	پھنسائے گا	پھنسا	نہ پھنسا۔ مت پھ
پھبنا	پھبا	پھبے	پھبتا ہے	پھبے گا	پھب	نہ پھب۔ مت پھ
پھوڑنا	پھوڑا	پھوڑے	پھوڑتا ہے	پھوڑے گا	پھوڑ	نہ پھوڑ۔ مت پھ
پھولنا	پھولا	پھولے	پھولتا ہے	پھولے گا	پھول	نہ پھول۔ مت پھول
پھونکنا	پھونکا	پھونکے	پھونکتا ہے	پھونکے گا	پھونک	نہ پھونک۔ مت پھونک
پھیرنا	پھیرا	پھیرے	پھیرتا ہے	پھیرے گا	پھیر	نہ پھیر۔ مت پھیر
پھینکنا	پھینکا	پھینکے	پھینکتا ہے	پھینکے گا	پھینک	نہ پھینک۔ مت پھینک
پھیلنا	پھیلا	پھیلے	پھیلتا ہے	پھیلے گا	پھیل	نہ پھیل۔ مت پھیل
پھیلانا	پھیلایا	پھیلائے	پھیلاتا ہے	پھیلائے گا	پھیلا	نہ پھیلا۔ مت پھیلا

ت

تاپنا	تاپا	تاپے	تاپتا ہے	تاپے گا	تاپ	نہ تاپ۔ مت تاپ
تاکنا	تاکا	تاکے	تاکتا ہے	تاکے گا	تاک	نہ تاک۔ مت تاک
تاننا	تانا	تانے	تانتا ہے	تانے گا	تان	نہ تان۔ مت تان
تپنا	تپا	تپے	تپتا ہے	تپے گا	تپ	نہ تپ۔ مت تپ
تڑپنا	تڑپا	تڑپے	تڑپتا ہے	تڑپے گا	تڑپ	نہ تڑپ۔ مت تڑپ
تڑپانا	تڑپایا	تڑپائے	تڑپاتا ہے	تڑپائے گا	تڑپا	نہ تڑپا۔ مت تڑپا
تڑانا	تڑایا	تڑائے	تڑاتا ہے	تڑائے گا	تڑا	نہ تڑا۔ مت تڑا
تڑوانا	تڑوایا	تڑوائے	تڑواتا ہے	تڑوائے گا	تڑوا	نہ تڑوا۔ مت تڑوا
تکنا	تکا	تکے	تکتا ہے	تکے گا	تک	نہ تک۔ مت تک
تلنا	تلا	تلے	تلتا ہے	تلے گا	تل	نہ تل۔ مت تل
تلملانا	تلملایا	تلملائے	تلملاتا ہے	تلملائے گا	تلملا	نہ تلملا۔ مت تلملا

تلوانا	تلوایا	تلوائے	تلواتا ہے	تلوائے گا	تلوا	نہ تلوا۔ مت تلوا
تننا	تنا	تنے	تنتا ہے	تنے گا	تن	نہ تن۔ مت تن
توڑنا	توڑا	توڑے	توڑتا ہے	توڑے گا	توڑ	نہ توڑ۔ مت توڑ
تولنا	تولا	تولے	تولتا ہے	تولے گا	تول	نہ تول۔ مت تول
تیرنا	تیرا	تیرے	تیرتا ہے	تیرے گا	تیر	نہ تیر۔ مت تیر

تھ

تھامنا	تھاما	تھامے	تھامتا ہے	تھامے گا	تھام	نہ تھام۔ مت تھام
تھکنا	تھکا	تھکے	تھکتا ہے	تھکے گا	تھک	نہ تھک۔ مت تھک
تھکانا	تھکایا	تھکائے	تھکاتا ہے	تھکائے گا	تھکا	نہ تھکا۔ مت تھکا
تھمنا	تھما	تھمے	تھمتا ہے	تھمے گا	تھم	نہ تھم۔ مت تھم

ٹ

ٹالنا	ٹالا	ٹالے	ٹالتا ہے	ٹالے گا	ٹال	نہ ٹال۔ مت ٹال
ٹانکنا	ٹانکا	ٹانکے	ٹانکتا ہے	ٹانکے گا	ٹانک	نہ ٹانک۔ مت ٹانک
ٹپکنا	ٹپکا	ٹپکے	ٹپکتا ہے	ٹپکے گا	ٹپک	نہ ٹپک۔ مت ٹپک
ٹپکانا	ٹپکایا	ٹپکائے	ٹپکاتا ہے	ٹپکائے گا	ٹپکا	نہ ٹپکا۔ مت ٹپکا
ٹٹولنا	ٹٹولا	ٹٹولے	ٹٹولتا ہے	ٹٹولے گا	ٹٹول	نہ ٹٹول۔ مت ٹٹول
ٹوٹنا	ٹوٹا	ٹوٹے	ٹوٹتا ہے	ٹوٹے گا	ٹوٹ	نہ ٹوٹ۔ مت ٹوٹ
ٹرانا	ٹرایا	ٹرائے	ٹراتا ہے	ٹرائے گا	ٹرا	نہ ٹرا۔ مت ٹرا
ٹوکنا	ٹوکا	ٹوکے	ٹوکتا ہے	ٹوکے گا	ٹوک	نہ ٹوک۔ مت ٹوک
ٹہلنا	ٹہلا	ٹہلے	ٹہلتا ہے	ٹہلے گا	ٹہل	نہ ٹہل۔ مت ٹہل
ٹیکنا	ٹیکا	ٹیکے	ٹیکتا ہے	ٹیکے گا	ٹیک	نہ ٹیک۔ مت ٹیک

ٹھ

ٹھاننا	ٹھانا	ٹھانے	ٹھانتا ہے	ٹھانے گا	ٹھان	نہ ٹھان۔ مت ٹھان
ٹھرنا	ٹھرا	ٹھرے	ٹھرتا ہے	ٹھرے گا	ٹھر	نہ ٹھر۔ مت ٹھر
ٹھکرانا	ٹھکرایا	ٹھکرائے	ٹھکراتا ہے	ٹھکرائے گا	ٹھکرا	نہ ٹھکرا۔ مت ٹھکرا
ٹھونکنا	ٹھوکا	ٹھونکے	ٹھونکتا ہے	ٹھونکے گا	ٹھونک	نہ ٹھونک۔ مت ٹھونک
ٹھیرنا یا ٹھہرانا	ٹھیرا یا ٹھہرا	ٹھیرے یا ٹھہرے	ٹھیرتا ہے یا ٹھہرتا ہے	ٹھیرے گا یا ٹھہرے گا	ٹھیر یا ٹھہر	نہ ٹھیر۔ مت ٹھیر یا نہ ٹھہر۔ مت ٹھہر
ٹھیرانا یا ٹھہرانا	ٹھیرایا یا ٹھہرایا	ٹھیرائے یا ٹھہرائے	ٹھیراتا ہے یا ٹھہراتا ہے	ٹھیرائے گا یا ٹھہرائے گا	ٹھیرا یا ٹھہرا	نہ ٹھیرا۔ مت ٹھیرا۔ نہ ٹھہرا۔ مت ٹھہرا

ج

جانا	گیا	جائے	جاتا ہے	جائے گا	جا	نہ جا۔ مت جا
جاننا	جانا	جانے	جانتا ہے	جانے گا	جان	نہ جان۔ مت جان
جانچنا	جانچا	جانچے	جانچتا ہے	جانچے گا	جانچ	نہ جانچ۔ مت جانچ
جتانا	جتایا	جتائے	جتاتا ہے	جتائے گا	جتا	نہ جتا۔ مت جتا
جچنا	جچا	جچے	جچتا ہے	جچے گا	جچ	نہ جچ۔ مت جچ
جڑنا	جڑا	جڑے	جڑتا ہے	جڑے گا	جڑ	نہ جڑ۔ مت جڑ
جڑوانا	جڑوایا	جڑوائے	جڑواتا ہے	جڑوائے گا	جڑوا	نہ جڑوا۔ مت جڑوا
جڑنا	جڑا	جڑے	جڑتا ہے	جڑے گا	جڑ	نہ جڑ۔ مت جڑ
جڑوانا	جڑوایا	جڑوائے	جڑواتا ہے	جڑوائے گا	جڑوا	نہ جڑوا۔ مت جڑوا
جلنا	جلا	جلے	جلتا ہے	جلے گا	جل	نہ جل۔ مت جل

جلانا	جلایا	جلائے	جلاتا ہے	جلائے گا	جلا	نہ جلا۔ مت جلا
جلوانا	جلوایا	جلوائے	جلواتا ہے	جلوائے گا	جلوا	نہ جلوا۔ مت جلوا
جلانا	جلایا	جلائے	جلاتا ہے	جلائے گا	جلا	نہ جلا۔ مت جلا
جمنا	جما	جمے	جمتا ہے	جمے گا	جم	نہ جم۔ مت جم
جوڑنا	جوڑا	جوڑے	جوڑتا ہے	جوڑے گا	جوڑ	نہ جوڑ۔ مت جوڑ
جیتنا	جیتا	جیتے	جیتتا ہے	جیتے گا	جیت	نہ جیت۔ مت جیت
جینا	جیا	جیئے	جیتا ہے	جیئے گا	جی	نہ جی۔ مت جی

جھ

جھاڑنا	جھاڑا	جھاڑے	جھاڑتا ہے	جھاڑے گا	جھاڑ	نہ جھاڑ۔ مت جھاڑ
جھانکنا	جھانکا	جھانکے	جھانکتا ہے	جھانکے گا	جھانک	نہ جھانک۔ مت جھانک
جھپکنا	جھپکا	جھپکے	جھپکتا ہے	جھپکے گا	جھپک	نہ جھپک۔ مت جھپک
جھڑنا	جھڑا	جھڑے	جھڑتا ہے	جھڑے گا	جھڑ	نہ جھڑ۔ مت جھڑ
جھکنا	جھکا	جھکے	جھکتا ہے	جھکے گا	جھک	نہ جھک۔ مت جھک
جھکانا	جھکایا	جھکائے	جھکاتا ہے	جھکائے گا	جھکا	نہ جھکا۔ مت جھکا
جھلسنا	جھلسا	جھلسے	جھلستا ہے	جھلسے گا	جھلس	نہ جھلس۔ مت جھلس
جھلانا	جھلایا	جھلائے	جھلاتا ہے	جھلائے گا	جھلا	نہ جھلا۔ مت جھلا
جھنجھلانا	جھنجھلایا	جھنجھلائے	جھنجلاتا ہے	جھنجھلائے گا	جھنجھلا	نہ جھنجھلا۔ مت جھنجھلا
جھونکنا	جھونکا	جھونکے	جھونکتا ہے	جھونکے گا	جھونک	نہ جھونک۔ مت جھونک
جھیلنا	جھیلا	جھیلے	جھیلتا ہے	جھیلے گا	جھیل	نہ جھیل۔ مت جھیل
جھینکنا	جھینکا	جھینکے	جھینکتا ہے	جھینکے گا	جھینک	نہ جھینک۔ مت جھینک

چ						
چاٹنا	چاٹا	چاٹے	چاٹتا ہے	چاٹے گا	چاٹ	نہ چاٹ۔ مت چاٹ
چاہنا	چاہا	چاہے	چاہتا ہے	چاہے گا	چاہ	نہ چاہ۔ مت چاہ
چبانا	چبایا	چبائے	چباتا ہے	چبائے گا	چبا	نہ چبا۔ مت چبا
چبھنا	چبھا	چبھے	چبھتا ہے	چبھے گا	چبھ	نہ چبھ۔ مت چبھ
چبھونا	چبھویا	چبھوئے	چبھوتا ہے	چبھوئے گا	چبھو	نہ چبھو۔ مت چبھو
چپکنا	چپکا	چپکے	چپکتا ہے	چپکے گا	چپک	نہ چپک۔ مت چپک
چپکانا	چپکایا	چپکائے	چپکاتا ہے	چپکائے گا	چپکا	نہ چپکا۔ مت چپکا
چٹکنا	چٹکا	چٹکے	چٹکتا ہے	چٹکے گا	چٹک	نہ چٹک۔ مت چٹک
چٹانا	چٹایا	چٹائے	چٹاتا ہے	چٹائے گا	چٹا	نہ چٹا۔ مت چٹا
چچوڑنا	چچوڑا	چچوڑے	چچوڑتا ہے	چچوڑے گا	چچوڑ	نہ چچوڑ۔ مت چچوڑ
چڑنا	چڑا	چڑے	چڑتا ہے	چڑے گا	چڑ	نہ چڑ۔ مت چڑ
چڑانا	چڑایا	چڑائے	چڑاتا ہے	چڑائے گا	چڑا	نہ چڑا۔ م چڑا
چرانا	چرایا	چرائے	چراتا ہے	چرائے گا	چرا	نہ چرا۔ مت چرا
چڑھنا	چڑھا	چڑھے	چڑھتا ہے	چڑھے گا	چڑھ	نہ چڑھ۔ مت چڑھ
چڑھانا	چڑھایا	چڑھائے	چڑھاتا ہے	چڑھائے گا	چڑھا	نہ چڑھا۔ مت چڑھا
چڑھوانا	چڑھوایا	چڑھوائے	چڑھواتا ہے	چڑھوائے گا	چڑھوا	نہ چڑھوا۔ مت چڑھوا
چکرانا	چکرایا	چکرائے	چکراتا ہے	چکرائے گا	چکرا	نہ چکرا۔ مت چکرا
چکھنا	چکھا	چکھے	چکھتا ہے	چکھے گا	چکھ	نہ چکھ۔ مت چکھ
چکھانا	چکھایا	چکھائے	چکھاتا ہے	چکھائے گا	چکھا	نہ چکھا۔ مت چکھا
چلنا	چلا	چلے	چلتا ہے	چلے گا	چل	نہ چل۔ مت چل

چلانا	چلایا	چلائے	چلاتا ہے	چلائے گا	چلا	نہ چلا۔ مت چلا
چلّانا	چلّایا	چلّائے	چلّاتا ہے	چلّائے گا	چلّا	نہ چلّا۔ مت چلّا
چمٹنا	چمٹا	چمٹے	چمٹتا ہے	چمٹے گا	چمٹ	نہ چمٹ۔ مت چمٹ
چمکنا	چمکا	چمکے	چمکتا ہے	چمکے گا	چمک	نہ چمک۔ مت چمک
چمکانا	چمکایا	چمکائے	چمکاتا ہے	چمکائے گا	چمکا	نہ چمکا۔ مت چمکا
چمکارنا	چمکارا	چمکارے	چمکارتا ہے	چمکارے گا	چمکار	نہ چمکار۔ مت چمکار
چنگھاڑنا	چنگھاڑا	چنگھاڑے	چنگھاڑتا ہے	چنگھاڑے گا	چنگھاڑ	نہ چنگھاڑ۔ مت چنگھاڑ
چننا	چنا	چنے	چنتا ہے	چنے گا	چن	نہ چن۔ مت چن
چوسنا	چوسا	چوسے	چوستا ہے	چوسے گا	چوس	نہ چوس۔ مت چوس
چومنا	چوما	چومے	چومتا ہے	چومے گا	چوم	نہ چوم۔ مت چوم
چپچپانا	چپچپایا	چپچپائے	چپچپاتا ہے	چپچپائے گا	چپچپا	نہ چپچپا۔ مت چپچپا
چیخنا	چیخا	چیخے	چیختا ہے	چیخے گا	چیخ	نہ چیخ۔ مت چیخ
چیرنا	چیرا	چیرے	چیرتا ہے	چیرے گا	چیر	نہ چیر۔ مت چیر

چھ

چھانا	چھایا	چھائے	چھاتا ہے	چھائے گا	چھا	نہ چھا۔ مت چھا
چھاپنا	چھاپا	چھاپے	چھاپتا ہے	چھاپے گا	چھاپ	نہ چھاپ۔ مت چھاپ
چھاننا	چھانا	چھانے	چھانتا ہے	چھانے گا	چھان	نہ چھان۔ مت چھان
چھپنا	چھپا	چھپے	چھپتا ہے	چھپے گا	چھپ	نہ چھپ۔ مت چھپ
چھپوانا	چھپوایا	چھپوائے	چھپواتا ہے	چھپوائے گا	چھپوا	نہ چھپوا۔ مت چھپوا
چھپنا	چھپا	چھپے	چھپتا ہے	چھپے گا	چھپ	نہ چھپ۔ مت چھپ
چھپانا	چھپایا	چھپائے	چھپاتا ہے	چھپائے گا	چھپا	نہ چھپا۔ مت چھپا

چھٹنا	چھٹا	چھٹے	چھٹتا ہے	چھٹے گا	چھٹ	نہ چھٹ۔ مت چھٹ
چھدوانا	چھدوایا	چھدوائے	چھدواتا ہے	چھدوائے گا	چھدوا	نہ چھدوا۔ مت چھدوا
چھڑنا	چھڑا	چڑھے	چھڑتا ہے	چھڑے گا	چھڑ	نہ چھڑ۔ مت چھڑ
چھڑانا	چھڑایا	چھڑائے	چھڑاتا ہے	چھڑائے گا	چھڑا	نہ چھڑا۔ مت چھڑا
چھڑکنا	چھڑکا	چھڑکے	چھڑکتا ہے	چھڑکے گا	چھڑک	نہ چھڑک۔ مت چھڑک
چھڑکوانا	چھڑکوایا	چھڑکوائے	چھڑکواتا ہے	چھڑکوائے گا	چھڑکوا	نہ چھڑکوا۔ مت چھڑکوا
چھننا*	چھنا	چھنے	چھنتا ہے	چھنے گا	چھن	نہ چھن۔ مت چھن
چھوٹنا	چھوٹا	چھوٹے	چھوٹتا ہے	چھوٹے گا	چھوٹ	نہ چھوٹ۔ مت چھوٹ
چھوڑنا	چھوڑا	چھوڑے	چھوڑتا ہے	چھوڑے گا	چھوڑ	نہ چھوڑ۔ مت چھوڑ
چھیدنا	چھیدا	چھیدے	چھیدتا ہے	چھیدے گا	چھید	نہ چھید۔ مت چھید
چھیڑنا	چھیڑا	چھیڑے	چھیڑتا ہے	چھیڑے گا	چھیڑ	نہ چھیڑ۔ مت چھیڑ
چھیلنا	چھیلا	چھیلے	چھیلتا ہے	چھیلے گا	چھیل	نہ چھیل۔ مت چھیل
چھیننا	چھینا	چھینے	چھینتا ہے	چھینے گا	چھین	نہ چھین۔ مت چھین

خ

خرادنا	خرادا	خرادے	خرادتا ہے	خرادے گا	خراد	نہ خراد۔ مت خراد
خرچنا	خرچا	خرچے	خرچتا ہے	خرچے گا	خرچ	نہ خرچ۔ مت خرچ
خریدنا	خریدا	خریدے	خریدتا ہے	خریدے گا	خرید	نہ خرید۔ مت خرید

د

دابنا	دابا	دابے	دابتا ہے	دابے گا	داب	نہ داب۔ مت داب
دبنا	دبا	دبے	دبتا ہے	دبے گا	دب	نہ دب۔ مت دب
دبانا	دبایا	دبائے	دباتا	دبائے گا	دبا	نہ دبا۔ مت دبا

دکھنا	دکھا	دکھے	دکھتا ہے	دکھے گا	دکھ	نہ دکھ۔ مت دکھ
دکھانا	دکھایا	دکھائے	دکھاتا ہے	دکھائے گا	دکھ	نہ دکھا۔ مت دکھا۔
دکھانا	دکھایا	دکھائے	دکھاتا ہے	دکھائے گا	دکھا	نہ دکھا۔ مت دکھا
دلانا	دلایا	دلائے	دلاتا ہے	دلائے گا	دلا	نہ دلا۔ مت دلا
دلنا	دلا	دلے	دلتا ہے	دلے گا	دل	نہ دل۔ مت دل
دوڑنا	دوڑا	دوڑے	دوڑتا ہے	دوڑے گا	دوڑ	نہ دوڑ۔ مت دوڑ
دوڑانا	دوڑایا	دوڑائے	دوڑاتا ہے	دوڑائے گا	دوڑا	نہ دوڑا۔ مت دوڑا
دھاڑنا	دھاڑا	دھاڑے	دھاڑتا ہے	دھاڑے گا	دھاڑ	نہ دھاڑ۔ مت دھاڑ
دہکنا	دہکا	دہکے	دہکتا ہے	دہکے گا	دہک	نہ دہک۔ مت دہک
دیکھنا	دیکھا	دیکھے	دیکھتا ہے	دیکھے گا	دیکھ	نہ دیکھ۔ مت دیکھ
دینا	دیا	دے	دیتا ہے	دے گا	دے	نہ دے۔ مت دے

دھ

دھرنا	دھرا	دھرے	دھرتا ہے	دھرے گا	دھر	نہ دھر۔ مت دھر
دھکیلنا	دھکیلا	دھکیلے	دھکیلتا ہے	دھکیلے گا	دھکیل	نہ دھکیل۔ مت دھکیل
دھلوانا	دھلوایا	دھلوائے	دھلواتا ہے	دھلوائے گا	دھلوا	نہ دھلوا۔ مت دھلوا
دھنسنا	دھنسا	دھنسے	دھنستا ہے	دھنسے گا	دھنس	نہ دھنس۔ مت دھنس
دھونا	دھویا	دھوئے	دھوتا ہے	دھوئے گا	دھو	نہ دھو۔ مت دھو

ڈ

ڈالنا	ڈالا	ڈالے	ڈالتا ہے	ڈالے گا	ڈال	نہ ڈال۔ مت ڈال
ڈانٹنا	ڈانٹا	ڈانٹے	ڈانٹتا ہے	ڈانٹے گا	ڈانٹ	نہ ڈانٹ۔ مت ڈانٹ
ڈرنا	ڈرا	ڈرے	ڈرتا ہے	ڈرے گا	ڈر	نہ ڈر۔ مت ڈر

ڈرانا	ڈرایا	ڈرائے	ڈراتا ہے	ڈرائے گا	ڈرا	نہ ڈرا۔ مت ڈرا
ڈسنا	ڈسا	ڈسے	ڈستا ہے	ڈسے گا	ڈس	نہ ڈس۔ مت ڈس
ڈگمگانا	ڈگمگایا	ڈگمگائے	ڈگمگاتا ہے	ڈگمگائے گا	ڈگمگا	نہ ڈگمگا۔ مت ڈگمگا
ڈوبنا	ڈوبا	ڈوبے	ڈوبتا ہے	ڈوبے گا	ڈوب	نہ ڈوب۔ مت ڈوب
			ڈھ			
ڈھانپنا	ڈھانپا	ڈھانپے	ڈھانپتا ہے	ڈھانپے گا	ڈھانپ	نہ ڈھانپ۔ مت ڈھانپ
ڈھانکنا	ڈھانکا	ڈھانکے	ڈھانکتا ہے	ڈھانکے گا	ڈھانک	نہ ڈھانک۔ مت ڈھانک
ڈھلنا	ڈھلا	ڈھلے	ڈھلتا ہے	ڈھلے گا	ڈھل	نہ ڈھل۔ مت ڈھل
ڈھلکنا	ڈھلکا	ڈھلکے	ڈھلکتا ہے	ڈھلکے گا	ڈھلک	نہ ڈھلک۔ مت ڈھلک
ڈھونڈنا	ڈھونڈا	ڈھونڈے	ڈھونڈتا ہے	ڈھونڈے گا	ڈھونڈ	نہ ڈھونڈ۔ مت ڈھونڈ
ڈھونا	ڈھویا	ڈھوئے	ڈھوتا ہے	ڈھوئے گا	ڈھو	نہ ڈھو۔ مت ڈھو
			ر			
رٹنا	رٹا	رٹے	رٹتا ہے	رٹے گا	رٹ	نہ رٹ۔ مت رٹ
رکھنا	رکھا	رکھے	رکھتا ہے	رکھے گا	رکھ	نہ رکھ۔ مت رکھ
رکھوانا	رکھوایا	رکھوائے	رکھواتا ہے	رکھوائے گا	رکھوا	نہ رکھوا۔ مت رکھوا
رلانا	رلایا	رلائے	رلاتا ہے	رلائے گا	رلا	نہ رلا۔ مت رلا
روٹھنا	روٹھا	روٹھے	روٹھتا ہے	روٹھے گا	روٹھ	نہ روٹھ۔ مت روٹھ
رہنا	رہا	رہے	رہتا ہے	رہے گا	رہ	نہ رہ۔ مت رہ
ریجھنا	ریجھا	ریجھے	ریجھتا ہے	ریجھے گا	ریجھ	نہ ریجھ۔ مت ریجھ
			س			
ستانا	ستایا	ستائے	ستاتا ہے	ستائے گا	ستا	نہ ستا۔ مت ستا

بجنا	بجا	بجے	بجتا ہے	بجے گا	بج	نہ بج۔ مت بج
بجھانا	بجھایا	بجھائے	بجھاتا ہے	بجھائے گا	بجھا	نہ بجھا۔ مت بجھا
سکھانا	سکھایا	سکھائے	سکھاتا ہے	سکھائے گا	سکھا	نہ سکھا۔ مت سکھا
سلانا	سلایا	سلائے	سلاتا ہے	سلائے گا	سلا	نہ سلا۔ مت سلا
سلانا	سلایا	سلائے	سلاتا ہے	سلائے گا	سلا	نہ سلا۔ مت سلا
سلوانا	سلوایا	سلوائے	سلواتا ہے	سلوائے گا	سلوا	نہ سلوا۔ مت سلوا
سلجھنا	سلجھا	سلجھے	سلجھتا ہے	سلجھے گا	سلجھ	نہ سلجھ۔ مت سلجھ
سلجھانا	سلجھایا	سلجھائے	سلجھاتا ہے	سلجھائے گا	سلجھا	نہ سلجھا۔ مت سلجھا
سمانا	سمایا	سمائے	سماتا ہے	سمائے گا	سما	نہ سما۔ مت سما
سمجھنا	سمجھا	سمجھے	سمجھتا ہے	سمجھے گا	سمجھ	نہ سمجھ۔ مت سمجھ
سمجھانا	سمجھایا	سمجھائے	سمجھاتا ہے	سمجھائے گا	سمجھا	نہ سمجھا۔ مت سمجھا
سمٹنا	سمٹا	سمٹے	سمٹتا ہے	سمٹے گا	سمٹ	نہ سمٹ۔ مت سمٹ
سمیٹنا	سمیٹا	سمیٹے	سمیٹتا ہے	سمیٹے گا	سمیٹ	نہ سمیٹ۔ مت سمیٹ
سنورنا	سنورا	سنورے	سنورتا ہے	سنورے گا	سنور	نہ سنور۔ مت سنور
سنوارنا	سنوارا	سنوارے	سنوارتا ہے	سنوارے گا	سنوار	نہ سنوار۔ مت سنوار
سنبھالنا	سنبھالا	سنبھالے	سنبھالتا ہے	سنبھالے گا	سنبھال	نہ سنبھال۔ مت سنبھال
سنگھانا	سنگھایا	سنگھائے	سنگھاتا ہے	سنگھائے گا	سنگھا	نہ سنگھا۔ مت سنگھا
سننا	سنا	سنے	سنتا ہے	سنے گا	سن	نہ سن۔ مت سن
سنانا	سنایا	سنائے	سناتا ہے	سنائے گا	سنا	نہ سنا۔ مت سنا
سونا	سویا	سوئے	سوتا ہے	سوئے گا	سو	نہ سو۔ مت سو
سوچنا	سوچا	سوچے	سوچتا ہے	سوچے گا	سوچ	نہ سوچ۔ مت سوچ
سوکھنا	سوکھا	سوکھے	سوکھتا ہے	سوکھے گا	سوکھ	نہ سوکھ۔ مت سوکھ

سونپنا	سونپا	سونپے	سونپتا ہے	سونپے گا	سونپ	نہ سونپ۔ مت سونپ
سونگھنا	سونگھا	سونگھے	سونگھتا ہے	سونگھے گا	سونگھ	نہ سونگھ۔ مت سونگھ
سینا	سیا	سیئے	سیتا ہے	سیئے گا	سی	نہ سی۔ مت سی
سیکھنا	سیکھا	سیکھے	سیکھتا ہے	سیکھے گا	سیکھ	نہ سیکھ۔ مت سیکھ

ش

شرمانا	شرمایا	شرمائے	شرماتا ہے	شرمائے گا	شرما	نہ شرما۔ مت شرما

غ

غرانا	غرایا	غرائے	غراتا ہے	غرائے گا	غرا	نہ غرا۔ مت غرا

ف

فرمانا	فرمایا	فرمائے	فرماتا ہے	فرمائے گا	فرما	نہ فرما۔ مت فرما

ق

قبولنا	قبولا	قبولے	قبولتا ہے	قبولے گا	قبول	نہ قبول۔ مت قبول

ک

کاتنا	کاتا	کاتے	کاتتا ہے	کاتے گا	کات	نہ کات۔ مت کات
کاٹنا	کاٹا	کاٹے	کاٹتا ہے	کاٹے گا	کاٹ	نہ کاٹ۔ مت کاٹ
کانپنا	کانپا	کانپے	کانپتا ہے	کانپے گا	کانپ	نہ کانپ۔ مت کانپ
کاڑھنا	کاڑھا	کاڑھے	کاڑھتا ہے	کاڑھے گا	کاڑھ	نہ کاڑھ۔ مت کاڑھ
کتوانا	کتوایا	کتوائے	کتواتا ہے	کتوائے گا	کتوا	نہ کتوا۔ مت کتوا
کٹنا	کٹا	کٹے	کٹتا ہے	کٹے گا	کٹ	نہ کٹ۔ مت کٹ
کٹانا	کٹایا	کٹائے	کٹاتا ہے	کٹائے گا	کٹا	نہ کٹا۔ مت کٹا

کٹوانا	کٹوایا	کٹوائے	کٹواتا ہے	کٹوائے گا	کٹوا	نہ کٹوا۔ مت کٹوا
کچلنا	کچلا	کچلے	کچلتا ہے	کچلے گا	کچل	نہ کچل۔ مت کچل
کرنا	کیا	کرے	کرتا ہے	کرے گا	کر	نہ کر۔ مت کر
کرانا	کرایا	کرائے	کراتا ہے	کرائے گا	کرا	نہ کرا۔ مت کرا
کروانا	کروایا	کروائے	کرواتا ہے	کروائے گا	کروا	نہ کروا۔ مت کروا
کریدنا	کریدا	کریدے	کریدتا ہے	کریدے گا	کرید	نہ کرید۔ مت کرید
کڑکڑانا	کڑکڑایا	کڑکڑائے	کڑکڑاتا ہے	کڑکڑائے گا	کڑکڑا	نہ کڑکڑا۔ مت کڑکڑا
کسنا	کسا	کسے	کستا ہے	کسے گا	کس	نہ کس۔ مت کس
کملانا	کملایا	کملائے	کملاتا ہے	کملائے گا	کملا	نہ کملا۔ مت کملا
کودنا	کودا	کودے	کودتا ہے	کودے گا	کود	نہ کود۔ مت کود
کوٹنا	کوٹا	کوٹے	کوٹتا ہے	کوٹے گا	کوٹ	نہ کوٹ۔ مت کوٹ
کوندنا	کوندا	کوندے	کوندتا ہے	کوندے گا	کوند	نہ کوند۔ مت کوند
کہنا	کہا	کہے	کہتا ہے	کہے گا	کہہ	نہ کہہ۔ مت کہہ

کھ

کھانا	کھایا	کھائے	کھاتا ہے	کھائے گا	کھا	نہ کھا۔ مت کھا
کھانسنا	کھانسا	کھانسے	کھانستا ہے	کھانسے گا	کھانس	نہ کھانس۔ مت کھانس
کھبنا	کھبا	کھبے	کھبتا ہے	کھبے گا	کھب	نہ کھب۔ مت کھب
کھجلانا	کھجلایا	کھجلائے	کھجلاتا ہے	کھجلائے گا	کھجلا	نہ کھجلا۔ مت کھجلا
کھدوانا	کھدوایا	کھدوائے	کھدواتا ہے	کھدوائے گا	کھدوا	نہ کھدوا۔ مت کھدوا
کھڑکھڑانا	کھڑکھڑایا	کھڑکھڑائے	کھڑکھڑاتا ہے	کھڑکھڑائے گا	کھڑکھڑا	نہ کھڑکھڑا۔ مت کھڑکھڑا

کھلنا	کھلا	کھلے	کھلتا ہے	کھلے گا	کھل	نہ کھل۔ مت کھل
کھلوانا	کھلوایا	کھلوائے	کھلواتا ہے	کھلوائے گا	کھلوا	نہ کھلوا۔ مت کھلوا
کھلنا	کھلا	کھلے	کھلتا ہے	کھلے گا	کھل	نہ کھل۔ مت کھل
کھلکھلانا	کھلکھلایا	کھلکھلائے	کھلاتا ہے	کھلکھلائے گا	کھلکھلا	نہ کھلکھلا۔ مت کھلکھلا
کھلانا	کھلایا	کھلائے	کھلاتا ہے	کھلائے گا	کھلا	نہ کھلا۔ مت کھلا
کھودنا	کھودا	کھودے	کھودتا ہے	کھودے گا	کھود	نہ کھود۔ مت کھود
کھولنا	کھولا	کھولے	کھولتا ہے	کھولے گا	کھول	نہ کھول۔ مت کھول
کھونا	کھویا	کھوئے	کھوتا ہے	کھوئے گا	کھو	نہ کھو۔ مت کھو
کھیلنا	کھیلا	کھیلے	کھیلتا ہے	کھیلے گا	کھیل	نہ کھیل۔ مت کھیل
کھینچنا	کھینچا	کھینچے	کھینچتا ہے	کھینچے گا	کھینچ	نہ کھینچ۔ مت کھینچ

گ

گانا	گایا	گائے	گاتا ہے	گائے گا	گا	نہ گا۔ مت گا
گدلانا	گدلایا	گدلائے	گدلاتا ہے	گدلائے گا	گدلا	نہ گدلا۔ مت گدلا
گرنا	گرا	گرے	گرتا ہے	گرے گا	گر	نہ گر۔ مت گر
گرانا	گرایا	گرائے	گراتا ہے	گرائے گا	گرا	نہ گرا۔ مت گرا
گرجنا	گرجا	گرجے	گرجتا ہے	گرجے گا	گرج	نہ گرج۔ مت گرج
گرمانا	گرمایا	گرمائے	گرماتا ہے	گرمائے گا	گرما	نہ گرما۔ مت گرما
گزرنا	گزرا	گزرے	گزرتا ہے	گزرے گا	گزر	نہ گزر۔ مت گزر
گزارنا	گزارا	گزارے	گزارتا ہے	گزارے گا	گزار	نہ گزار۔ مت گزار
گزراننا	گزرانا	گزرانے	گزرانتا ہے	گزرانے گا	گزران	نہ گزران۔ مت گزران
گلنا	گلا	گلے	گلتا ہے	گلے گا	گل	نہ گل۔ مت گل

گلانا	گلایا	گلائے	گلاتا ہے	گلائے گا	گلا	نہ گلا۔ مت گلا
گننا	گنا	گنے	گنتا ہے	گنے گا	گن	نہ گن۔ مت گن
گنوانا	گنوایا	گنوائے	گنواتا ہے	گنوائے گا	گنوا	نہ گنوا۔ مت گنوا
گوندھنا	گوندھا	گوندھے	گوندھتا ہے	گوندھے گا	گوندھ	نہ گوندھ۔ مت گوندھ

گھ

گھبرانا	گھبرایا	گھبرائے	گھبراتا ہے	گھبرائے گا	گھبرا	نہ گھبرا۔ مت گھبرا
گھٹنا	گھٹا	گھٹے	گھٹتا ہے	گھٹے گا	گھٹ	نہ گھٹ۔ مت گھٹ
گھٹانا	گھٹایا	گھٹائے	گھٹاتا ہے	گھٹائے گا	گھٹا	نہ گھٹا۔ مت گھٹا
گھرنا	گھرا	گھرے	گھرتا ہے	گھرے گا	گھر	نہ گھر۔ مت گھر
گھسنا	گھسا	گھسے	گھستا ہے	گھسے گا	گھس	نہ گھس۔ مت گھس
گھسنا	گھسا	گھسے	گھسنا ہے	گھسے گا	گھس	نہ گھس۔ مت گھس
گھسیٹنا	گھسیٹا	گھسیٹے	گھسیٹتا ہے	گھسیٹے گا	گھسیٹ	نہ گھسیٹ۔ مت گھسیٹ
گھلنا	گھلا	گھلے	گھلتا ہے	گھلے گا	گھل	نہ گھل۔ مت گھل
گھومنا	گھوما	گھومے	گھومتا ہے	گھومے گا	گھوم	نہ گھوم۔ مت گھوم
گھورنا	گھورا	گھورے	گھورتا ہے	گھورے گا	گھور	نہ گھور۔ مت گھور
گھیرنا	گھیرا	گھیرے	گھیرتا ہے	گھیرے گا	گھیر	نہ گھیر۔ مت گھیر
گھٹنا	گھٹا	گٹھے	گھٹتا ہے	گھٹے گا	گھٹ	نہ گھٹ۔ مت گھٹ

ل

لانا	لایا	لائے	لاتا ہے	لائے گا	لا	نہ لا۔ مت لا
لادنا	لادا	لادے	لادتا ہے	لادے گا	لاد	نہ لاد۔ مت لاد

لپٹنا	لپٹا	لپٹے	لپٹتا ہے	لپٹے گا	لپٹ	نہ لپٹ۔ مت لپٹ
لپیٹنا	لپیٹا	لپیٹے	لپیٹتا ہے	لپیٹے گا	لپیٹ	نہ لپیٹ۔ مت لپیٹ
لتاڑنا	لتاڑا	لتاڑے	لتاڑتا ہے	لتاڑے گا	لتاڑ	نہ لتاڑ۔ مت لتاڑ
لٹکنا	لٹکا	لٹکے	لٹکتا ہے	لٹکے گا	لٹک	نہ لٹک۔ مت لٹک
لٹکانا	لٹکایا	لٹکائے	لٹکاتا ہے	لٹکائے گا	لٹکا	نہ لٹکا۔ مت لٹکا
لجانا	لجایا	لجائے	لجاتا ہے	لجائے گا	لجا	نہ لجا۔ مت لجا
لدوانا	لدوایا	لدوائے	لدواتا ہے	لدوائے گا	لدوا	نہ لدوا۔ مت لدوا
لڑنا	لڑا	لڑے	لڑتا ہے	لڑے گا	لڑ	نہ لڑ۔ مت لڑ
لڑانا	لڑایا	لڑائے	لڑاتا ہے	لڑائے گا	لڑا	نہ لڑا۔ مت لڑا
لڑوانا	لڑوایا	لڑوائے	لڑواتا ہے	لڑوائے گا	لڑوا	نہ لڑوا۔ مت لڑوا
لڑھکنا	لڑھکا	لڑھکے	لڑھکتا ہے	لڑھکے گا	لڑھک	نہ لڑھک۔ مت لڑھک
لڑکھڑانا	لڑکھڑایا	لڑکھڑائے	لڑکھڑاتا ہے	لڑکھڑائے گا	لڑکھڑا	نہ لڑکھڑا۔ مت لڑکھڑا
لکھنا	لکھا	لکھے	لکھتا ہے	لکھے گا	لکھ	نہ لکھ۔ مت لکھ
لکھانا	لکھایا	لکھائے	لکھاتا ہے	لکھائے گا	لکھا	نہ لکھا۔ مت لکھا
لکھوانا	لکھوایا	لکھوائے	لکھواتا ہے	لکھوائے گا	لکھوا	نہ لکھوا۔ مت لکھوا
للچانا	للچایا	للچائے	للچاتا ہے	للچائے گا	للچا	نہ للچا۔ مت للچا
لوٹنا	لوٹا	لوٹے	لوٹتا ہے	لوٹے گا	لوٹ	نہ لوٹ۔ مت لوٹ
لہلہانا	لہلہایا	لہلہائے	لہلہاتا ہے	لہلہائے گا	لہلہا	نہ لہلہا۔ مت لہلہا
لینا	لیا	لے	لیتا ہے	لے گا	لے	نہ لے۔ مت لے
لیٹنا	لیٹا	لیٹے	لیٹتا ہے	لیٹے گا	لیٹ	نہ لیٹ۔ مت لیٹ

م						
مارنا	مارا	مارے	مارتا ہے	مارے گا	مار	نہ مار۔ مت مار
مانگنا	مانگا	مانگے	مانگتا ہے	مانگے گا	مانگ	نہ مانگ۔ مت مانگ
ماننا	مانا	مانے	مانتا ہے	مانے گا	مان	نہ مان۔ مت مان
مٹنا	مٹا	مٹے	مٹتا ہے	مٹے گا	مٹ	نہ مٹ۔ مت مٹ
مٹانا	مٹایا	مٹائے	مٹاتا ہے	مٹائے گا	مٹا	نہ مٹا۔ مت مٹا
مرنا	موا۔ مرا	مرے	مرتا ہے	مرے گا	مر	نہ مر۔ مت مر
مرجھانا	مرجھایا	مرجھائے	مرجھاتا ہے	مرجھائے گا	مرجھا	نہ مرجھا۔ مت مرجھا
مڑنا	مڑا	مڑے	مڑتا ہے	مڑے گا	مڑ	نہ مڑ۔ مت مڑ
مسکرانا	مسکرایا	مسکرائے	مسکراتا ہے	مسکرائے گا	مسکرا	نہ مسکرا۔ مت مسکرا
ملنا	ملا	ملے	ملتا ہے	ملے گا	مل	نہ مل۔ مت مل
مِلنا	مِلا	مِلے	مِلتا ہے	مِلے گا	مِل	نہ مِل۔ مت مِل
ملانا	ملایا	ملائے	ملاتا ہے	ملائے گا	ملا	نہ ملا۔ مت ملا
مننا	منا	منے	منتا ہے	منے گا	من	نہ من۔ مت من
منانا	منایا	منائے	مناتا ہے	منائے گا	منا	نہ منا۔ مت منا
موڑنا	موڑا	موڑے	موڑتا ہے	موڑے گا	موڑ	نہ موڑ۔ مت موڑ
موندنا	موندا	موندے	موندتا ہے	موندے گا	موند	نہ موند۔ مت موند
مونڈنا	مونڈا	مونڈے	مونڈتا ہے	مونڈے گا	مونڈ	نہ مونڈ۔ مت مونڈ
میچنا	میچا	میچے	میچتا ہے	میچے گا	میچ	نہ میچ۔ مت میچ
ن						
ناپنا	ناپا	ناپے	ناپتا ہے	ناپے گا	ناپ	نہ ناپ۔ مت ناپ

نبڑنا	نبڑا	نبڑے	نبڑتا ہے	نبڑے گا	نبڑ	نہ نبڑ۔ مت نبڑ
نبیڑنا	نبیڑا	نبیڑے	نبیڑتا ہے	نبیڑے گا	نبیڑ	نہ نبیڑ۔ مت نبیڑ
نبھنا	نبھا	نبھے	نبھتا ہے	نبھے گا	نبھ	نہ نبھ۔ مت نبھ
نباہنا	نباہا	نباہے	نباہتا ہے	نباہے گا	نباہ	نہ نباہ۔ مت نباہ
نتھرنا	نتھرا	نتھرے	نتھرتا ہے	نتھرے گا	نتھر	نہ نتھر۔ مت نتھر
نچوڑنا	نچوڑا	نچوڑے	نچوڑتا ہے	نچوڑے گا	نچوڑ	نہ نچوڑ۔ مت نچوڑ
نکلنا	نکلا	نکلے	نکلتا ہے	نکلے گا	نکل	نہ نکل۔ مت نکل
نکالنا	نکالا	نکالے	نکالتا ہے	نکالے گا	نکال	نہ نکال۔ مت نکال
نکلوانا	نکلوایا	نکلوائے	نکلواتا ہے	نکلوائے گا	نکلوا	نہ نکلوا۔ مت نکلوا
نکھرنا	نکھرا	نکھرے	نکھرتا ہے	نکھرے گا	نکھر	نہ نکھر۔ مت نکھر
نگلنا	نگلا	نگلے	نگلتا ہے	نگلے گا	نگل	نہ نگل۔ مت نگل
نوچنا	نوچا	نوچے	نوچتا ہے	نوچے گا	نوچ	نہ نوچ۔ مت نوچ
نہانا	نہایا	نہائے	نہاتا ہے	نہائے گا	نہا	نہ نہا۔ مت نہا
نہلانا	نہلایا	نہلائے	نہلاتا ہے	نہلائے گا	نہلا	نہ نہلا۔ مت نہلا

ہ

ہارنا	ہارا	ہارے	ہارتا ہے	ہارے گا	ہار	نہ ہار۔ مت ہار
ہانپنا	ہانپا	ہانپے	ہانپتا ہے	ہانپے گا	ہانپ	نہ ہانپ۔ مت ہانپ
ہانکنا	ہانکا	ہانکے	ہانکتا ہے	ہانکے گا	ہانک	نہ ہانک۔ مت ہانک
ہٹنا	ہٹا	ہٹے	ہٹتا ہے	ہٹے گا	ہٹ	نہ ہٹ۔ مت ہٹ
ہٹانا	ہٹایا	ہٹائے	ہٹاتا ہے	ہٹائے گا	ہٹا	نہ ہٹا۔ مت ہٹا
ہچکچانا	ہچکچایا	ہچکچائے	ہچکچاتا ہے	ہچکچائے گا	ہچکچا	نہ ہچکچا۔ مت ہچکچا

ہراتا	ہرایا	ہرائے	ہراتا ہے	ہرائے گا	ہرا	نہ ہرا۔ مت ہرا
ہلنا	ہلا	ہلے	ہلتا ہے	ہلے گا	ہل	نہ ہل۔ مت ہل
ہلاتا	ہلایا	ہلائے	ہلاتا ہے	ہلائے گا	ہلا	نہ ہلا۔ مت ہلا
ہنسنا	ہنسا	ہنسے	ہنستا ہے	ہنسے گا	ہنس	نہ ہنس۔ مت ہنس
ہنساتا	ہنسایا	ہنسائے	ہنساتا ہے	ہنسائے گا	ہنسا	نہ ہنسا۔ مت ہنسا
ہونسنا	ہونسا	ہونسے	ہونستا ہے	ہونسے گا	ہونس	نہ ہونس۔ مت ہونس
ہونا	ہوا	ہووے	ہوتا ہے	ہو گا	ہو	نہ ہو۔ مت ہو

جامد

اسم جامد کی قسمیں:

اسم کی پہلی قسموں میں سے مصدر اور مشتق کا حال بیان ہو چکا۔ اب جامد کا حال بیان کرتے ہیں۔ جامد کی دو قسمیں ہیں۔ معرفہ اور نکرہ۔

معرفہ وہ ہے جس سے خاص شخص یا خاص چیز سمجھی جائے۔ تمہارے سامنے دلی کا نام لیا جائے تو تم اس سے خاص وہی شہر سمجھو گے جو کسی زمانہ میں ہندوستان کا دارالسلطنت تھا اور جہاں اب سے کچھ مدت پیشتر علم و ہنر کے دریا بہ رہے تھے۔ حامد کہہ کر پکارو تو وہی شخص بولے گا۔ جس کا وہ نام ہو گا۔ اسی قسم کے اسم معرفہ کہلاتے ہیں۔

نکرہ وہ ہے جو غیر معین شے کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ جیسے آدمی۔ کتاب۔ ہاتھی۔ گھوڑا۔ دیکھو ان اسموں سے کوئی خاص آدمی یا خاص ہاتھی یا خاص گھوڑا نہیں سمجھا جاتا ہر آدمی کو آدمی اور ہر کتاب کو کتاب اور ہر ہاتھی کو ہاتھی اور ہر گھوڑے کو گھوڑا کہہ سکتے ہیں۔ اس قسم کے سب اسم اسم نکرہ کہلاتے ہیں۔

اقسام معرفہ

معرفہ کی قسمیں یہ ہیں۔ علم۔ اسم ضمیر۔ اسم اشارہ۔ اسم موصول۔ ان کے سوا سب اسم

نکرہ ہیں اور نکرے کی قسمیں یہ ہیں۔ اسم ذات۔ اسم کنایہ۔ اسم استفہام۔ اسم صفت۔ مصدر۔ حاصل مصدر۔ اسم فاعل۔ اسم مفعول۔ اسم معاوضہ۔ اسم حالیہ۔

علَم

بچے کا نام جو ماں باپ نے رکھا ہو یا کسی چیز کا نام جو لوگوں نے قرار دیا ہوا سے علم کہتے ہیں جیسے حامد۔ محمود۔ احمد۔ گنگا۔ جمنا۔ چاند۔ سورج۔ پہلے تین خاص آدمیوں کے نام ہیں۔ دوسرے دو خاص دریاؤں کے۔ تیسرے دو خاص اجرام فلکی کے جو رات اور دن کو چمکتے اور تمام دنیا کو منور کر دیتے ہیں۔ اسی طرح لوگ سب چیزوں کے نام رکھ لیتے ہیں اور سب علم ہیں۔

خطاب۔ لقب۔ کنیت۔ عرف۔ تخلص۔ یہ سب علم کی قسمیں ہیں۔ بعض اہل قواعد نے نام کو علم کی علیحدہ قسم قرار دیا ہے۔ مگر یہ تکلف ہے۔

خطاب

بادشاہ اور امرا جو کسی شخص کو عزت کے لیے وصفی نام عنایت کرتے ہیں۔ وہ خطاب کہلاتے ہیں۔ جیسے پچھلے زمانے میں آصف جاہ اور نجم الدولہ وغیرہ تھے آج کل ستارہ ہند ہے جو بادشاہ کی طرف سے بعض لوگوں کو عنایت ہوتا ہے جیسے شمس العلماء، کا خطاب جو گورنمنٹ سے علما کو ملتا ہے۔ زمان گزشتہ میں اعلیٰ درجے کے شعرا کو بھی بادشاہوں کے حضور سے خطاب ہوتے تھے۔ جیسے ملک الشعرا خاقانی ہند۔ شیخ ابراہیم ذوق کا خطاب، خان بہادر۔ رائے بہادر۔ بی اے۔ ایم اے۔ ال ال ڈی یہ بھی اعزازی اور علمی خطاب ہیں۔ جن میں سے پچھلے تین یونیورسٹیوں کی طرف سے ہیں۔

لقب

وہ نام جو کسی صفت کے ساتھ سب لوگوں نے رکھ لیا ہو جیسے خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب اور کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا کے بہت پیارے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر جا کر خدا سے باتیں کیا کرتے تھے۔ ان

...صفات کی وجہ سے ان کو خلیل اللہ اور ان کو کلیم اللہ کہتے ہیں۔

کنیت

جو کسی کا باپ یا بیٹا یا ماں یا بیٹی کہہ کر پکارا جائے۔ حقیقت میں یہ اہل عرب کے دستور ہے کہ اصلی نام کے علاوہ ایک ایسا نام بھی رکھ لیتے ہیں۔ جس میں مسمی کا باپ یا بیٹا یا ماں یا بیٹی ہونا پایا جائے جیسے ابو داؤد۔ ابو حنیفہ۔ ابن اثیر۔ ابن عمر۔ ام سلیم۔ ام المجد۔ ابن ابی شیبہ کو دیکھو باپ بیٹے دونوں کی کنیتیں ہیں۔

ہندوستان میں اس طرح پر نام رکھنے کی رسم نہ تھی۔ مگر اب مولوی لوگ جو دین کا پیشہ یا خدمت کرتے ہیں۔ اہل عرب کی تقلید سے اپنی کنیت رکھ لیتے ہیں۔

عرب میں اشیائے بے جان اور معقولات کو بھی بیٹا وغیرہ کہہ دیتے ہیں یا ان کی طرف ایسی نسبت کر دیتے ہیں۔ مثلاً چاند کو ابن اللیل (رات کا بیٹا) مسافر کو ابن السبیل (رستے کا بیٹا) علم صرف کو ام العلوم (علموں کی ماں) کہتے ہیں۔

ہندوستان میں میاں بیوی کا نام نہیں لیتا۔ بیوی میاں کا نام نہیں لیتی۔ جب ان کے اولاد ہو جاتی ہے تو اس کے نام کی نسبت سے ایک دوسرے کو پکارتے یں۔ جیسے رمضانی کی ماں عیدو کا باپ۔ پس یہی کنیت ہے۔

عرف

جو یونہی مشہور ہو جائے اور یہ ایسا نام ہوتا ہے کہ اصلی نام سے زیادہ مشہور ہوتا ہے۔ عرف میں اس بات کا کچھ لحاظ نہیں ہوتا کہ بامعنی ہو یا بے معنی۔ جیسے حسن علی عرف چھوٹے میاں میری عسکری عرف میر کلو۔ پنجاب میں عرف اکثر اصلی نام بگڑا ہوا ہوتا ہے۔ جیسے قطب الدین عرف قطبا۔ فرزند علی عرف فندی۔

تخلص

شاعر لوگ نظم میں اپنا مختصر سا نام رکھ لیتے ہیں۔ اس کو تخلص کہتے ہیں۔ مثلاً سودا مرزا رفیع کا تخلص ہے۔ آتش خواجہ حیدر علی کا۔ ناسخ شیخ امام بخش کا۔ غالب مرزا اسد اللہ خاں کا۔

شیفتہ نواب مصطفیٰ خاں کا۔ مومن حکیم مومن خاں کا۔ ذوق شیخ ابراہیم کا۔ آزاد مولوی محمد حسین کا۔ داغ نواب مرزا خاں کا شعر

مدت سے نام سنتے تھے مومنؔ کا بارے آج — دیکھا بھی ہم نے اس شعرا کے امام کو

ضمیر (۲)

ایک مختصر سا نام ہے جس سے متکلم یا حاضر یا غائب تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی چیز کا کلام میں ایک دفعہ نام لیا جا چکا ہو دوبارہ اس کا نام لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ضمیر ہی نام کا کام دیتی ہے مثلاً زید نہایت فصیح البیان ہے۔ لوگ اس کی تقریر نہایت شوق سے سنتے اور خوش ہوتے ہیں وہ اپنی تقریر سے عجب طرح کا اثر مستمعین کے دلوں پر ڈالتا ہے۔ پچھلے دونوں جملوں میں سے پہلے میں بجائے زید اس سے اور دوسرے میں وہ سے کام لیا گیا ہے اور بار بار زید کا نام لینے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ اگر ان میں بھی زید کا نام لیا جاتا اور یوں کہا جاتا کہ زید نہایت فصیح البیان ہے۔ لوگ زید کی تقریر نہایت شوق سے سنتے اور خوش ہوتے ہیں۔ زید اپنی تقریر سے عجب طرح کا اثر مستمعین کے دلوں پر ڈالتا ہے تو کلام بے لطف ہو جاتا ہے۔

ضمیر کی چار حالتیں ہوتی ہیں۔

پہلی حالت فاعلیت۔ جس کو فعل سے فاعلیت کا تعلق ہو۔ تمام افعال لازم اور ان معدودے چند افعال متعدی میں جن کی ماضی مطلق میں فاعل کے ساتھ نے نہیں آتا واحد اور جمع غائب کے لیے وہ واحد حاضر کے لیے تو جمع حاضر کے لیے تم واحد متکلم کے لیے میں اور جمع متکلم کے لیے ہم آتا ہے۔ جیسے وہ گیا۔ وہ گئے۔ وہ گئی۔ وہ گئیں۔ تو گیا۔ تم گئے۔ تو گئی۔ تم گئیں۔ میں گیا۔ ہم گئے۔ میں گئی۔ ہم گئیں۔

افعال متعدی میں غائب کی صورتیں بدل جاتی ہیں۔ واحد غائب میں کہتے ہیں۔ اس نے یا ان نے کہا۔ جمع میں انہوں نے اور جب جمع میں مرجع ☆ (☆ جس کی طرف ضمیر پھرے) ضمیر ظاہر کیا جاتا ہے تو بجائے انہوں کے ان بولتے ہیں۔ جیسے ان لوگوں نے کہا۔ ان حقیقت میں ضمیر جمع ہے۔ مگر مقام ادب میں واحد پر بھی استعمال کرتے ہیں جیسے ان بزرگ نے تو یوں نہیں فرمایا۔

...کرہ:

ضمیر وہ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ قدما جمع میں وے بولتے ...ب متروک ہے۔

دوسری حالت مفعولیت جس کو فعل سے مفعولیت کا تعلق ہو جیسے:

...اس کو	ان کو	تجھ کو	تم کو	مجھ کو	ہم کو
...یا	یا	یا	یا	یا	یا
...اُسے	انھیں	تجھے	تمھیں	مجھے	ہمیں
...یا	یا	یا	یا	یا	یا
...اس کے	اُن کے	تیرے	تمھارے	میرے	ہمارے
...تئیں	تئیں	تئیں	تئیں	تئیں	تئیں
...بچایا	بچایا	بچایا	بچایا	بچایا	بچایا

تیسری حالت اضافت۔ جب ضمیر سے کسی چیز کو کسی طرح کا لگاؤ ہو۔ جیسے اس کا ...گھوڑا۔ ان کا گھوڑا۔ تیرا گھوڑا۔ تمہارا گھوڑا۔ میرا گھوڑا۔ ہمارا گھوڑا۔

چوتھی حالت صفت۔ جب ضمیر کسی صفت کا موصوف واقع ہو۔ جیسے شعر

...ل ہے مجھ ناتواں کی مرغ بسمل کی تڑپ ہر قدم پر ہے یقیں یاں رہ گیا واں رہ گیا

...کرہ:

آپ یا خود کبھی ضمیر اور کبھی اسم ظاہر کی تاکید کے لیے آتے ہیں جیسے وہ آپ آیا وہ خود ...وہ آپ آگیا۔ حامد خود گیا۔

...کرہ:

اپنا جو واحد مذکر کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اپنے بیائے مجہول جو جمع مذکر کے ...آتا ہے اور اپنی بیائے معروف جو مونث کے لیے بولتے ہیں مقام خصوصیت میں تنہا ...استعمال کیے جاتے ہیں یعنی ان کے ساتھ لفظ آپ یا خود تاکید کے لیے نہیں آتا۔ جیسے ''اپنا

وطن سب کو عزیز ہے" "اپنی گلی میں کتا بھی شیر ہوتا ہے۔" بعض مقامات میں ان کی تکرار واجب ہوتی ہے جیسے سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ سب اپنی اپنی کتابیں لے گئے۔ مصرع

ہے اپنا اپنا مقصد جدا نصیب جدا

چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں جانور اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

فائدہ:

بعض اوقات جب کہ ایک اسم ظاہر یا ضمیر ایک فعل کی فاعل ہو اور وہی مفعول بھی ہو تو مفعول کے لیے نہ اسم ظاہر کا اعادہ کرتے ہیں نہ ضمیر کا بلکہ اس کی جگہ اپنے کو یا اپنے تئیں استعمال کرتے ہیں۔ جیسے حامد نے اپنے کو یا اپنے تئیں بے قصور ثابت کیا۔ زید نے اپنے کو یا اپنے تئیں ہلاک کیا اور اگر اس ضمیر کا کوئی مضاف ہو اور مضاف اور مضاف الیہ مل کر فعل مذکور کا مفعول ہو تو مضاف کی وحدت وجمع اور تذکیر و تانیث کے لحاظ سے اپنا یا اپنے یا اپنی کہتے ہیں۔ جیسے اس نے اپنا سبق پڑھا۔ انہوں نے اپنے گھوڑے بیچے۔ احمد نے اپنی کتاب دیکھی۔ اگر مضاف کے ساتھ کو علامت مفعول ہو تو اپنا کی جگہ اپنے بولتے ہیں۔ جیسے اس نے اپنے گھوڑے کو دیکھا۔

اس مقام میں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ ایسے موقعوں پر اپنا اپنی وغیرہ اصل میں اُس کا اُس کے اُس کی اُن کا اُن کی۔ تیرا تیرے تیری۔ تمہارا تمہارے تمہاری۔ میرا میرے میری۔ ہمارا ہماری تھا۔ مثلاً وہ اپنا سبق پڑھے وہ اپنے گھوڑے لائیں۔ وہ اپنی کتاب لائے تم اپنے گھر جاؤ۔ ہم اپنا کام کریں حقیقت میں یوں تھا۔ وہ اس کا سبق پڑھے۔ وہ اُن کے گھوڑے لائیں وہ اس کی کتاب لائے تم تمہارے گھر جاؤ۔ ہم ہمارا کام کریں۔ علیٰ ہذا القیاس روزمرہ میں اس کا تمہارا ہمارا وغیرہ اپنا اپنے وغیرہ سے بدل گیا۔

کبھی بجائے ضمیر مضاف الیہ متکلم کے بوجہ خصوصیت اپنا وغیرہ بولتے ہیں اور اس سے کلام میں زیادہ خوبی پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے شعر

حیف کہتے ہیں ہوا تاراج گلزار جہاں آشنا اپنا بھی واں اک سبزہ بیگانہ تھا

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

دونوں شعروں میں بجائے ہمارا کے اپنا استعمال کیا گیا ہے۔

''آپ سے آپ'' کا محل استعمال بھی دیکھو۔ظفر

کام ہے وقت پہ موقوف جب آجائے ہے وقت تو وہ ہو جائے ہے اس وقت ظفر آپ سے آپ

آپ سے آپ کی جگہ خود بخود بھی بولتے ہیں۔غالب

اللہ رے ذوق دشت نوردی کہ بعد مرگ ملتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤں

حالت فاعلیت

وہ آپ آیا۔وہ خود آیا

وہ آپ آئے۔وہ خود آئے

تو نے آپ کہا تھا۔تو نے خود کہا تھا

آپ نے کہا تھا۔خود تو نے کہا تھا

تم نے آپ کہا تھا۔تم نے خود کہا تھا

آپ تم نے کہا تھا۔خود تم نے کہا تھا

میں نے آپ کہا تھا۔میں نے خود کہا تھا

آپ میں نے کہا تھا۔خود میں نے کہا تھا

ہم نے آپ کہا تھا۔ہم نے خود کہا تھا

آپ ہم نے کہا تھا۔خود ہم نے کہا تھا۔

حالت مفعولیت

میں نے خود اس کو دیا۔میں نے خود ان کو دیا

اس نے آپ (یا خود)۔اپنے کو دیا اپنے تئیں ہلاک کیا

میں نے خود تجھ کو دیا۔میں نے خود تم کو دیا

اس نے خود مجھ سے کہا۔اس نے خود ہم سے کہا

حالت اضافت

اس کی اپنی کتاب تھی۔ اس کا اپنا قلم تھا

تیرا اپنا تھا۔ تمہارا اپنا تھا

میرا اپنا☆ تھا۔ ہمارا اپنا تھا

فائدہ:

حالت مفعولیت اور اضافت کی مثالوں میں تم نے دیکھا ہے کہ وہ اس سے بدل گیا ہے اس کا قاعدہ بھی معلوم کر لو ضمیر فاعلی غائب (وہ) کے بعد جب ان حرفوں۔ میں۔ سے۔ کو۔ تلک۔ پر۔ کا۔ کے۔ کی۔ نے۔ والا۔ میں سے کوئی حرف آئے تو واحد میں اس اور جمع میں اُن سے بدل جائے گی۔ لیکن لفظ نے کے ساتھ ضمیر واحد دو طرح سے آتی ہے۔ اس نے۔ ان نے اور جمع میں انہوں نے کہتے ہیں۔ بعض اہل قواعد نے ان حروف کا نام حروف مغیرہ رکھا ہے۔ ہمارے نزدیک حروف عاملہ کہنا زیادہ موزوں ہے اس لیے ہم آگے ان کو حروف عاملہ سے تعبیر کریں گے اور یاد رکھو کہ ہر حرف جداگانہ کو حروف عامل کہنا چاہیے۔ یعنی میں حرف عامل ہے۔ سے حرف عامل ہے۔

فائدہ:

جب ضمیر واحد حاضر اور واحد متکلم یعنی تو اور میں کے بعد حروف عاملہ میں سے میں سے

☆ غالب۔ میرا اپنا جدا معاملہ ہے اور کے لین دین سے کیا کام۔ جمع کے مقام پر اپنا اپنے ہو جاتا ہے۔ جیسے مولوی نذیر احمد صاحب قرآن مجید کے ترجمہ میں لکھتے ہیں جو (منافق ان کے اپنے اصرار سے) پیچھے چھوڑ دیئے گئے۔ رسول خدا کے خلاف رائے اپنے گھروں میں بیٹھ رہنے سے بہت خوش ہوئے (سورہ توبہ آیت ۸) سید فضل الحسن حسرت موہانی لکھتے ہیں کہ اظہار خصوصیت کے واسطے اپنا کا استعمال غلط ہے اور ان سندوں میں سے شعر کی نسبت تو لکھتے ہیں کہ اس میں اپنا دوسرے معنوں میں استعمال کیا گی ہے۔ جن کا تعلق ایک خاص محاورے سے ہے اور نثر کی سند یعنی مولوی نذیر احمد صاحب کے کلام کو غلط قرار دیتے ہیں مطلب یہ کہ اس کی اپنی کتاب اور اس کا اپنا قلم حسرت کے نزدیک خلاف محاورہ اردو ہے۔)

کو جگہ پر آئے یا ان ضمیروں کے بعد ان کی صفت میں کوئی حرف عامل حائل ہو تو ان کی شکل مثل ضمیر مفعول کے ہوگی۔ جیسے تجھ میں۔ مجھ میں۔ مجھ خاکسار نے۔ تجھ شوخ مزاج نے۔

شعر

مجھ میں اک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں　　تم میں دو وصف ہیں بدخو بھی ہو خودکام بھی ہو

اضمار قبل الذکر:

جس چیز کی ضمیر پھرتی ہے اسے مرجع کہتے ہیں۔ مرجع ضمیر سے پہلے ہونا چاہیے مگر نظم میں کبھی ضمیر مرجع سے پہلے آتی ہے۔ اس کو اضمار قبل الذکر کہتے ہیں۔ اضمار قبل الذکر کے معنی ہیں مرجع کے ذکر سے پہلے ضمیر کو راجع کرنا۔ آتش کہتے ہیں۔

جیاں اس کی بنا کر میں کروں روشن چراغ　　باد سے اڑ کر بجھا دے گر مرا دامن چراغ

اس شعر میں اس اسم ضمیر کا مرجع دامن ہے جو دوسرے مصرع میں ہے۔ ناسخ

کون سی طرز سخن ہے جو اسے آتی نہیں　　کیوں نہو شاگرد ہے ناسخ ہر اک استاد کا

یہاں اسے کا مرجع ناسخ ہے جو مصرع ثانی میں مذکور ہے۔ ان دونوں شعروں میں اضمار قبل الذکر ہے۔

نکتہ:

اضمار قبل الذکر میں یہ نکتہ ہوتا ہے کہ ضمیر بے ذکر مرجع سن کر سامع کی طبیعت میں کلام کے سننے کا انتظار اور شوق پیدا ہوتا ہے اور وہ اس کو نہایت توجہ سے سنتا ہے اور جب کلام میں مرجع کا ذکر آتا ہے تو اس کو ایک طرح کا لطف حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ جو چیز انتظار اور شوق کی حالت میں حاصل ہوتی ہے۔ اس کی لذت اور لطف و حظ زیادہ تر ہوتا ہے۔

(۳) اسم اشارہ

معرفے کی تیسری قسم:

اسم اشارہ وہ اسم ہے جس سے کسی شخص یا چیز کی طرف اشارہ کریں۔ جس شخص یا چیز کی طرف اشارہ کرتے ہیں اسے مشار الیہ کہتے ہیں۔ مشارٌ الیہ ایک اسم نکرہ ہوتا ہے جو اشارے

کے سبب معین ہو جاتا ہے۔ مشارٌ الیہ پاس یا سامنے ہو تو یہ سے اشارہ کرتے ہیں۔ اور اگر دور یا غائب ہو تو وہ سے یعنی یہ اشارہ قریب کے لیے ہے اور وہ اشارہ بعید کے لیے۔ ان کا استعمال واحد اور جمع میں یکساں ہے۔ ایک کی طرف بھی یہ یا وہ سے اشارہ کرتے ہیں۔ ایک سے زیادہ کی طرف بھی۔ کبھی نظم میں یہ کی جگہ یے اور وہ کی جگہ وو استعمال کرتے ہیں۔

مدو جزر اسلام

نمونے یہ اعیان و اشراف کے ہیں　　سلف ان کے وہ تھے خلف ان کے یے ہیں

عبارت میں مشارہ الیہ کے قرب و بعد کے لحاظ سے یہ اور وہ لاتے ہیں۔ شعر

وہ کہے صل علے یہ کہے سبحان اللہ　　دیکھے مکھڑے پہ جو تیرے مہ و اختر سہرا

اس شعر میں یہ کا مشارٌ الیہ مہ ہے۔ اور وہ کا اختر کیونکہ یہ سے مہ قریب ہے اور وہ سے اختر دور۔

اسمائے اشارہ میں جب زور دینا مقصود ہوتا ہے تو ہی کا لفظ زیادہ کرتے ہیں مگر نثر میں وہ ہی یا یہ ہی نہیں کہتے۔ وہ اور یہ کی ہ کو حذف کر کے وہی اور یہی کہتے ہیں۔ نظم میں کبھی وہ ہی اور یہ ہی ☆ بھی استعمال کر لیتے ہیں۔

کبھی رتبے کے لحاظ سے بھی ادنیٰ کو قریب اور اعلیٰ کو بعید قرار دیتے ہیں۔ جیسے ''کہاں یہ کہاں وہ۔'' یعنی اس کو اُس سے کچھ نسبت نہیں۔ ایک شاعر دوسرے شعرا کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

کہاں میں اور کہاں وہ اہل ادراک　　چہ نسبت خاک را با عالم پاک

فاعل:

دیکھو وہ تارا کیسا چمک رہا ہے۔

مفعول:

☆ سید فضل الحسن حسرت لکھتے ہیں کہ وہ ہی اور یہ ہی کا استعمال قطعات متروک ہے۔ عجب نہیں کہ ایسا ہی ہو ہم نے یہ الفاظ اساتذہ کے کلام میں دیکھے ہیں اور ضرورت شعری اب بھی ان کو جائز رکھتی ہے۔

قلم تو میں تم کو نہیں دینے کا۔

اضافت:

اس جانور کی آواز کیسی دل کش ہے۔

دیکھو اضافت میں یہ اس سے بدل گیا۔ اسی طرح یہ یہی وہ وہی۔ فاعل و مفعول میں بھی اس۔ ان۔ اُسے۔ اُنھیں۔ اس۔ ان۔ اسے۔ انہیں سے بدل جاتے ہیں۔ یعنی فاعل میں جب ماضی مطلق کے ساتھ نے آئے اور مفعول کے ساتھ جب علامات مفعول کو سے ہوں۔

عام قاعدہ:

یہ ہے کہ جب اسماء اشارہ کے بعد حروف عاملہ آتے ہیں تو وہ ضمیر فاعلی غائب کی طرح بدل جاتے ہیں۔ حروف عاملہ کے علاوہ وہ اسم بھی جو مکان یا زمانے کے معنوں میں ہیں۔ جیسے گھر۔ جگہ۔ پاس۔ رات۔ دن۔ گھڑی۔ مہینہ۔ برس وغیرہ اور اسی طرح قدر۔ طرح۔ وضع۔ شکل۔ صورت۔ بہت سے الفاظ حروف عاملہ کا عمل کرتے ہیں۔ ایسے الفاظ کا نام توابع عامل ہے۔ اور ہر حرف جداگانہ کو حرف عامل کہنا چاہیے۔

جس طرح یہ اور وہ میں قرب و بعد ہے۔ اسی طرح اس اور اُس اور اِن اور اُن میں ہے۔ مومن

اُف رہے سوز نالہ واللہ رے سیلاب سرشک
اس سے تر روئے زمیں اُس سے سمندر خشک ہو

یہاں اِس کا اشارہ سیلابِ سرشک کی طرف ہے جو قریب ہے اور اس کا سوز نالہ کی طرف جو بعید ہے۔ حالی

دین اور فقر تھے کبھی کچھ چیز
اب دھرا کیا ہے اُس میں اور اِس میں

اسم اشارہ محذوف نہیں ہو سکتا۔ ہاں ایک دفعہ ذکر کر دیا جائے تو کلام میں بار بار نہیں لاتے۔

اسم اشارہ اور مشارٌ الیہ عموماً بلا فصل آتے ہیں اور اسم اشارہ پہلے ہوتا ہے جیسے یہ گھر۔ یہ درخت۔

مگر کبھی نظم میں مشارٌ الیہ پہلے آتا ہے اور اسم اشارہ پیچھے جیسے

کہا گر مری بات یہ دل نشیں ہے — تو سن لو خلاف اس میں اصلاً نہیں ہے

کبھی کلام میں مشارٌ الیہ نہ پہلے مذکور ہوتا ہے نہ اسم اشارہ کے ساتھ آتا ہے پیچھے شعر

اس سے طوفان اُٹھا اُس نے گرائی بجلی — چشم نے آہ شرر بار نے سوئے دریا

آتش

رات بھر جلتا ہے یہ آٹھواں پہر جلتا ہے وہ — دل کو دیکھے اور اپنا سینۂ آہن چرخ

حالی

مطمئن اس سے مسلماں نہ مسیحی نہ یہود — دوست کیا جانیں کہ یہ چرخ کہن کس کا ہے

اس طرح پر مشارٌ الیہ کا ذکر پیچھے کرنے میں وہی نکتہ ہے جو ضمیر اور مرجع کے بیان میں مذکور ہوا۔ کبھی مشارٌ الیہ مقدر ہوتا ہے۔ جیسے شعر

صبر و سکوں سے ہم کو یہ بھی نبیڑنے دے — تھوڑی سی رہ گئی ہے اے کاہش نہانی

یہاں عمر مقدر ہے۔

مشارٌ الیہ آنکھ کے سامنے ہو تو کلام میں حذف بھی کر دیتے ہیں۔ خریدار کے آگے بزاز کئی قسم کے کپڑوں کے تھان لا کر رکھ دیتا ہے تو وہ اُن میں سے ایک کو انتخاب کر کے کہتا ہے ''ہمیں یہ پسند ہے۔'' باقیوں کو کہتا ہے۔ ''یہ تو اچھے نہیں۔'' کوئی شخص تم سے پوچھتا ہے۔ ''تمہاری یہی کتاب ہے جو کھوئی گئی تھی۔'' تم کہتے ہو۔ ''یہی ہے۔'' کبھی کہتا ہے۔ ''تمہارا قلمدان کہاں ہے۔'' تم ہاتھ کا اشارہ کر کے کہتے ہو۔ ''یہ ہے۔'' لیکن جب صرف انگلی کے اشارے سے بتاؤ گے اور منہ سے کچھ نہیں کہو گے تو ایسا اشارہ ہماری بحث سے خارج ہوگا۔ کیونکہ علم صرف میں الفاظ سے بحث کی جاتی ہے جو منہ سے بولے جاتے ہیں نہ ان اشارات سے جو ہاتھ یا آنکھ وغیرہ سے کیے جاتے ہیں۔ یا جو گونگے بہرے کرتے ہیں۔

کبھی وہی اسی طرح سے کے معنی دیتا ہے۔ بیت

جہالت وہی قوم کی رہنموں ہے — تعصب کی گردن پہ ملت کا خوں ہے

یعنی اُسی طرح سے۔

تو وہ اسے بھی اشارے کا کام دیتے ہیں۔ کسی کے ہاتھ میں قلم ہو یا نہایت قریب میز پر کتاب رکھی ہو تو صاحب قلم و کتاب کہتا ہے۔ اے لو میرا قلم۔ لو میری کتاب۔

یوں کا لفظ بھی اشارے میں استعمال کرتے ہیں "یوں کہو" "یوں مت کہو" "حقیقت یوں ہے" "یہ غلط ہے۔ صحیح یوں ہے۔

اسم اشارہ اور ضمیر میں یہ فرق ہے کہ اشارہ کسی عضو مثلاً ہاتھ آنکھ وغیرہ سے ہوتا ہے ضمیر کا خیال صرف دل میں ہوتا ہے۔

(۴) اسم موصول

معرفے کی چوتھی قسم:

اسم موصول وہ اسم ناتمام ہے کہ جب تک ان کے ساتھ ایک جملہ مذکور نہ ہو کسی جملہ کا جزو تام بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا یعنی اکیلا نہ فاعل ہو سکتا ہے نہ مفعول نہ مبتدا نہ خبر وغیرہ۔ اس کے بعد جو جملہ آتا ہے اس کو صلہ کہتے ہیں۔ اور موصول وصلہ دونوں مل کر جزو جملہ ہوتے ہیں۔ جیسے شعر

ہم نہیں رکھتے کی انبار درم رکھتے نہیں جو غنی ہیں احتیاج بیش و کم رکھتے ہیں

دوسرے مصرع میں جو اسم موصول ہے غنی ہیں صلہ۔ اسم موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر مبتدا ہوا اور احتیاج بیش و کم رکھتے نہیں خبر۔

اسمائے موصولہ کا مفصل بیان علم نحو میں موصول وصلہ کی بحث میں لکھیں گے۔

فائدہ:

اقسام معرفہ مذکورہ میں سے علم اور ضمیر اور اسم اشارہ تو بذات خود معرفہ ہیں لیکن اسم موصول کا یہ حال نہیں۔ وہ بدون صلہ کے کسی شخص یا کسی چیز کی تعیین نہیں کر سکتا اور جس طرح کا اسم موصول معرفہ ہے اسی طرح کے اور اسم بھی معرفہ ہیں۔ مثلاً

(۱) منادیٰ۔ جب کسی کو نام لے کر پکاریں تو اُس کے معرفہ ہونے میں کچھ بھی شک نہیں جیسے میاں عابد! اجی میاں ناظر! لیکن کبھی راہ چلتے آدمی کو بھی پکار لیتے ہیں۔ جیسے شعر

او دامن اٹھا کے جانے والے

ٹک ☆ ہم کو بھی خاک سے اٹھا لے

دامن اٹھا کے جانے والا لفظ کی رو سے معرفہ نہیں ہے۔ مگر چونکہ پکارنے والا ایک خاص شخص کی طرف جو اس کے سامنے دامن اُٹھائے ہوئے چلا جا رہا ہے اشارہ کرتا ہے اس لیے وہ بھی معرفہ ہوا۔ اسی طرح اور صفات سے بھی ندا کرتے ہیں اور سب منادیٰ معرفہ ہو جاتے ہیں۔

(۲) معہود خارجی۔ کوئی عام لفظ جو عبارت میں مذکور ہو مگر اس سے خاص معنی مراد لیے جائیں۔ جیسے مولوی حالی مدو جزر اسلام میں کہتے ہیں ؎

یہ راعی نے للکار کر جب پکارا

راعی چرواہے کو کہتے ہیں اور یہ ایک عام لفظ ہے۔ مگر قائل نے یہاں خاص پیغمبر عربی مراد لیے ہیں۔ اس لیے یہ بھی معرفہ ہے۔

بعض نے معہود ☆☆ ذہنی کو بھی معرفہ قرار دیا ہے۔ مگر ہم کو اس میں کلام ہے۔

(۳) اسم نکرہ جو معرفے کی طرف مضاف ہو۔

نکرہ جب معرفے کی طرف مضاف ہوتا ہے تو وہ بھی معرفہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً تم اپنے نوکر سے کہو "وفادار ہمارا چاقو لانا۔" تو وہ وہی چاقو لائے گا جو تمہارا ہے کسی اور کا نہیں اُٹھا لائے گا۔ کیونکہ چاقو اگرچہ عام ہے مگر ضمیر کی طرف مضاف ہو کر خاص ہو گیا۔ یا مثلاً "آج ہمارے پاس حامد کا بھائی آیا۔" بھائی کا لفظ عام ہے۔ لیکن حامد نے اُس کو خاص کر دیا۔ اب جس طرح جانے والا حامد کو جانتا ہے اسی طرح اُس کے بھائی کو پہچانتا ہے۔

☆ ٹک کا لفظ آج کل متروک ہے۔

☆☆ معہود ذہنی سے وہ لفظ مراد ہے جو عبارت میں مذکور نہ ہو۔ اور متکلم اور مخاطب دونوں کے ذہن میں ہو۔

اسمائے نکرہ

(۱) اسم ذات:

جس نام سے ایک چیز کی حقیقت دوسری چیزوں سے الگ سمجھی جائے اور اُس سے کوئی مفہوم نہ ہو اُس کو اسم ذات کہتے ہیں۔ جیسے اونٹ۔ ہاتھی۔ گھوڑا۔ آگ۔ پانی۔ ہوا۔ آسمان وغیرہ یہ تمام اسم ہر ایک چیز کی حقیقت کو دوسری چیزوں سے الگ کر دیتے ہیں۔

اسم ذات کی قسمیں:

اسم ذات کی پانچ قسمیں ہیں۔

(۱) اسم آلہ

وہ اوزار یا ہتھیار جس کے ذریعے فعل صادر ہو، اردو میں وزن اور صیغے کے لحاظ سے اسم آلہ مطلق نہیں۔ مگر اردو کے اہل قواعد۔ چاقو۔ قینچی۔ قلم۔ توپ۔ تلوار وغیرہ کو اسمائے آلہ کہتے ہیں۔

کبھی دوسرے الفاظ میں کچھ تصرف کر کے اسم آلہ بناتے ہیں۔ جیسے دھونکنی۔ پھکنی۔ (جو اصل میں پھونکنی تھا)۔ بیلن۔ بیلنی۔ چھلنی۔ (جو اصل میں چھاننی تھا)۔ نکیل۔ گھڑیال جو اصل میں ناک اور گھڑی تھی۔

فارسی اور عربی اسماء آلہ بھی اردو میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ جیسے قلم تراش۔ جاروب رومال۔ مقراض۔ میزان۔ مسواک۔ مضراب۔ مقیاس۔ معیار۔ مسطر۔ محک۔

(۲) اسم ظرف

اسم ظرف اس اسم کو کہتے ہیں جس کے معنی جگہ یا وقت کے ہوں۔ یہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو مطلق جگہ یا وقت پر دلالت کرے۔ جیسے گھر۔ گلی۔ گاؤں۔ شہر۔ ملک۔ صبح۔ شام۔ رات۔ دن۔ اس قسم کے اسموں میں سے جو اسم مطلق زمانہ پر دلالت کرے اسے اسم

زمان اور جو مطلق مکان پر دلالت کرے اسے اسم مکان کہتے ہیں۔

دوسرے جو کسی خاص چیز کی جگہ پر دلالت کرے۔ جیسے ٹکسال اور پھلواڑی ٹکسال اس جگہ کو کہتے ہیں۔ جہاں سکے روپے۔ اشرفیاں بنتی ہیں۔ پھلواڑی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پھولوں کے پودے لگے ہوئے ہوں۔ اس قسم کے اسموں کو اسم ظرف کہتے ہیں۔

کبھی مصدر بھی اسم ظرف کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسے جھرنا پانی جھرنے کی جگہ۔ فارسی اور عربی کے بہت سے اسم ظرف اردو میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ جیسے ہندوستان۔ افغانستان۔ گلستان۔ گلزار۔ گلشن۔ زرخیز۔ حرم سرائے۔ دولت سرائے۔ عشرت سرائے۔ کتب خانہ۔ عبادت خانہ۔ شفاخانہ۔ بت خانہ۔ کارخانہ۔ رود بار۔ جوئبار۔ عید گاہ۔ نشست گاہ۔ قلمدان۔ عطردان وغیرہ۔ دان اگرچہ فارسی لفظ ہے۔ مگر کبھی اردو کے اسموں کے آخر میں بھی ظرفیت کے لیے آتا ہے جیسے پاندان۔ خاصدان (گلوری رکھنے کا ظرف۔) پیک دان۔ ظرف اگر چھوٹی چیز ہو تو اسم ظرف میں دان پر ئی ے معروف زیادہ کر دیتے ہیں۔ جیسے چونے دانی۔

عربی اسمائے ظرف کے اول میں میم مفتوح ہوتا ہے جیسے محفل۔ مجلس۔ مسجد۔ مشرق۔ مغرب۔ مدرسہ۔ مکتب۔ منبع وغیرہ۔

ظرفِ زمان اور ظرفِ مکان

بعض الفاظ ایسے ہیں کہ وہ نہ وقت کا نام ہیں نہ جگہ کا۔ لیکن ان میں ظرفیت کے معنے پائے جاتے ہیں۔ جیسے جہاں۔ جس جگہ۔ جہاں جہاں۔ جب۔ جس دم۔ جب جب۔ جس وقت تو جو وقت پر دلالت کرے اس کو ظرف زمان کہتے ہیں اور جو جگہ پر دلالت کرے اس کو ظرف مکان۔

(۳) اسم صوت

اسم صوت وہ لفظ ہے جس سے ذی روح یا غیر ذی روح کی آواز بیان کریں جیسے ذ ذ کھلکھلا کر ہنسنے کی آواز۔ ٹل ٹل ٹل ٹل صراحی میں سے پانی نکلنے کی آواز۔ کائیں کائیں

کے کی آواز۔ میاؤں بلی کی آواز۔ چھم چھم چھم چھم مینہ برسنے کی آواز خواجہ حالی برکھارت میں لکھتے ہیں ۔

کرتے ہیں پپیہے پیہو پیہو اور مور جھنکارتے ہیں ہر سو

سید محمد مرتضٰی بیان برکھارت میں لکھتے ہیں

پڑتی ہیں بوندیں جھل مل جھل مل ہنستی ہیں کلیاں کھلکھل کھلکھل

پھرتی ہیں کرتی ہر پھر چڑیاں اڑتی ہیں پھر پھر پھر چڑیاں

ظفر

ذرا بھی سینۂ صد چاک میں جو تڑ پادل تو ٹوٹ جاتے ہیں تار رفو تڑاق پڑاق

بعض الفاظ ایسے ہیں جن سے کسی چیز کی آواز بیان نہیں کرتے بلکہ جانوروں کے ہانکنے وغیرہ میں بولے جاتے ہیں۔ جیسے دھت دھت۔ بری بری۔ ہاتھی کے ہانکنے اور بٹھانے کے لیے بولتے ہیں۔ ان کو بھی اسم صوت کہتے ہیں۔

(۴) اسم مصغر

جس اسم کے معنوں میں اصلی حالت کی نسبت چھٹائی پائی جائے اس کو اسم مصغر کہتے ہیں مصغر اسموں کے آخر میں زیادہ تر یائے معروف اور اس سے کم الف ہوتا ہے جیسے پہاڑ۔ پہاڑی۔ پیالہ۔ پیالی۔ بالا۔ بالی۔ لوٹا۔ لٹیا۔ ڈبا۔ ڈبیہ۔ بیٹی۔ بٹیا۔ ان کے علاوہ چند اور علامتیں بھی ہیں۔ جو بہت کم استعمال کی جاتی ہیں۔ جیسے پلنگ۔ پلنگڑی۔ ٹانگ۔ ٹنگڑی۔ صحن۔ صحنچی۔ کھاٹ۔ کھٹولا۔ کونڈا۔ کنڈالی۔ ٹٹو۔ ٹٹوا۔ مرد۔ مردوا۔

فارسی اسم مصغر بھی اردو میں مستعمل ہیں۔ جیسے باغچہ باغیچہ۔ کوچہ۔ دیگچہ۔ بغچہ۔ مردک۔ فارسی میں دہل کا مصغر دہلک ہے۔ اردو میں ان کی جگہ ڈھول اور ڈھولک ہے۔

مقامات استعمال۔

(۱) اکثر تو اس سے حقیقت میں چھٹائی مقصود ہوتی ہے۔

(۲) کبھی تحقیر جیسے مردوا۔ (یہ لفظ اکثر مستورات بولتی ہیں۔)

(۳) کبھی چھوٹے کے لیے پیار اور شفقت سے۔ جیسے بچونگڑا (بچے کا مصغر ہے اور یہ

لفظ اہل دہلی بولتے ہیں۔)

(۵) اسم مکبّر

جس لفظ کے معنوں میں اصلی حالت کی نسبت بڑائی پائی جائے اس کو اسم مکبّر کہتے ہیں جیسے بات۔ بتنگڑ۔ پگڑی۔ پگڑ۔ چھتری۔ چھتر۔

بعضے لفظ دوسرے لفظوں سے مل کر بڑائی کے معنی پیدا کرتے ہیں۔ جس اسم میں بڑائی کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ وہ اسم مکبّر ہے۔ اردو میں لفظ بڑا بڑائی کے معنی پیدا کرتا ہے جیسے بڑا پہلوان۔ بڑا استاد۔ بڑا بادشاہ وغیرہ۔

یاد رکھو کہ بڑا کا لفظ جب صفت پر واقع ہوتا ہے تو مبالغے کے معنی دیتا ہے (مبالغے کا ذکر آگے آئے گا۔)

فارسی اسم مکبّر بھی اردو میں بے تکلف بولے جاتے ہیں مثلاً۔ شاہنشاہ۔ شاہراہ۔ شاہ راہ شاہ بیت۔ شاہ فرد۔ شاہباز۔ شہسوار۔ شہتوت وغیرہ۔

(۶) اسمائے کنایہ

جب کلام میں کسی کا نام صراحتاً لینا یا کسی تعداد کو کھول کر بیان کرنا نہیں چاہتے یا کسی مطلب کو مختصر کرنا منظور ہو رہا ہے تو مبہم سے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ایسے الفاظ اسماء کنایہ کہلاتے ہیں۔

کسی کا صریح نام نہیں لینا ہوتا تو وہ یا وہ شخص یا اَمکا۔ ڈھمکا بولتے ہیں۔ اَمکا ڈھمکا اردو میں وہی ہے جو فارسی میں فلاں وہماں ہے۔ ایسا تیسا میں تحقیر پائی جاتی ہے۔ رباعی

جب تک تھے گرہ میں احمقوں کے پیسے   سب کہتے تھے اُن کو آپ ایسے ایسے
مفلس جو ہوئے تو پھر کسی نے اے ذوق   پوچھا نہ کہ تھے کون وہ ایسے ویسے

اس رباعی کے شعر اول میں ایسے ایسے بھی بمقام کنایہ مستعمل ہوئے ہیں ''اس کی ایسی تیسی'' فلاں فلاں اردو میں بھی بولے جاتے ہیں۔ مثلاً فلاں شخص وہاں تھا۔ فلاں نہ تھا۔ یا فلاں فلاں شخص وہاں موجود تھے۔

فلاں کا لفظ اپنے لیے بھی بولتے ہیں۔

کبھی کسی کا نام ظاہر کرنا منظور نہیں ہوتا تو الفاظ تنکیر بولتے ہیں۔ مرزا غالب کہتے ہیں۔

سر زیر بار منت دربان کیے ہوئے ..... جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں

امکا۔ ڈھمکا کے ساتھ وہ۔ وہ شخص جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ

اسمائے اشارہ بھی اسمائے کنایہ کا کام دیتے ہیں۔ ذوق

جو تو مانگے گا تجھے دوں گا خدا وہ دن کرے ..... یاں کے آنے کا مقرر قاصد او وہ دن کرے

گالیاں وہ مجھے سناتا ہے ..... میں جو اُس کو سلام کرتا ہوں

اختصار مطلب کی مثال سنیے۔ ذوق

ستاروں میں کیا کیا چناں اور چنیں ہے ..... چی تو نے افشاں جو اے مہ جبیں ہے

اتنا اتنے وغیرہ تعداد کے اجمال کے لیے آتے ہیں۔ جیسے ''اتنا روپیہ کافی نہیں'' ''اتنے آدمی اس کام کو سرانجام نہیں کر سکتے۔''

اسم نکرہ کی اقسام میں سے مصدر حاصل مصدر اسم فاعل اسم مفعول اسم معاوضہ اسم حالیہ کا حال پہلے بیان ہو چکا۔

(۳) اسمائے استفہام

وہ اسم ہیں جو پوچھنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔

کون۔ کس۔ کتنا۔ کتنے۔ کتنی۔ کے۔ کیا۔ کونسا۔ کونسی۔ کیسا۔ کیسی۔ کب کب کب۔ کہاں کہاں کہاں۔ کدھر۔

وہ کون ہے؟ کس نے تم سے کہا۔ یہ مکان کتنا اونچا ہے؟ اس کمشنری میں کتنے ضلع ہیں؟ اس ضلع میں کتنی تحصیلیں ہیں؟ یہ عمارت کتنی بلند ہے؟ تم کے بھائی ہو؟ حامد نے کیا کہا؟ یہ کون سا انداز کلام ہے؟ آج کون سی تاریخ☆ ہے؟ وہ کیسا ہے؟ زید کب گیا اور کہاں گیا۔ مبر

☆ مولوی حیدر علی صاحب لکھنوی فرماتے ہیں کہ ''کونسی تاریخ کہنا چاہیے۔ بیشک لکھنو میں کونسی بولتے ہوں گے۔ مگر اہل دہلی کون سی تاریخ یا کیا تاریخ بولتے ہیں۔

انشاء اللہ خاں ۔

تم جو کہتے ہو مجھے تو نے بہت رسوا کیا — کیا گنہ کیا جرم کیا تقصیر میں نے کیا کیا؟
کیا کہا کس سے کہا کس نے سنا کب کس گھڑی — کس جگہ کس وقت کس دم آپ کا چرچا کیا؟
واسطہ باعث سبب موجب جہت کچھ بات بھی؟ — راز وہ کمبخت کیا تھا میں نے جو افشا کیا؟
بند آنکھیں کیے جاتا ہے کدھر تو کہ تجھے — ہے ترا نقش قدم چشم نمائی کرتا

کون انسان کے لیے آتا ہے۔ کیا حیوانوں اور چیزوں کے لیے۔ کبھی کیا انسان کے لیے بھی آجاتا ہے۔ اس کی صورت دیکھو۔ بیت

کہ کل کون تھے آج کیا ہو گئے تم — ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے تم

کون سا عام ہے۔ انسان کے لیے بھی آتا ہے اور حیوانوں اور چیزوں کے لیے بھی۔ کے تعداد کے لیے۔ کتنا مقدار کے لیے۔ کتنے اور کتنی تعداد اور مقدار دونوں کے لیے۔ کیسا صفت کے لیے۔ کب اور کب کب ظرف زماں کے لیے۔ کہاں اور کہاں کہاں اور کدھر ظرف مکاں کے لیے۔

کبھی تجاہل عارفانہ سے ایسے شخص یا ایسی چیز کی نسبت سوال کرتے ہیں جس سے خوب واقف ہوتے ہیں اور ایسے طور پر سوال نہایت لطف دیتا ہے۔ جیسے خواجہ میر درد

حیراں آئینہ دار ہیں ہم — کس سے یا رب دو چار ہیں ہم

اسمائے استفہام کے علاوہ حروف استفہام بھی ہیں۔ جو پوچھنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔ ان کا ذکر فصل حروف میں ہوگا۔

(۴) اسم صفت

اسم صفت وہ اسم ہے جس سے کوئی چیز کسی خصوصیت کے ساتھ سمجھی جائے جیسے سچا۔ جھوٹا۔ سیدھا۔ الٹا۔ ہرا۔ سوکھا۔ بھلا۔ بُرا۔ گورا۔ کالا۔ اندھا۔ کانڑاں ☆لنگڑا۔ لولا۔ دیکھو

☆ کانڑاں دلی میں کانے کو کہتے ہیں۔ کانڑاں کے متعلق ایک مزیدار بات بھی سنو۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے منتخب الحکایات میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ”دہلی کالج میں اضلاع میرٹھ۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الفاظ سے جدا جدا خصوصیتیں مفہوم ہوتی ہیں۔ اہل قواعد نے اس کی چار قسمیں قرار دی
صفت مشبہ۔ صفت نسبتی اسم☆☆ عدد۔ صفت عددی☆☆☆۔ مگر ہمارے نزدیک
تفضیل اور اسم مبالغہ بھی اسم صفت کی قسمیں ہیں اب سب کا مفصل حال سنو۔

بجنور۔ سہارن پور۔ مظفر نگر۔ پانی پت۔ گوڑ گانوہ۔ علی گڑھ وغیرہ کے اکثر طلباء پڑھتے تھے۔ اور ان کی بولی میں ایک طرح کی سختی ہوتی تھی۔ ہر ایک حرف کو مشدد بولتے جیسے اٹا۔ روٹی۔ بٹا۔ نون کو ڑون کہتے۔ دانے کو دانڑاں۔ پانی کو پانڑیں۔ کھانے کو کھانڑاں۔ اور دہلی کے لوگ ان کی گفتگو پر ہنسا کرتے تھے۔ ایک شخص ان میں تازہ وارد تھا۔ ہموطنوں نے مل کر اس کو سمجھایا کہ میاں اب تم یہاں آئے ہو تو ذرا زبان سنبھلا کر بولنا۔ ایسا نہ ہو روٹی آٹا کہ بیٹھو۔ اور دلی والوں کو چھیڑنے اور ہنسنے کا موقع ملے۔ یہ سن کر اس شخص نے تشدید کی قسم کھائی اور یہاں تک تخفیف کی مشق بہم پہنچائی کہ واللہ باللہ کتا بلی کو ولا بلا کتا بلی کہنے لگا۔ دلی والے اس تشدید پر اتنا نہیں ہنستے تھے جتنا اس تخفیف پر لوٹ لوٹ جاتے تھے۔''

یہ تو وہی بات ہوئی کہ ایک شخص ق کی جگہ خ بولا کرتا تھا مثلاً وقت کو وخت کہتا طاقت کو طاخت قلم کو خلم قینچی کو خینچی علیٰ ہذا القیاس۔ کسی نے اس سے کہا کمبخت کہیں تو ق بولا کر۔ کہا بہت قوب۔

طبع اول یہ حکایت اتنی ہی لکھی ہے۔ مگر حکایت پڑھنے کے ساتھ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا تھا کہ دلی والے کھانے کو کھانڑاں کہنے والوں پر تو ہنستے ہیں اور خود کانے کو کانڑاں کہتے ہیں۔ خدا جانے کسی نے مولوی صاحب سے یہ اعتراض بیان کر دیا یا نظر ثانی کے وقت خود ہی خیال آ گیا۔ ترمیم و نظر ثانی کے بعد جو کتاب چھپی ہے۔ اس میں بطور دفع دخل مقدار اتنا اور اضافہ کر دیا ہے کہ اسی طرح وہ بیچارہ نو وارد ایسے کچھ ایسا ڈر سا گیا تھا کہ کانڑیں کو بھی کانا کہتا۔ دلی کے لوگ اس کو اور دونا چھیڑتے۔'' گر حق یہ ہے کہ کانڑیں سے کانا فصیح ہے۔ یہ شیخ مصحفی کا کوئی حریف ظریف کہتا ہے۔ شعر

تھا مصحفی کانا جو چھپانے کو پس از مرگ رکھے ہوئے تھا آنکھ پہ تابوت میں انگلی

☆☆ صفت عددی تو ایک قسم کا اسم عددی ہے اور اسم عدد حقیقت میں اسم صفت نہیں مگر جس طرح صفت کا وجود بغیر موصوف کے نہیں ہوتا۔ اسی طرح عدد بھی بغیر معدود کے پایا نہیں جاتا اسی وجہ سے صفت میں شمار کیا گیا۔

صفت مشبہ

صفت مشبہ اور اسم فاعل میں فرق:

صفت مشبہ اس اسم کو کہتے ہیں جس سے وصف ذاتی یعنی وصفی معنی بطریق دوام سمجھے جائیں صفت مشبہ اور اسم فاعل میں اتنا ہی فرق ہے کہ اسم فاعل میں فعل ایک وصف عارضی ہوتا ہے اور صفت مشبہ میں وصف ذاتی۔ اس فرق کو تم دو تین عربی الفاظ سے خوب سمجھ جاؤ گے عربی میں عالم اور علیم دونوں لفظوں کے معنی ہیں جاننے والا۔ لیکن عالم وہ جاننے والا ہے جس کو کسی کے بتانے سکھانے سے کسی بات کا علم ہوا ہو اور علیم ایسے جاننے والے کو کہتے ہیں جو بغیر کسی کے بتانے کے جانتا ہے اور جاننے کی صفت اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ ان دو لفظوں میں عالم اسم فاعل ہے۔ علیم صفت مشبہ۔ اسی طرح سامع و سمیع دونوں کے معنی ہیں۔ سننے والا۔ لیکن سامع وہ سننے والا ہے کہ ایک شخص کچھ بول یا پڑھ رہا ہو اور وہ سنتا جاتا ہو مگر اس کو سمیع نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے کہ سمیع میں سننے کا وصف سننے والے کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور ایسا شخص خدا کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہی سبب ہے کہ عربی زبان میں خدا کی صفات ہمیشہ مشبہ کے وزن پر آتی ہیں۔ مگر یہ ضرور نہیں کہ صفت مشبہ کے لیے موصوف بھی قدیم ہو۔ انسان کو بھی حسین و جمیل وغیرہ کہتے ہیں۔ جس شخص کو حسین و جمیل کہتے ہیں اس میں حسن و جمال اس کی ذات سے لگا ہوا ہوتا ہے یہ نہیں کہ خوبصورتی کا کام کرے تو خوبصورت ہو۔ غرض اسم فاعل میں فعل ایک اختیاری بات ہوتی ہے۔ صفت مشبہ میں لازم پڑھنے والا کسی کو اس وقت کہا جائے گا۔ جب وہ پڑھے۔ لیکن سخی اور بخیل کو ہر وقت سخی اور بخیل کہیں گے خواہ وہ اس وقت سخاوت اور بخل کر رہا ہو یا نہ کر رہا ہو۔

اردو میں صفت مشبہ بہت کم مشتق ہے۔ جیسے اڑیل۔ ہنسوڑ☆ کہ اڑنا اور ہنسنا سے مشتق ہیں۔

☆ میر انشاء اللہ خاں کہتے ہیں

رات وہ بولے مجھ سے ہنس کہ چاہ میاں کچھ کھیل نہیں
میں ہوں ہنسوڑ اور تو ہے مقطع میرا تیرا میل نہیں

صفت مشبہ میں مذکر کی علامت اکثر الف آخر میں ہوتا ہے۔ جیسے بھلا۔ برا۔ میٹھا۔ کڑوا وغیرہ اور کم تر مقامات میں نہیں ہوتا۔ جیسے اپاہج۔ پھوہڑ۔ اکھڑ۔

بعض الفاظ ایسے ہیں جن کے آخر میں الف ہوتا ہے اور مذکر اور مونث دونوں پر بولے جاتے ہیں۔ جیسے دُکھیا۔ لڑاکا۔

کبھی اسم کے آخر میں الف زیادہ کر کے صفت مشبہ بناتے ہیں جیسے بھوکا پیاسا۔ جھوٹا۔ سچا۔ کبھی حاصل مصدر یا اسم پر حرف نفی لگا کر صفت مشبہ بنا لیتے ہیں جیسے بے ڈر۔ نڈر۔ انمول۔ بے مول۔ کبھی عربی الفاظ کے پہلے حرف نفی اور آخر میں الف☆ سے بڑھا کر۔ جیسے بے فکرا۔ ناشکرا۔ بے وارثا۔

کبھی دو اسموں کی ترکیب سے یہ معنی حاصل ہوتے ہیں۔ جیسے منہ زور۔ ذوقؔ

جی عبادت سے چرانا اور جنت کی طلب — کام چور اس کام پر کس منہ سے اجرت کی طلب

کبھی اسم جامد اور فعل یا اسم مشتق کی ترکیب سے جیسے منہ پھٹ۔ ناک کٹا۔ (جو مخفف ہو کر نکلا ہو گیا ہے۔) دل چلا۔ من چلا۔

کبھی اسم اور فعل امر فارسی کی ترکیب سے۔ جیسے سمجھ دار۔ لوچ دار۔

کبھی مصدر کے الف کو یائے معرف سے بدل کر جیسے حالیؔ

یوں تو آیا ہے تباہی میں یہ بیڑا سو بار — پر ڈرانی☆ ہے بہت آج بھنور کی صورت

فائدہ:

جس اسم صفت کے آخر میں الف یا ہائے مختفی مذکر میں ہو بحالت تانیث ان کی تبدیلی یائے معروف سے ہو گی۔ جیسے اچھا۔ اچھی۔ دیوانہ۔ دیوانی۔ بندہ۔ بندی۔ اور جس اسم کے آخر میں یائے معروف ہو تو نون سے بدل جائے گی۔ جیسے سڑی۔ سڑن۔ جن اسمائے صفت میں یہ علامتیں نہ ہوں۔ ان میں کچھ تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ جیسے لال۔ سرخ۔ سبز۔ نیک۔ بد۔ پھوہڑ وغیرہ۔

☆ کبھی یہ الف زیادہ نہیں بھی کرتے اور بے فکر اور ناشکر وغیرہ بولتے ہیں۔

☆ ڈرانی کی جگہ ڈراونی بھی بولتے ہیں۔

فارسی اور عربی صفتیں بھی اردو میں مستعمل ہیں۔ جیسے سیاہ۔ سفید۔ ترش۔ شیریں۔ رنگین بہادر۔ دلیر۔ خلیق☆۔ حسین۔ جمیل۔ شکیل۔ حکیم۔ حیوان۔ شجاع وغیرہ۔

کبھی دو اسم مفعولوں کی ترکیب اور علامات اسم مفعول کے حذف سے صفت شبہ بن جاتی ہے۔ جیسے پڑھا لکھا۔

صفت نسبتی

صفت نسبتی اس اسم کو کہتے ہیں جس کے ساتھ حرف نسبت ہوتا ہے۔ اور جب کسی شخص یا چیز پر بولا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص یا چیز کو اس اسم سے کچھ نسبت اور تعلق ہے۔ جیسے ہندی پنڈت۔ معلوم ہوا کہ پنڈت کو ہندوستان سے رہنے کا علاقہ ہے عربی گھوڑا۔ معلوم ہوا کہ گھوڑے کو عرب سے نسل اور اصل کا تعلق ہے۔ بنارسی دوپٹا معلوم ہوا کہ دوپٹے کو بنارس میں بننے کی نسبت ہے۔ دریائی جانور۔ معلوم ہوا کہ جانور کو دریا میں رہنے کا تعلق ہے۔ جنگلی درخت۔ معلوم ہوا کہ درخت کو جنگل میں اگنے کا علاقہ ہے۔ کابلی یا کشمیری مشوہ۔ معلوم ہوا کہ میوے کو کابل یا کشمیر میں پیدا ہونے کا تعلق ہے۔ یہ صفت اسم کے اخیر میں اکثر یائے نسبت کے لگانے سے جو معروف ہوتی ہے بنتی ہے۔ جیسا کہ مثالہائے مذکورہ سے ظاہر ہے۔

بعض اسموں میں جو تغیر و تبدل واقع ہوتا ہے ان میں ان قواعد کا اتباع کیا جاتا ہے جو عربی و فارسی میں مروج ہیں اور زیادہ تر تغیر و تبدل عربی و فارسی الفاظ میں کیا جاتا ہے جیسا کہ ذیل کے الفاظ سے معلوم ہوگا۔

(۱) جن ناموں کے آخر میں ہ ماقبل مفتوح ہوتی ہے۔ جب ان میں یائے نسبت لگاتے ہیں تو ہ اکثر حذف ہو جاتی ہے۔ جیسے بنگالہ، بنگالی، مکہ، مکی، کوفہ، کوفی، کپورتھلہ، کپورتھلی اور کبھی واؤ مفتوح سے بدل جاتی ہے جیسے آرہ۔ آروی۔ بٹالہ۔ بٹالوی۔ کاندھلہ۔ کاندھلوی۔ ٹانڈہ۔ ٹانڈوی۔

☆ خلیق اور حسین خ اور ح کے فتح سے ہیں۔ اکثر لوگ جو الفاظ کی صحت سے واقف نہیں ان کے تلفظ میں یہ غلطی کرتے ہیں کہ ان کو خلق اور حسین کے قیاس پر خ اور ح کے ضمے سے بولتے ہیں یاد رہے کہ یہ الفاظ امیر و فقیر کے وزن پر ہیں۔

(۲) اگر آخر میں ہ ہو اور تیسرا حرف ی ہو تو دونوں گر جاتے ہیں۔ جیسے مدینہ۔ مدنی۔ ابو حنیفہ۔ حنفی (حنفی میں ابو حنیفہ کا ابو بھی حذف ہو گیا۔ اس لیے کہ کنیتوں میں کنیت کے لفظ حذف ہو جاتے ہیں۔)

(۳) اسمائے نکرہ میں ہائے مختفی ہمزے سے بدل جاتی ہے جیسے سرمہ۔ سرمئی۔ پستہ۔ پستئی۔

(۴) اگر آخر میں یائے معروف ہو تو واؤ زیادہ☆ کرتے ہیں۔ جیسے علی۔ علوی۔ نبی۔ نبوی۔ غزنی۔ غزنوی۔ دہلوی۔ مگر بمبئی میں صرف ہمزہ حذف کر دیتے ہیں۔ معلوم ہے کہ دہلی کو عموماً دلی کہتے ہیں۔ مگر نسبت میں دہلوی ہی بولتے ہیں۔ دلوی نہیں کہتے البتہ دال کا لفظ بڑھا کر دلی وال کہتے ہیں۔

(۵) کبھی بلا لحاظ ی کے واؤ زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے دم۔ دموی۔

(۶) آخر میں الف ہو تو یائے نسبت سے پہلے ہمزۂ مکسور بڑھاتے ہیں۔ جیسے طلا۔ طلائی۔ خدا۔ خدائی۔ سودائی☆☆ کبھی واؤ زیادہ کرتے ہیں جیسے سما۔ سماوی۔ صفرا۔ صفراوی۔ دنیا۔ دنیاوی۔ کبھی الف کو حذف کر کے واؤ زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے مولا۔ مولوی۔ دنیا۔ دنیوی۔

(۷) اگر آخر میں ایسا الف ہو جو ے کی صورت میں لکھا جاتا ہے تو دونوں طرح جائز ہے۔ جیسے مصطفیٰ۔ مصطفائی۔ مصطفوی۔ مرتضیٰ۔ مرتضائی۔ مرتضوی۔ موسیٰ۔ موسائی۔ موسوی۔ عیسیٰ۔ عیسائی۔ عیسوی۔

☆ بعض لوگ تحریر و تقریر میں بجائے لفظ زیادہ کے ایزاد استعمال کرتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ایزاد کوئی لفظ نہیں ہے اور اس کا استعمال بالکل غلط ہے۔

☆☆ لطیفہ۔ یادگار غالب میں لکھا ہے کہ ایک صحبت میں مرزا (غالب) میر تقی کی تعریف کر رہے تھے۔ شیخ ابراہیم ذوق بھی موجود تھے۔ انہوں نے مرزا رفیع سودا کو میر تقی پر ترجیح دی۔ مرزا غالب نے کہا۔ میں تو تم کو میری ہی سمجھتا تھا مگر یہ معلوم ہوا کہ آپ سودائی ہیں۔"

فائدہ:

عربی قاعدے کے مطابق موسیٰ اور عیسیٰ سے صرف موسوی اور عیسوی آتا ہے۔ موسائی اور عیسائی نہیں آتا۔ اسی طرح مصطفیٰ اور مرتضیٰ سے نہ مصطفائی اور مرتضائی آتا ہے نہ مصطفوی اور مرتضوی۔ بلکہ مصطفیٰ اور مرتضیٰ (بیائے معروف) آتا ہے۔ پس موسائی اور عیسائی اور مصطفائی اور مصطفوی اور مرتضائی اور مرتضوی اہل فارس و ہند کے تصرفات میں۔

(۸) بعض اسما کے آخر سے الف و نون حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے بدخشاں سے بدخشی۔

(۹) بعض میں الف و نون زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے رب ربانی۔ حق حقانی۔ نور نورانی۔ تحت تحتانی۔ فوق فوقانی۔ روح (روحی بھی آتا ہے۔) روحانی۔

(۱۰) لفظ ستاں کو (جو فارسی میں ظرفیت کے معنی دیتا ہے) حذف کر دیتے ہیں جیسے افغانستان سے افغانی۔ ترکستان سے ترکی۔

(۱۱) بعض الفاظ کی نسبت میں خلاف قیاس تصرف کیا گیا ہے۔ جیسے صنعا سے صنعانی رے سے رازی طے سے طائی۔ مرو سے مروزی۔ یمن سے یمانی۔ آرمینیا سے آرمنی۔

فائدہ:

کبھی کسی خاص وجہ سے منسوب ☆ الیہ ایسا مشہور ہو جاتا ہے کہ منسوب کا اصلی نام کوئی بھی نہیں جانتا۔ منسوب الیہ ہی بلا لحاظ نسبت منسوب کا نام ہو جاتا ہے۔ جیسے مصری یہ حقیقت میں کسی چیز کا نام نہیں ہے۔ صفت نسبتی ہے۔ کسی زمانے میں ملک عرب میں مصر سے بہتر مصری اور ممالک سے نہیں جاتی تھی تو چونکہ سب سے اچھی مصری مصر کی وہاں جاتی تھی اس لیے لوگوں نے اس کا نام ہی مصری رکھ لیا۔ اب یہ ایسا نام ہو گیا ہے کہ کسی کا ذہن اس طرف منتقل ہی نہیں ہوتا کہ یہ چیز مصر کی طرف منسوب ہے۔

☆ جس چیز کی طرف نسبت کریں اس کو منسوب الیہ کہتے ہیں۔

اسم عدد

اسم عدد اس کو کہتے ہیں جو چیزوں کی تعداد ظاہر کرے اور جن چیزوں کی تعداد ظاہر کرے انسان ہوں یا غیر انسان ان کو معدود کہتے ہیں۔ جیسے ایک آدمی دو گھوڑے تین کتابیں۔ چار قلمدان۔ ساڑھے سات من چاول۔ پونے دس ماشے سونا۔ سوا چھ گز ململ۔ ان میں ایک دو تین چار ساڑھے سات من۔ پونے دس ماشے۔ سوا چھ گز۔ اسم عدد ہیں اور آدمی۔ گھوڑے۔ کتابیں۔ قلمدان۔ چاول۔ سونا۔ ململ۔ معدود۔

ایک کے سوا تمام اسمائے عدد کے معدود عموماً جمع بولے جاتے ہیں۔ جیسا کہ مثالہائے مذکورے ظاہر ہے۔

نثر میں اسم عدد ہمیشہ مقدم اور معدود موخر آتا ہے۔ مگر نظم میں کبھی معدود پہلے اور اسم عدد پیچھے آتا ہے جیسے مصرع۔ برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن۔ بیت

کہ حق نے زباں ایک دی کان دو کہ ایک جب سن لے انسان دو

کبھی معدود کو محذوف کر دیتے ہیں۔ مثلاً تم پوچھو کہ زید کا مشاہرہ کیا ہے؟ جواب دینے والا جواب دے کہ چالیس۔ یعنی چالیس روپے۔

فائدہ:

پانچ کے ساتھ چھ اور سات اور سو کا لفظ آئے تو چ کو حذف کر کے پان چھ اور پان سات اور پان سو کہتے ہیں۔

فائدہ:

استغراق مقصود ہو یعنی سب کی سب چیزیں مراد ہوں تو اکائیوں میں تین سے لے کر تمام اعداد کے آخر میں واؤ مجہول اور نون غنہ زیادہ کر دیتے ہیں۔ جیسے تینوں چاروں، پانچوں، چھوں، ساتوں وغیرہ یعنی پورے تین۔ پورے چار۔ پورے پانچ وغیرہ دو کے استغراق میں لفظ نون بواؤ مجہول زیادہ کیا جاتا ہے۔ جیسے شعر

دیدہ وُ دل عذاب ہیں دونوں ایک سب آگ ایک سب پانی

بعض اہل زبان نون غنہ نہیں بڑھاتے صرف لفظ نو بڑھا کر دونوں کہتے ہیں مگر یہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں۔

محاورے میں بعض اوقات اسم عدد مکرر آتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ کئی قسم کی کئی چیزیں ہوں اور تم ان کی قیمت دریافت کرنا چاہو اور پوچھو کہ ان چیزوں کی کیا کیا قیمت ہے تو جواب دینے والا جواب دے گا کہ ایک ایک روپیہ۔ یا دس دس روپے۔

تنبیہ:

یاد رکھو کہ ایسے موقع پر جب کہ اسم عدد دو ایسے عدد ہوں کہ ایک اعلیٰ ہو ایک ادنیٰ تو صرف عدد ادنیٰ کو مکرر لائیں گے۔ جیسے ایک سو بیس بیس۔ دو سو اسّی اسّی لیکن اگر سینکڑوں یا ہزاروں یا لاکھوں کی اس طرح تعداد ظاہر کرنی ہو کہ وہ ایک ہے یا دو یا تین وغیرہ۔ جیسے ایک دو ہزار۔ تین لاکھ تو صرف ایک یا دو یا تین وغیرہ کو مکرر لاتے ہیں۔ مثلاً ایک ایک سو۔ دو دو ہزار۔ تین تین لاکھ علیٰ ہذا القیاس۔

فائدہ:

کبھی نظم میں ایک اک ہو جاتا ہے۔ شعر

اٹھایا بار کتب خوب شیخ صاحب نے　　پر اک تو دُم نہ ہوئی ایک یہ کہ سم نہ ہوئے

کبھی اسم عدد سے کثرت کے معنی لیے جاتے ہیں۔ شعر

ہو لاکھ غیروں کا غیر کوئی نہ جاننا اس کو غیر ہرگز　　جو سایہ اپنا بھی ہو تو اس کو تصور اپنا نہ کیجے گا

رات ان کو بات بات پہ سو سو دیئے جواب　　مجھ کو خود اپنی ذات سے ایسا گماں نہ تھا

عدد کسری:

آدھا۔ تہائی۔ چوتھائی۔ پانچواں۔ چھٹا۔ ساتواں۔ آٹھواں۔ نواں۔ دسواں۔ وغیرہ عدد کسری کہلاتے ہیں۔ حروف عاملہ کے آنے سے آدھا اور پانچواں وغیرہ کا پچھلا الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے جیسے آدھے میں پانچویں سے چھٹے کا۔ آدھا ایک کے ساتھ مل کر ڈیڑھ اور دو کے ساتھ مل کر اڑھائی ہو جاتا ہے اور دیگر تمام اعداد کے ساتھ مل کر ساڑھے بولا جاتا ہے۔ جیسے ساڑھے تین ساڑھے چار وغیرہ۔

فائدہ:

نوٹ ☆ کے آدھے ٹکڑے کو ادھا (الف مقصور اور ھا مشدد ہے) کہتے ہیں۔

صفت عددی

صفت عددی وہ اسم صفت ہے جس سے کسی چیز کا شمار درجے یا رتبے میں معلوم ہو اسم عدد اور صفت عددی میں یہ فرق ہے کہ اسم عدد میں مطلق تعداد ہوتی ہے۔ اور صفت عددی میں ترتیب کا لحاظ ہوتا ہے۔ جیسے پہلا۔ دوسرا۔ تیسرا۔ چوتھا۔ پانچواں۔ چھٹا۔ ساتواں۔ آٹھواں۔ نواں۔ دسواں۔ بیسواں۔ تیسواں وغیرہ۔ یہ سب صفات عددی ہیں ''پانچواں'' ہیں اور ''ساتواں'' سے لے کر آگے تمام اعداد میں واں لگایا جاتا ہے۔

فائدہ:

حرف عامل یا تابع عامل کے آنے سے پہلا۔ دوسرا۔ تیسرا۔ چوتھا۔ چھٹا اور واں کا الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے۔ جیسے دسویں شخص نے جمع مذکر کی ضمیر بھی یہی عمل کرتی ہے جیسے مصرع۔ ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں۔

تانیث کی حالت واں کا الف یائے معروف سے بدل جاتا ہے جیسے جون کی بائیسویں تاریخ۔

فائدہ:

صفت عددی کے بعد یہ کا لفظ واقع ہو تو بھی اس میں وہی تبدیلی ہو گی جو اوپر مذکور ہوئی جیسے پہلے یہ دوسرے یہ علیٰ ہذا القیاس۔

اسم تفضیل

جو اسم صفت اپنے موصوف میں دوسری چیز کی نسبت ترجیح ظاہر کرے اس کو اسم تفضیل کہتے ہیں مگر نفس صیغہ اور ہیئت کے لحاظ سے اردو میں اسم تفضیل مطلق نہیں۔ اسم تفضیل کے

☆ وہ کاغذ مراد ہے جو بطور سکہ شاہی رائج ہے اور جس کو کاغذ زر کہتے ہیں۔

یہ معنی نہیں ہیں کہ چند الفاظ کے ذریعہ سے تفضیلی معنی پیدا کیے جائیں۔ جیسا کہ دیگر اہل قواعد نے کیا ہے۔ البتہ عربی اور فارسی کے اسم تفضیل اردو میں مستعمل ہیں۔ جیسے یہ اس سے کمتر ہے۔ وہ اس سے بدتر ہے۔ حامد محمود سے افضل ہے۔

اردو کے اہل قواعد نے جہاں اردو میں اسم تفضیل پیدا کیا ہے وہاں اس کے تین درجے بھی قرار دیئے ہیں۔ مثلاً اچھا۔ بہت اچھا۔ نہایت اچھا۔ یا برا۔ بہت برا۔ نہایت برا۔ پہلے کو تفضیل نفسی کہا ہے۔ دوسرے کو تفضیل بعض تیسرے کو تفضیل کل۔ جس کو ترجیح دیتے ہیں اس کو مفضل کہتے ہیں اور جس پر ترجیح دیتے ہیں اسے مفضل علیہ۔

عربی میں اسم تفضیل فعل کے وزن پر آتا ہے۔ جیسے افضل۔ اکبر۔ اصغر۔ اصلح۔ اسعد۔ مگر اس وزن کے جن صیغوں میں عیب یا رنگ کے معنی پائے جائیں وہ اسم تفضیل نہیں ہیں صفت مشبہ ہیں۔ جیسے احول۔ احمر۔ ابیض۔ اسود۔

فارسی میں تر اور ترین تفضیل کے لیے آتے ہیں۔ جیسے بہتر۔ بدتر۔ نیک ترین۔ کمترین۔ مومن

لاغری سے زندگی مشکل ہوئی　　　ہے گراں تر جان جسم زار سے

اسم مبالغہ

جو اسم صفت اپنے موصوف کے وصف میں زیادتی ظاہر کرے اس کو اسم مبالغہ کہتے ہیں۔ اسم تفضیل اور اسم مبالغہ میں یہ فرق ہے کہ اس میں دوسرے کے مقابل وصف میں ترجیح ہوتی ہے۔ اس میں دوسرے کے مقابلے کا لحاظ نہیں ہوتا۔ بہت بڑا بہت بڑا۔ بڑا ہی نہایت۔ نہایت ہی۔ یہ الفاظ اسم صفت پر واقع ہو کر اسم مبالغہ بنا دیتے ہیں۔ جیسے زید بہت دانشمند ہے۔ بڑا عالم ہے۔ بہت بڑا عالم ہے۔ بڑا ہی عالم ہے۔ نہایت خوش بیان ہے۔ نہایت ہی خوش بیان ہے۔

خوب اور عجب بھی وصف میں زیادتی پیدا کرتے ہیں۔ جیسے حامد تقریر کرنے والا شخص ہے۔ زید عجب نالائق ہے۔

بعض اسمائے صفات میں لفظ پاک بھی مبالغے کے معنی پیدا کرتا ہے۔ جیسے پاک شہدا

پاک بے حیا۔
بعض الفاظ پر سخت کا لفظ داخل ہو کر مبالغے کے معنی دیتا ہے۔ جیسے سخت افسوس کی بات ہے۔ سخت تعجب کا مقام ہے۔
بعضے عربی اسم مبالغہ بھی اردو میں مستعمل ہیں۔ جیسے علام۔ خلاق۔ رزاق۔ غفار۔ رحیم۔ رحمان وغیرہ۔

مذکر و مونث

اصل میں تو نر مذکر ہے اور مادہ مونث مگر جو چیزیں کہ نر اور مادہ نہیں ہیں۔ اہل زبان بولتے ہیں ان کو بھی مذکر یا مونث قرار دے لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زبان کی تذکیر و تانیث میں فرق کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور اردو میں بالخصوص زیادہ مشکل ہے۔ مثال کے طور پر گھن اور دھن کو دیکھو۔ دونوں لفظوں میں حروف کی تعداد اور حرکات و سکنات اور وزن میں کچھ فرق نہیں۔ مگر تذکیر و تانیث کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یعنی گھن مذکر بولا جاتا ہے۔ دھن مونث۔

جن چیزوں میں نر اور مادہ ہونے کی قابلیت نہیں لیکن مونث کر کے بولی جاتی ہیں۔ اگر ان میں منجملہ علامات تانیث (جن کا ذکر آگے آتا ہے) کوئی علامت ہو تو ان کو مونث قیاسی کہتے ہیں۔ جیسے چھڑی۔ ٹوپی۔ حیا۔ وفا وغیرہ اور اگر کوئی علامت نہ ہو تو مونث سماعی جیسے کتاب۔ پنسل اور زیادہ تر دقت ایسے ہی الفاظ میں واقع ہوتی ہے جن میں نر اور مادہ ہونے کی قابلیت نہیں۔

تذکیر و تانیث حقیقی و غیر حقیقی:

جو چیزیں روح حیوانی رکھتی ہیں یعنی جان دار ہوتی ہیں ان کی تذکیر و تانیث کو تذکیر و تانیث حقیقی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ ان میں نر کے مقابل مادہ اور مادہ کے مقابل نر ہوتا ہے اور جو روح حیوانی نہیں رکھتیں ان کی تذکیر و تانیث غیر حقیقی کہلاتی ہے۔ کیونکہ ان میں یہ امر صرف اعتباری ہوتا ہے۔ بعضے جان دار ایسے ہیں کہ بلا امتیاز نر و مادہ مذکر بولے جاتے ہیں جیسے طوطی۔ کوا۔ ہدہد۔ گدھا۔ الو۔ طوطا۔ خرگوش اور بعضے بلا امتیاز نر و مادہ مونث بولے جاتے

ہیں۔ جیسے قمری۔ فاختہ۔ مینا۔ لومڑی۔ چیل۔

بلبل کی تذکیر و تانیث میں اختلاف ہے اکثر اس کو مونث بولتے ہیں اور بعضے مذکر۔

فائدہ:

جان داروں کی تانیث کی اگرچہ علامات بھی مقرر ہیں۔ مگر بعض الفاظ میں تذکیر و تانیث بلا لحاظ علامت صرف معنوں سے پہچانی جاتی ہے۔ یعنی جو لفظ مذکر کے لیے ہوتا ہے اس کو مذکر بولتے ہیں اور جو مونث کے لیے ہوتا ہے اس کو مونث۔ مثالیں بیان آئندہ میں معلوم ہوں گی۔

انسان کی تانیث:

اردو میں انسان کی تانیث کی دو صورتیں ہیں:

اول: نر کے لیے اور لفظ اور مادہ کے لیے اور اس کے مقابل اور لفظ یعنی باختلاف الفاظ و بلا علامت تانیث اور ایسے الفاظ تھوڑے ہیں۔

مذکر	مونث	مذکر	مونث
باپ / باوا	ماں	میاں	بیوی
ابا	اماں	خصم	جورو
بھائی	بہن ☆	سسرا	ساس
داماد	بہو	دولہا	دولہن
مرد	عورت	صاحب	میم
بادشاہ/نواب	بیگم	راجہ/ رائے	رانی
		غلام	لونڈی

دوسرے۔ علامات تانیث کے لگانے سے تانیث ظاہر ہوتی ہے اور اس کے قاعدے

☆ بعض نے بھائی کے مقابل بھابی کو مونث قرار دیا ہے۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ بھاوج بھائی کا جوڑا ہے تو خیر اسے بھی صحیح سمجھ لو۔

ب ذیل ہیں۔

(۱) اگر اسم مذکر کے آخر میں الف ہو تو تانیث میں یائے معروف سے بدل جاتا ہے۔
جیسے بیٹا۔ بیٹی۔ چچا۔ چچی۔ دادا۔ دادی۔ نانا۔ نانی۔

(۲) ہائے مختفی آخر میں ہو تو اس کو بھی ی سے بدل دیتے ہیں۔ جیسے بندہ۔ بندی۔

ذات اور پیشے اور لقب اور قوم اور مذہب کے لحاظ سے پریشان قاعدے ہیں۔

(۱) کہیں تو مذکر کے الف کو یائے معروف سے بدل دیتے ہیں۔ جیسے بھٹیارا۔ بھٹیاری۔ اور کہیں نون سے۔ جیسے سقا۔ سقن۔ جلاہا۔ جلاہن۔

(۲) جس اسم کے آخر میں یائے معروف ہو اکثر نون سے بدلتے ہیں جیسے درزی۔ درزن۔ دھوبی۔ دھوبن۔ تیلی۔ تیلن۔ موچی۔ موچن۔ حلوائی۔ حلوائن۔ نائی۔ نائن۔ فرنگی۔ فرنگن۔ یہودی۔ یہودن۔ مولوی۔ مولون اور کبھی ئے سے پہلے الف نون زیادہ کرتے ہیں جیسے کھتری۔ کھترانی۔

(۳) رائے مہملہ آخر میں ہو تو اکثر یائے معروف زیادہ کرتے ہیں۔ سنار۔ سناری۔ لہار۔ لہاری۔ کمہار۔ کمہاری۔ چمار۔ چماری۔ حلال خور۔ حلال خوری۔ اور کبھی نون۔ جیسے سنار۔ سنارن ☆

(۴) نون آخر میں ہو تو بھی یائے معروف زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے برہمن۔ برہمنی۔

(۵) زائے معجمہ آخر میں ہو تو نون ساکن زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے انگریز۔ انگریزن۔

(۶) الف نون آخر میں ہو تو کہیں صرف یائے معروف زیادہ کرتے ہیں جیسے پٹھان۔ پٹھانی۔ اور کہیں نون اور یائے معروف جیسے مسلمان مسلمانی۔ اور جہاں یہ حروف نہ ہوں وہاں نون ی (نی) یا الف ن۔ ی (آنی) زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے نٹ نٹنی۔ ڈوم۔ ڈومنی۔ شیخ۔ شیخانی مغل۔ مغلانی۔ سید۔ سیدانی ☆☆۔ ہندو کی تانیث میں واؤ حذف ہو کر ہندنی

☆ اہل دہلی تو اس طرح بولتے ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ بعض اطراف میں سنارن کی طرح لہارن اور کمہارن اور چمارن بولتے ہیں۔

☆☆ اس لفظ کا تلفظ بہ تخفیف یا ہے جو بحالت مذکر مشدد تھی۔ میر انیس

سیدانیاں دیتی ہیں محمدؐ کی دہائی　　اعدا میں یہ غل ہے کہ کرو فتح لڑائی

ہو جاتی ہے اور استاد کی تانیث میں دال حذف ہو کر استانی۔

بعض اسم مذکر اور مونث دونوں کے لیے یکساں بولے جاتے ہیں جیسے بچہ۔ لڑک

دار وغہ۔

بعض عربی اور فارسی اور ترکی الفاظ بہ امتیاز تذکیر و تانیث اردو میں استعمال کیے جا

ہیں جیسے:

مذکر	مونث
والد	والدہ
خالو	خالہ
ملک	ملکہ
خادم	خادمہ
داماد	عروس
خان	خانم
بیگ	بیگم
بادشاہ	بادشاہ بیگم
نواب	بیگم

حیوانات کی تانیث:

جانوروں میں اکثر علامات تانیث یائے معروف یا نون ساکن یا لفظ نی پایا ہے۔ اگر مذکر کے آخر میں الف ہو تو مونث میں یائے معروف سے بدل جاتا ہے۔ جیسے مرغا۔ مرغی۔ بلا۔ بلی۔ گھوڑا۔ گھوڑی (چڑیا اور کتیا جو چڑا اور کتا کی مونث ہیں۔ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اور اگر الف نہ ہو تو علامات مذکورہ میں سے ایک علامت ہوتی ہے۔ جیسے کبوتر۔ کبوتری۔ ناگ۔ ناگن۔ شیر۔ شیرنی۔ اونٹ۔ اونٹنی۔ ہاتھی۔ ہتھنی۔ بندر۔ بندریا۔

بعض حیوان ایسے ہیں کہ ان کے مذکر و مونث کے لیے مختلف الفاظ ہیں جیسے بیل گائے۔

بعض لفظ مذکر اور مونث دونوں کے لیے یکساں استعمال کیے جاتے ہیں۔ جیسے بچہ۔ پلا۔

...بے جان چیزوں کی تذکیر:

یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بے جان چیزوں کی تذکیر غیر حقیقی ہوتی ہے اردو میں تذکیر کی ...ت الف اور ہ ہے خواہ وہ الفاظ جن کے آخر میں الف اور ہ ہو عربی ہوں یا فارسی ...ستثنائے ان عربی الفاظ کے جن کا بیان بے جان چیزوں کی تانیث میں آتا ہے) جیسے ... لوہا۔ چنا۔ پودا۔ بوریا۔ دریا۔ ملکہ☆۔ بندہ۔ نشانہ۔ دانہ۔ پروانہ☆☆۔

عربی میں ہائے مختفی نہیں ہوتی۔ البتہ چند قسم کی تیئں ہیں جو فارسی اور اردو میں اس ہ کا ...م دیتی ہیں۔ جیسے زبدہ۔ ندوہ۔ خلاصہ وغیرہ۔ اس قسم کے تمام لفظ اردو میں مذکر بولے ...تے ہیں۔ ہاں جن الفاظ میں تائے تانیث ہو ان کو مونث بولنا چاہیے۔ جیسے زوجہ۔ ملکہ۔ ...دہ۔

اردو میں چند لفظ جن کے آخر میں الف ہے جیسے مالا۔ گھٹا۔ چھالیا۔ ٹھلیا۔ گنگا۔ جمنا۔ ...نث بولے جاتے ہیں۔

عربی مصدر جو افعال اور انفعال اور افتعال کے وزن پر آتے ہیں۔ بہ استثنائے چند ...ناظ مثلاً افراط۔ اسناد۔ ابتدا۔ انتہا۔ احتیاط۔ التجا وغیرہ کے مذکر بولے جاتے ہیں جیسے ...زام۔ انصاف۔ احسان۔ اقدام۔ انعام۔ اجلاس۔ اقرار۔ انکار۔ انحصار۔ انکسار۔ ...نطاط۔ اندمال۔ انفعال۔ التوا۔ اقتضا۔ انتظام۔ اہتمام۔ اعتقاد۔ اتفاق وغیرہ☆☆☆

انتظار ایک ایسا مصدر ہے جسے اکثر مذکر بولتے ہیں اور بعضے مونث بھی بولتے ہیں۔☆☆☆☆

...کم۔ ل۔ بن کے زیر سے کسی چیز کا ڈھب آجانے اور اس پر قدرت حاصل کرنے کو ملکہ کہتے ہیں۔

☆☆ اگرچہ شمع کا پروانہ بھی مذکر ہے۔ مگر چونکہ اس مقام میں بے جان چیزوں کا ذکر ہے اس لیے یہاں پروانے سے حاکم وقت کا حکم تحریری مراد ہے جس سے لوگ عموماً واقف ہیں۔

☆☆☆ مولوی علی حیدر صاحب لکھتے ہیں کہ افعال اور انفعال اور افتعال کے وزن پر اگر باب ناقص سے ہوں تو مونث ہیں جیسے ایذا و انجلاء التجا۔ ورنہ اکثر مذکر ہی ہیں۔ جیسے الزام۔ وانفعال واعتقاد۔

☆☆☆☆ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی نے اپنے ایک خط میں اسی طرح تحریر فرمایا ہے۔

باب تفعل کے مصدر بھی مذکر بولے جاتے ہیں۔ جیسے تبسم۔ تقرر۔ تصرف۔ تصوف۔ تصنع۔ تکلف۔ تکلم۔ تعلم وغیرہ باستثنیٰ ان الفاظ کے جن کے آخر میں یائے معروف یا الف مبدل بہ یا آتا ہے۔ جیسے تسلی اور تمنا کہ اصل میں تمنی تھا۔ غالب

ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا ۔۔۔ دہر میں نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا

قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور ۔۔۔ ناداں ہیں جو کہتے ہیں کہ کیوں جیتے ہیں غالب

البتہ توجہ کو مونث بولتے ہیں اور یہ شاذ ہے۔

فائدہ:

باب افتعال کے مصادر کے آخر جو الف ہوتا ہے حقیقت میں ممدود ہوتا ہے۔ مگر فارسی اور اردو میں مقصور پڑھا جاتا ہے اور فارسی میں اضافت کے وقت وہی ہمزہ عود کر آتا ہے جو حذف ہو جاتا ہے۔ جیسے ابتدائے عالم۔ انتہائے عمر۔

باب تفاعل کے مصدر بھی باب تفعل کے مصدروں کی طرح مذکر بولے جاتے ہیں۔ اور جن مصادر کے آخر میں ی ہوتی ہے وہ مونث۔ فرق صرف اتنا ہے کہ باب تفاعل کے جن مصدر کے آخر الف مبدل بہ یا آتا ہے وہ مذکر بولا جاتا ہے۔ بخلاف مصادر باب تفعل کے کہ ان کے آخر الف مبدل بہ یا آئے تو مونث بولے جاتے ہیں۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔

تجاہل۔ توارد۔ تعاقب۔ تقاطع۔ تقابل۔ یہ سب الفاظ مذکر بولے جاتے ہیں اور تقابل۔ تلافی۔ تساوی۔ مونث۔ تقاضا اور تماشا کہ اصل میں تقاضی اور تماشی تھا۔ مذکر تواضع کو جو مونث بولا جاتا ہے شاذ سمجھو۔

باب مفاعلہ کے مصادر جب کہ ان کے آخرت کی آواز ہ کی ہو۔ جیسے۔ مراسلہ۔ ملاحظہ۔ معائنہ۔ محاورہ۔ مکالمہ۔ مباحثہ۔ مناظرہ۔ مقابلہ۔ محاکمہ۔ وغیرہ۔

اردو کے مصادر بھی جب کہ تنہا بولے جائیں۔ یا جب متعدی مصدروں کے ساتھ مفعول مذکر مذکور ہو تو مذکر بولے جاتے ہیں۔

عربی الفاظ جو فاعلہ کے وزن پر آتے ہیں اکثر مذکر بولے جاتے ہیں۔ جیسے ناطقہ۔ حافظہ۔ ہاضمہ۔ قاعدہ۔ واقعہ وغیرہ۔

منجملہ حروف تہجی کے یہ اکیس حرف مذکر بولے جاتے ہیں۔ ا۔ ج۔ جھا۔ دھا۔ ڈھا۔ ذ۔ ژ۔ ص۔ ض۔ ع۔ غ۔ ق۔ ک۔ گ۔ ل۔ لھا۔ م۔ مھا۔ ن۔ نھا۔ و۔ باقی سب مونث ہیں۔ (بعض واؤ کو مونث بولتے ہیں۔)

بے جان کی تانیث:

(۱) جس لفظ کے آخر یائے معروف ہو اس کو مونث کر کے بولتے ہیں جیسے نیکی۔ بدی۔ چھری۔ چھڑی۔ سوئی وغیرہ البتہ موتی گھی۔ پانی مذکر بولے جاتے ہیں۔ دہی کو مذکر بھی بولتے ہیں۔ مونث بھی۔ ☆

(۲) جن عربی مصدروں کے اور ان کا بے جان کی تذکیر میں ذکر ہو چکا ہے ان کے علاوہ وہ مصادر جن کے آخر الف آتا ہے۔ جیسے وفا۔ حیا۔ قضا۔ رضا۔ عطا۔ دعا۔

(۳) جن عربی مصدروں کے آخر میں ت ہو جیسے شہرت۔ قوت۔ مقدرت۔ عزت ذلت۔ حکمت رخصت وغیرہ۔

(۴) باب مفاعلہ کے مصادر جب کہ ان کے آخر ت ظاہر کر کے پڑھی جائے۔ جیسے مکالمت مراسلت۔ موافقت۔ مخالفت۔ معاشرت۔ معاونت وغیرہ۔

(۵) جو عربی مصدر تفعیل کے وزن پر ہوں جیسے تقریر۔ تحریر۔ تنبیہ۔ تصور۔ تعلیم۔ تقدیم۔ تاخیر۔ تعجیل۔ تاثیر وغیرہ مگر تعویذ مستثنیٰ ہے۔

(۶) فارسی کے حاصل مصدر جن کے آخر میں ش ہو۔ جیسے۔ کوشش۔ آسائش۔ آرائش۔ گزارش۔ بخشش۔ نازش۔ سفارش۔ آمیزش وغیرہ۔

ان کے علاوہ اور حاصل مصدر بھی اکثر مونث بولے جاتے ہیں۔ جیسے گفتگو۔ جستجو۔ رفتار۔ گفتار۔ آمد و رفت خرید و فروخت۔ نشست و برخاست۔ فرو گذاشت۔ برداشت۔ آسودگی۔ افسردگی۔ آزردگی وغیرہ۔

☆ ہم نے شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی سے دہی کی مذکر و تانث کے بارہ میں دریافت کیا وہ لکھتے ہیں کہ دہی کو یہاں مذکر و مونث دونوں طرح ہندو مسلمان بولتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ دھی کھٹا ہے کوئی کہتا ہے کہ دہی کھٹی ہے۔)

(۷) اردو کے حاصل مصدر جو بصورت امر آئیں۔ جیسے مار۔ لوٹ۔ یا جن میں بعد حذف علامت مصدر ن یا ن ت یا ہ ٹ یا اوٹ یا اء ی یا داس یا ی یا ری زیادہ کیا جاوے یا کچھ اور تصرف کرنے سے آخر میں س یا گ یا ل آئے۔ جیسے جلن۔ پڑھنت۔ گھبراہٹ۔ کہاوت لگاوٹ اور ملاوٹ۔ لڑائی۔ بکواس۔ ہنسی۔ بکری۔ لٹس۔ لاگ۔ چال۔

(۹) عربی کے اکثر الفاظ جن میں تائے تانیث ہوتی ہے اور فارسی میں اور اردو میں ہ پڑھی جاتی ہے مونث بولے جاتے ہیں۔ جیسے حسینہ۔ جمیلہ۔ خادمہ۔ وغیرہ۔

(۱۰) جس اسم صفت کے آخر میں الف ہو وہ یائے معروف سے بدل جاتا ہے۔ جیسے اچھا۔ اچھی۔ برا۔ بری۔

فائدہ:

بعض لفظ ایسے ہیں کہ مذکر اور مونث دونوں طرح بولے جاتے ہیں۔ جیسے طرز۔ فکر۔ اپیل۔ کمیشن۔ اڈیشن۔ ہمارے نزدیک پچھلے دونوں لفظوں کو مذکر ہی بولنا چاہیے۔

فائدہ:

کبھی ایک ہی لفظ مختلف معنی دیتا ہے تو ایک معنی کے لحاظ سے مذکر بولا جاتا ہے اور دوسرے کے اعتبار سے مونث جیسے لب کہ ہونٹ کے معنوں میں مذکر بولا جاتا ہے۔ مگر مونچھ کو بھی لب کہتے ہیں۔ دیکھو اس بیت میں مونث ہو گیا۔ بیت

لبیں بڑھ رہی ہوں نہ ڈاڑھی چڑھی ہو ازار اپنی حد سے نہ آگے بڑھی ہو

یا جیسے کان کہ جب اس سے جسم کا وہ عضو مراد ہو جس کے ذریعہ سے سنتے ہیں تو مذکر ہے اور جب وہ قطعہ زمین مراد ہو جہاں سے لوہا اور سونا چاندی وغیرہ نکلتا ہے تو مونث۔

فائدہ:

بعض لفظ ایسے ہیں کہ مذکر اور مونث دونوں پر بولے جاتے ہیں۔ جیسے بھاری اینٹ کو بھی بھاری کہتے ہیں۔ پتھر کو بھی۔

...ئدہ:
بعض عربی الفاظ جو بحالت وحدت مذکر بولے جاتے ہیں جمع کی حالت میں ان کی ...ذکیر و تانیث میں اختلاف ہے۔ جیسے ''سوانح عمری'' اکثر تو یوں بولتے ہیں کہ ان کی سوانح ...مری میں لکھا ہے اور بعض یوں کہ ان کی سوانح عمری میں لکھا ہے۔ یہی حال لفظ معلومات کا ...ہے کہ زیادہ تر مذکر بولا جاتا ہے اور کم تر مونث۔ اسی طرح بعض الفاظ جو بحالت وحدت ...ونث بولے جاتے ہیں جمع کی حالت میں ان کی تذکیر و تانیث میں بھی اختلاف ہے۔ جیسے ...شرائط۔ وجوہ منازل مذکر بولنے والے یوں بولتے ہیں کہ ''تمام شرائط پورے ہو گئے۔'' ان ...کی صداقت کے یہی وجوہ ہیں۔'' ''اس نے سب منازل طے کر لیے۔'' جو مونث بولتے ہیں وہ ...یوں کہتے ہیں کہ ''تمام شرائط پوری ہو گئیں ان کی صداقت کے یہی وجوہ ہیں۔'' ''اس نے سب ...منازل طے کر لیں۔

وحدت و جمع

شمار کی رو سے اسم دو طرح کا ہوتا ہے۔ واحد اور جمع۔

جو اسم ایک کے لیے بولا جاتا ہے اسے واحد کہتے ہیں اور جو دو یا دو سے زیادہ کے لیے بولا جاتا ہے اسے جمع جیسے لڑکا۔ بندہ۔ لڑکے۔ بندے۔ پہلے دو اسموں سے ایک ہی چیز سمجھی جاتی ہے اس لیے دو واحد ہیں اور پچھلے دو سے ایک سے زیادہ کئی کئی چیزیں سمجھی جاتی ہیں۔ اس لیے وہ جمع ہیں۔

عربی میں دو کے لیے علیحدہ لفظ ہوتا ہے جسے تثنیہ کہتے ہیں۔ فارسی اور اردو میں تثنیہ نہیں ہے۔ البتہ فریقین اور جانبین اور طرفین اور والدین جو عربی الفاظ ہیں اردو میں مستعمل ہیں۔

اردو میں جمع کی علامتیں چھ ہیں۔ یائے مجہول۔ واؤ مجہول۔ ون ءون۔ ان۔ ی ں۔ جیسے لڑکے لڑکو۔ لڑکوں۔ راجاؤں۔ لڑکیاں۔ عورتیں۔

جمع کا عام قاعدہ

کسی اسم مذکر یا مونث پر خواہ اس کے آخر میں علامت تذکیر و تانیث ہو یا نہ ہو جب حرف عامل یا تابع عامل آئے تو علامت جمع واوٴ مجہول اور نون غنہ ہو گی۔ جیسے مردوں نے لڑکیوں نے۔ کتابوں سے قلموں سے اور اگر اسم کے آخر میں الف یا ہ ہو تو حذف ہو جائے گا۔ جیسے لڑکوں نے بچوں نے۔ بندوں نے مگر بعض اسم ایسے ہیں کہ ان کے آخر سے علامت تذکیر حذف نہیں کی جاتی اور جمع میں واوٴ نون سے پہلے ایک ہمزہ بھی زیادہ کیا جاتا ہے۔ جیسے راجا☆۔ راجاؤں نے۔

ندا کی حالت میں صرف واوٴ مجہول☆☆ علامت جمع ہے۔ اور الف اور ہ حذف ہو جاتے ہیں جیسے اے لڑکیو۔ اے لڑکو۔ اے بچو۔ اے بندو۔

دوسری صورتوں میں قواعد ذیل ہیں۔

مذکر کی جمع

جس اسم کے آخر میں الف یا ہ علامات تذکیر ہوں تو جمع میں یہ علامتیں یائے مجہول سے بدل جائیں گی۔ جیسے لڑکا۔ لڑکے۔ کپڑا۔ کپڑے۔ بندہ۔ بندے۔ بچہ۔ بچے۔ پلہ۔ پلے اور اگر آخر میں نون غنہ اور اس سے پہلے الف ہو تو جمع میں الف یائے مجہول سے بدل جائے

☆ راجا کا لفظ دو طرح سے لکھا جاتا ہے۔ راجہ۔ راجا۔ پہلی صورت میں بحالت جمع ہ الف سے بدل جاتی ہے۔

☆☆ سر سید احمد خاں مرحوم ندا کی حالت میں واوٴ کے ساتھ نون غنہ بھی استعمال کرتے اور اے دوستوں اور اے صاحبوں کہتے تھے مگر وہ اس میں منفرد تھے۔

بعض لفظ ایسے ہیں کہ بولنے والا خیال کرتا ہے کہ ان کے آخر میں نون غنہ بولا جاتا ہے اور اس مغالطے کی وجہ سے نون لکھ دیتا ہے۔ جیسے رند

نظر لطف بھی تم جانتے ہو خوش چشموں یا فقط آنکھ ہی غصہ کی دکھا آتی ہے

اسی طرح بعض ہمدموں اور مومنو اور مسلمانو کے آخر میں بھی نون لکھ دیتے ہیں۔)

گ۔ جیسے کنواں۔ کنوئیں۔ سماں۔ سمیں۔ شعر

بل اک دم میں اُڑا دے گا دھوئیں   چرخ کیا اور چرخ کی بنیاد کیا

اور اگر علامات مذکورہ آخر میں نہ ہوں تو واحد اور جمع یکساں ہے۔ یعنی واحد میں کچھ تصرف نہیں کیا جاتا جیسے مرد آیا۔ مرد آئے۔ پتھر پڑا۔ پتھر پڑے۔

مونث کی جمع

جس اسم کے آخر میں علامت تانیث یعنی یائے معروف ہو تو اس کی جمع میں الف اور نون غنہ زیادہ کیا جائے گا۔ جیسے لڑکی۔ لڑکیاں۔ نیکی۔ نیکیاں اور اگر یہ علامت نہ ہو تو یائے مجہول اور نون غنہ علامت جمع ہوگی۔ جیسے تلوار۔ تلواریں۔ تصویر۔ تصویریں۔ عید۔ عیدیں۔ نماز۔ نمازیں اور آخر میں واؤ یا الف ہو تو جمع میں یائے مجہول اور نون غنہ سے پہلے ایک ہمزہ بھی زیادہ کیا جائے گا جیسے خوشبو خوشبوئیں۔ جورو۔ جوروئیں۔ بلا۔ بلائیں۔ بیت

صدائیں یہ ہر سمت سے آ رہی ہیں   کہ راجا سے پرجا تلک سب سکھی ہیں

اور اگر اسم کے آخر میں نون غنہ اور اس سے پہلے الف یا واؤ معروف ہو تو جمع میں نون غنہ سے پہلے ہمزہ اور یائے مجہول زیادہ کی جائے گی۔ جیسے ماں۔ مائیں۔ جوں۔ جوئیں۔ یہ قاعدے اسم ذات کے متعلق ہیں۔ اسم صفت اور اسم فاعل اور اسم مفعول وغیرہ کی جمع مونث دو طرح سے آتی ہے۔ ایک پہلی جمع مونث کی طرح یعنی الف اور نون غنہ کے ساتھ۔ دوسری صرف نون غنہ کے ساتھ جیسے اونچی۔ اونچیاں☆۔ اونچیں☆☆۔ لڑنے والی۔ لڑنے والیاں۔ لڑنے والیں۔

ذیل کے نقشہ سے ہر ایک قسم کی جمع کا مفصل حال معلوم ہوگا۔

اسم کی قسم	واحد	جمع
اسم ذات مذکر	لڑکا	لڑکے۔ لڑکوں۔ لڑکو!

☆ قاعدے کی رو تو اونچیاں۔ اونچیں۔ اور اچھیاں۔ اچھیں وغیرہ آتا ہے۔

☆☆ مگر اس طریق پر الفاظ کم استعمال کیے جاتے ہیں۔

ایضاً	بندہ	بندے۔ بندوں۔ بندو!
ایضاً	راجہ	راجے۔ راجاؤں۔ راجاؤ!
ایضاً	کنواں	کنوئیں۔ کنوؤں۔ کنوؤ۔
اسم ذات مونث	لڑکی	لڑکیاں۔ لڑکیوں۔ لڑکیو
ایضاً	کتاب	کتابیں۔ کتابوں۔ کتابو۔
صفت مشبہ مذکر	اچھا	اچھے۔ اچھوں۔ اچھو۔
صفت مشبہ مونث	اچھی	اچھیاں۔ اچھیں۔ اچھیوں۔ اچھیو۔
اسم فاعل مذکر	لڑنے والا	لڑنے والے۔ لڑنے والوں۔ لڑنے والو۔
اسم فاعل مونث	لڑنے والی	لڑنے والیاں۔ لڑنے والیں۔ لڑنے والیوں۔ لڑنے والیو۔
اسم مفعول مذکر	گیا ہوا	گئے ہوئے۔ گئے ہوؤں۔ گئے ہوؤ۔
اسم مفعول مونث	گئی ہوئی	گئی ہوئیں۔ گئی ہویوں۔ گئی ہویو
اسم حالیہ مذکر	ہنستا ہنستا ہوا	ہنستے۔ ہنستے ہوئے
اسم حالیہ مونث	ہنستی۔ ہنستی ہوئی	ہنستیں۔ ہنستی ہوئیں۔

فائدہ:

بعض الفاظ کی جمع فارسی کے طور پر بھی اردو میں مستعمل ہے۔ جیسے کرورہا۔

فائدہ:

عربی جمعیں بھی اردو میں بہت آتی ہیں۔ جیسے حکم۔ احکام۔ عالم۔ علما۔ ناظر۔ ناظرین۔ حاضر۔ حاضرین۔ سامع۔ سامعین۔ فعل۔ افعال۔ عمل۔ اعمال۔ مخالف۔ مخالفین۔ نبی۔ انبیا۔ ولی۔ اولیاء۔ معاملہ۔ معاملات۔ مشاہدہ۔ مشاہدات۔

فائدہ:

لفظ ہندی یا ہندو کی جمع ہنود ہے۔ بہت سے لوگ جو عربی سے واقف بھی ہیں ہنود کے ساتھ اہل کا لفظ ملا کر اہل ہنود کہتے ہیں۔ مگر ہنود کے ساتھ اہل کا لفظ استعمال کرنا ایسا ہے جیسے مسلمین کو اہل مسلمین کہنا اور یہ کسی صورت میں صحیح نہیں۔ آسان قاعدہ یاد رکھنا چاہیے کہ جو لفظ کسی مبتدا یا اسم کی خبر ہو سکے اس پر اہل کا لفظ کبھی نہیں آتا۔ یوں تو کہہ سکتے ہیں کہ عبداللہ اہل اسلام ہے۔ لیکن یوں نہیں کہہ سکتے کہ رام داس اہل ہنود ہے اور جب ہندو پر اہل کا لفظ نہیں تو ہنود پر کہ اسی کی جمع ہے کیوں آئے۔

فائدہ:

کبھی جمع کو واحد قرار دیتے ہیں۔ جیسے وہ بڑا اشراف آدمی ہے۔ اشراف شریف کی جمع ہے۔ مگر اردو میں اکثر واحد یعنی شریف کی جگہ مستعمل ہوتا ہے۔ اسی طرح احوال حال کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ مولوی حالی کہتے ہیں۔

فقیہ اور جاہل ضعیف اور توانا — تاسف کے قابل ہے احوال سب کا

فائدہ:

سہ حرفی الفاظ جن کے پہلے دو حرف متحرک ہوں اور تیسرا ساکن ہو۔ جمع میں ان کا حرف ثانی اکثر ساکن ہو جاتا ہے جیسے قدموں۔ نظروں۔ ناسخ

ہے عجب راہِ عدم بھی جو چلا اس راہ میں — اک قدم میں پیش قدموں کے برابر ہو گیا

حالی

جچتا نہیں نظروں میں یاں خلعت سلطانی — کملی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا

کبھی متحرک ہی رہتا ہے۔ جیسے ظفر

ہمارے حال سے وہ بے خبر نہیں آگاہ — وگرنہ یہ خبریں ہیں کہاں کہاں دوڑیں

جمع الجمع

کبھی جمع کی جمع کرتے ہیں اور اسے جمع الجمع کہتے ہیں۔ جیسے علماؤں☆ انبیاؤں۔ اولیاؤں۔ مگر فصحا کے کلام میں ان الفاظ کی جمع نہیں دیکھی گئی۔ اور اب تو ان الفاظ کا بولنا غلط سمجھا جاتا ہے۔ اشرافوں کو جمع اور جمع الجمع دونوں ہی کہہ سکتے ہیں۔ یعنی اشراف کو واحد قرار دیا جائے تو جمع اور اگر جمع سمجھا جائے تو جمع الجمع۔ مگر حقیقت میں جمع الجمع ہے۔

اسم جمع

بعض اسم ایسے ہیں کہ لفظاً واحد میں اور معنیً جمع۔ یعنی ان میں جمع کی کوئی علامت نہیں لیکن جمع کے معنی دیتے ہیں۔ جیسے لوگ۔ فوج۔ لشکر۔ بھیڑ۔ گروہ۔ انبوہ۔ خلقت۔ قافلہ۔ جماعت وغیرہ۔ ایسے لفظوں کو اسم جمع کہتے ہیں۔

فائدہ:

لوگ کے ساتھ جب حروف عاملہ آتے ہیں تو لوگوں ہو جاتا ہے۔ جیسے لوگوں نے کہا۔

مومنؔ

جو پہلے دن ہی سے دل کا کہا نہ کرتے ہم   تو اب یہ لوگوں سے باتیں سنا نہ کرتے ہم

جنس اور اسم جنس

جنس:

بعض لفظ ایسے ہیں کہ قلیل و کثیر یا سالم شے اور اس کے جزو دونوں پر بولے جاتے ہیں۔ جیسے پانی۔ ایک قطرہ آب کو بھی پانی کہتے ہیں۔ دریا کو بھی پانی۔ اسی طرح گیہوں۔ ایک دانہ ہو تو بھی گیہوں۔ ڈھیر ہو تو بھی گیہوں۔ ایسے الفاظ جنس کہلاتے ہیں۔

☆ پنجاب میں علماء اور انبیاء اور اولیاء بھی اشراف کی طرح واحد کی جگہ بولے جاتے ہیں اور ان کی جمع علماؤں اور انبیاؤں اور ولیاؤں آتی ہے۔

اسم جنس:

بعض لفظ ایسے ہیں کہ جزو شے پر نہیں بولے جاتے ہیں اور نہ بہتوں پر بولے جاتے ہیں بلکہ ہر فرد پر بولے جاتے ہیں جیسے آدمی۔ گھوڑا۔ بیل وغیرہ۔ دیکھو آدمی کے سر یا پاؤں یا ہاتھ یا ٹانگ کو آدمی نہیں کہتے۔ اور نہ بہت سے گھوڑوں یا بیلوں کو گھوڑا یا بیل کہہ سکتے ہیں بلکہ ہر گھوڑے کو گھوڑا اور ہر بیل کو بیل کہتے ہیں۔ ایسے الفاظ اسم جنس کہلاتے ہیں۔

الفاظ تنکیر

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نکرہ غیر معین شے کو کہتے ہیں۔ جن الفاظ سے غیر معین شے کو بولتے ہیں وہ یہ ہیں۔ کوئی۔ کوئی سا۔ کچھ۔ کسی۔ جیسے کوئی آدمی۔ کوئی شخص۔ کوئی چیز۔ کوئی سا حصہ۔ کوئی سی☆ بات۔ کچھ کام۔ کچھ مطلب۔ کوئی اور کوئی سا عام ہیں۔ ذی روح اور غیر ذی روح دونوں کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ کچھ خاص ہے صرف غیر ذی روح کے لیے آتا ہے۔

جب ان کے بعد حروف عامل یا توابع عامل آئیں تو ان کی تبدیلی کسی سے ہو جاتی ہے جیسے کسی سے کچھ امید نہ رکھو۔ کسی چیز کا افسوس نہ کرو۔ مگر بعض اوقات کوئی بدستور رہتا ہے اور حرف عاملہ اس میں کچھ عمل نہیں کرتے۔ جیسے شعر

آنا ہے تو آ جا کہ کوئی دم کی ہے مہلت ‏ ‏ ‏ پھر دیکھیے آتا بھی ہے دم یا نہیں آتا

اسم واحد کے حرف اخیر کی تبدیلی

جب اسم کے آخر الف یا ہائے ماقبل مفتوح ہو اور اس کے آخر میں حروف حال یا توابع عامل میں سے کوئی حرف آئے تو الف اور ہ یائے مجہول سے بدل جاتے ہیں۔ جیسے بندے نے ہفتے سے۔ معاملے سے۔ لڑکے نے۔ اچھے کو۔ برے کو۔ کہنے سے۔ سننے سے۔ گلزار نسیم۔

ہر چند کہ تھا وہ دیو کڑوا ‏ ‏ ‏ حلوے سے کیا منہ اس کا میٹھا

ننھے منے بڑے سب قسم کے مچھر لپٹے ‏ ‏ ‏ لنگڑے لولے تو جدا۔ ٹوٹ پڑے کانے تک

☆ تانیث میں سا کا الف یائے معروف سے بدل جاتا ہے)

تھے جو بھوکے سے تو کی خوب ہی ریلا پیلی   ایسے حملے کیے فرصت نہ دی کھجلانے تک

جو الف بصورت یا لکھا جائے اس پر بھی یہی قاعدہ عمل کرتا ہے۔ جیسے دعوئی۔ موسٰی۔ فتوئی میں۔

مگر چند اقسام کے الفاظ اس قاعدے سے مستثنٰی ہیں۔

(۱) اعلام۔ جیسے خدا۔ زکریا۔ یحیٰی۔ موسیٰ۔ عیسیٰ۔ مسیحا۔ مصرع

وہ کیا ہے جو نہیں ہوتا خدا سے

(۲) فارسی اسم فاعل سماعی۔ جیسے دانا۔ بینا۔ شعر

اسی طرح راہ طلب میں ہیں پویا   بہت دور ابھی ان کو جانا ہے گویا

(۳) جو الفاظ رشتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے ابا۔ چچا۔ دادا۔ نانا۔ پھوپا وغیرہ وغیرہ زبانوں کے الفاظ کا بھی یہی حال ہے۔ جیسے ماتا۔ پتا۔

(۴) کریما۔ شمس بازغہ۔ اہل دہلی کے یہاں کریما غیر متصرف ہے اور وہ کریما کا سبق بولتے ہیں۔

ذوق لکھتے ہیں ؎

ہوا ہے مدرسہ بھی درس گاہِ عیش و نشاط   کہ شمس بازغہ کی جا پڑھیں ہیں بدر منیر

(۵) بعض شہروں کے نام جیسے بلیا۔ متھرا۔ کالکا۔ گیا وغیرہ۔

(۶) وہ مصدر جس کے کسی امر متعلق کا ذکر ہو۔ جیسے جانا کی ماضی مطلق گیا ہے اور بکنا کا متعدی بیچا۔

(۷) بعض عربی مصدر جیسے ادعا۔ التجا۔ اتقا۔ اقتضا۔ ایما۔

(۸) عربی اسم مفعول جیسے مدعا۔ مقتضا۔

(۹) عربی اسم تفضیل جیسے ادنےٰ۔ اعلیٰ۔ اقصیٰ۔

(۱۰) وہ الفاظ جو مونث بولے جاتے ہیں۔ جیسے ماما۔ انا۔ آپا۔ دوا۔ دایہ۔ فاختہ۔ مینا۔ ہوا۔ دغا۔ دعا۔ کہتے ہیں "نہ دوا نے کچھ اثر کیا نہ دعا نے۔" ملکہ معظمہ کی فیاضیوں کی کیا تعریف ہو سکتی ہے۔"

(۱۱) وہ الفاظ جو عبارت میں۔ ترکیب فارسی واقع ہوں جیسے "موصول و صلہ کی بحث

آگے آئے گی۔ ''مقتولؔ

ہوں کبھی دریا میں اے وحشت کبھی جنگل میں ہوں　　آہ و گریہ سے مجھے حاصل ہے سیر خشک و تر

کبھی ایسے الفاظ کو حروف عامل کے آنے سے بدل بھی دیتے ہیں جیسے سرورؔ

کل تلک تھا جس مکاں پر شمع رویوں کا ہجوم　　چھانتے ہیں اب وہاں پر خاک پروانے کو ہم

جس غزل میں کا یہ شعر ہے اس کا قافیہ افسانے اور سلجھانے ہے۔

(۱۲) چند اور الفاظ جن کے لیے کوئی قاعدہ مقرر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جیسے راجا۔ عنقا۔ ہما۔ دریا۔ صحرا۔

جس اسم میں ہ سے پہلے ایسی یؔ ہو جس کے پہلے الف ہو تو یؔ ہمزے سے بدل جاتی ہے۔ جیسے ہدائے میں لکھا ہے۔ سرمائے کی ضرورت ہے۔ وہ کرائے کے مکان میں رہتے ہیں۔ امیرؔ

میں مٹ گیا تو ساتھ مرے یہ بھی مٹ گیا　　سائے سے خوب حق رفاقت ادا ہوا

بعض الفاظ ایسے ہیں کہ بعض اہل زبان ان میں تغیر کر دیتے ہیں۔ بعض نہیں کرتے۔ مثلاً سودا جبکہ جنون و دیوانگی کے معنوں میں ہو تو جو تغیر کرتے ہیں۔ وہ سودے نے کہتے ہیں۔ اور جو نہیں کرتے وہ ''سودانے'' بولتے ہیں۔ لیکن جب یہ لفظ خرید فروخت کے معنوں میں آئے۔ تو بالاتفاق بدل دیا جاتا ہے۔ جیسے ''اس سودے میں بہت فائدہ ہے۔''

فائدہ:

جن الفاظ میں حروف عاملہ کے آنے سے تغیر ہو جاتا ہے۔ وہ منصرف کہلاتے ہیں اور جن میں تغیر نہیں ہوتا وہ غیر منصرف تو جتنے الفاظ مستثنیات میں ذکر کیے گئے ہیں سب غیر منصرف ہیں۔

فائدہ:

بعض الفاظ جن کے آخر میں عین ماقبل مفتوح آتا ہے۔ جیسے مجمع۔ موقع۔ مطبع۔ مصرع۔ جب ان کے ساتھ حروف عاملہ آتے ہیں۔ یا یہ الفاظ جمع کے مقام پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ تو ان کے تلفظ میں یہ تبدیلی ہو جاتی ہے۔ کہ عین کا پہلا حرف مکسور بولا جاتا ہے

جیسے ''بھرے مجمع میں'' ''ایسے موقع پر'' ''مصطفائی مطبع کا مالک'' ع

ایک مصرع کی بڑھ گئی ہے دُم

شعر

برقع کو اٹھا چہرے سے وہ بت اگر آئے — اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آئے

نہ ہو حیراں اگر عالم میں ہر صورت علیحدہ ہے — مرقع میں ہزاروں رنگ کی تصویریں ہوتی ہیں

مرزا غالب کہتے ہیں۔ شعر

مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے

مولوی محمد حسین صاحب آزاد مثنوی ابر کرم میں لکھتے ہیں۔ بیت

روشن سب اس میں عہد بعید و قریب ہیں
شاہان ماسلف کے مرقع عجیب ہیں

یہاں مرقع جمع کے محل میں استعمال ہوا اور پڑھنے میں مرقع آیا ہے۔ بعض لوگ مقامات مذکورہ میں ایسے الفاظ کے آخر میں یائے مجہول زیادہ کرتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں اس لیے کہ اہل زبان مجمعے اور مطبعے اور مرقعے اور مطلعے نہیں بولتے اور الفاظ لکھے تو اسی طرح جاتے ہیں جس طرح بولے جاتے ہیں۔

......☆......☆......

دوسرا حصہ

نحو کے علم میں

نحو:

نحو وہ علم ہے جس سے اجزائے کلام کو ترکیب دینے اور جدا جدا کرنے کا ڈھنگ آتا اور کلمات کے ربط اور باہمی تعلق کا حال معلوم ہوتا ہے اور جس غلطی سے مطلب میں خلل واقع ہو اس سے کلام کو بچاتا ہے۔

کلام:

جب دو یا دو سے زیادہ کلمات ترکیب پائیں تو اُس کو کلام کہتے ہیں۔ کلام تام میں اسناد کا ہونا بھی ضرور ہے جیسا آگے بیان ہوگا۔

کلام کی قسمیں

کلام کی دو قسمیں ہیں۔ ناقص، تام، کلام ناقص وہ مرکب ہے جس سے سننے والے کو پورا فائدہ حاصل نہ ہو۔ یعنی خاطر جمع نہ ہو۔ جیسے زید کی کتاب، خالد کا سبق، سفید کپڑا، ایک سو بیس، ان کلمات سے سامع فائدہ تام حاصل نہیں کرسکتا اور پورے مطلب کے بیان کا منتظر رہتا ہے۔ ایسے کلام کو مرکب ناقص بھی کہتے ہیں اور وہ ہمیشہ جزو جملہ ہوتا ہے۔

کلام تام وہ مرکب ہے جس کے سننے سے پورا فائدہ جیسے:۔ مصرع

توفیق کار نیک ہمیں اے کریم دے

مرزا غالب:

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے　　کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

پہلی مثال میں شاعر خدا سے کارِ نیک کی توفیق مانگتا ہے اور سامع اس کلام سے فائدہ تام حاصل کرتا ہے۔

دوسری میں شاعر کسی ایسے شخص کے آنے کا حال بیان کرتا ہے جس کو عزت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتا اور اُس کے اپنے گھر آنے پر مسرت آمیز تعجب ظاہر کرتا ہے اور سننے والا اس کلام کا سُن کر بیان مزید کر منتظر نہیں رہتا۔

مرکب ناقص کا بیان

اس کی کئی قسمیں ہیں۔ مرکب اضافی، مرکب توصیفی، مرکب عددی، مرکب عطفی، مرکب ظرفی، مرکب امتزاجی، بدل و مبدل منہ عطف بیان، تابع مہمل تابع موضوع تاکید و موکد تمیز و ممیز اسم فاعل ترکیبی، اسم مفعول ترکیبی، اسم صفت ترکیبی، اسم کبر جو مرکب ہو، اسم مبالغہ، اسم تفضیل۔ اشارہ اور مشارہ الیہ۔

(۱) مرکب اضافی

اضافت۔ مضاف۔ مضاف الیہ:

جب دو اسم آپس میں ملتے ہیں تو اُن میں ایک ادھورا سا تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس ناتمام لگاؤ کا نام اضافت ہے۔ جس اسم کا دوسرے کے ساتھ تعلق ظاہر کیا جائے اس کو مضاف کہتے ہیں اور جس اسم کے ساتھ ظاہر کیا جائے اس کو مضاف الیہ اور مجموعے کو مرکبِ اضافی۔

عربی اور فارسی میں مضاف مقدم آتا ہے اور مضاف الیہ موخر۔ مگر اردو میں مضاف الیہ کو پہلے اور مضاف کو پیچھے لاتے اور اس کے خلاف کو خلافِ فصاحت سمجھتے ہیں۔ جیسے غالب

شوریدگی کے ہاتھ سے سو ہے وبالِ دوش　　صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

اس شعر میں شوریدگی مضاف الیہ ہے جو مقدم ہے اور ہاتھ مضاف ہے جو موخر ہے۔ نظم میں ضرورت شعری کے سبب بسا اوقات مضاف مقدم اور مضاف الیہ موخر آتا ہے۔ جیسے حالی

چھوڑا جب آرزو نے بھروسہ کلید کا ۔۔۔ در مراد سب اک بار کھل گئے

یہاں بھروسا مضاف مقدم ہے اور کلید مضاف الیہ موخر۔ داغ

ہے قدر آئینے کی سکندر کے روبرو ۔۔۔ دکھاؤ صاحب جوہر کے روبرو

اس شعر میں قدر مضاف مقدم ہے۔ اور آئینہ مضاف الیہ موخر۔

نثر میں بھی بعض اوقات تقدیم و تاخیر کردیتے ہیں۔ یعنی مضاف کو پہلے اور مضاف الیہ کو پیچھے لاتے ہیں اور وہاں وہی ترکیب اچھی معلوم ہوتی ہے جیسے۔ "دین دوا ہے بیمار کی۔ تسلی ہے بیقرار کی متاع ہے خریدار کی۔ بشارت ہے امیدوار کی۔ نجات ہے گنہگار کی۔ یعنی عنایت ہے پروردگار کی۔"

مضاف اور مضاف الیہ کے پہچاننے کی عام علامت یہ ہے کہ سوال میں جس اسم کے ساتھ کس کا۔ کس کے۔ کس کی۔ کن کا۔ کن کے۔ کن کی لگ سکے وہ مضاف ہے اور جو اسم اس کے جواب میں واقع ہو وہ مضاف الیہ۔ جیسے عارف کا سبق یہاں اگر پوچھیں کس کا سبق تو جواب ہوگا عارف کا۔ پس سبق مضاف ہے اور عارف مضاف الیہ چونکہ اضافی کی کئی قسمیں ہیں۔ جن کا بیان آگے آتا ہے۔ اس لیے بعض اضافتوں میں مضاف کے ساتھ کون سا اور بعض میں کاہے کا یا کس چیز کا لگتا اور جو اس کے جواب میں واقع ہو وہ مضاف الیہ ہوتا ہے۔ جیسے جنوری کا مہینہ۔ یہاں اگر پوچھیں کون سا مہینہ تو جواب ہوگا۔ جنوری کا۔ پس مہینہ مضاف ہے۔ اور جنوری مضاف الیہ۔ اسی طرح چاندی کی انگوٹھی۔ اگر پوچھیں کاہے کی یا کس چیز کی انگوٹھی؟ تو جواب ہوگا چاندی کی۔ پس انگوٹھی مضاف ہے اور چاندی مضاف الیہ۔

جب مضاف الیہ منجملہ ان الفاظ کے نہ ہو جن کے آخر را۔ رے۔ ری۔ نا۔ نے۔ نی۔ آتا ہے تو اس کے ساتھ ہمیشہ کا یا کے یا کی آتا ہے۔ اسی لیے ان الفاظ کو علامت اضافت کہا گیا ہے مگر یہ ضرور نہیں کہ جس اسم کے ساتھ یہ لفظ آئیں وہ مضاف الیہ ہی ہو کیونکہ بعض اوقات اور الفاظ کے ساتھ زائد بھی آتے ہیں۔ جیسے "علم کے معنی جاننے کے ہیں" یہاں دوسرا کے زائد ہے۔ کبھی یہ علامت حذف ہو جاتی ہے۔ جیسے ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ یعنی ہاتھ کے کنگن کو۔

جب میرا۔ میرے۔ میری۔ تیرا۔ تیرے۔ تیری۔ ہمارا۔ ہمارے۔ ہماری۔ تمہارا۔

مضاف الیہ ہوتے ہیں تو کا۔ کے۔ کی میں سے کوئی تمہارے۔ تمہاری۔ اپنا۔ اپنے۔ اپنی۔ علامت اضافت نہیں آتی۔

اضافت کا قاعدہ یہ ہے کہ مضاف میں کسی نہ کسی طرح کی خصوصیت یا وضاحت پیدا کر دیتی ہے اور اس کی کئی قسمیں ہیں۔

(۱) اضافت تملیکی:

جب مملوک کی اضافت مالک کی طرف یا مالک کی اضافت مملوک کی طرف ہو تو اس کو اضافت تملیکی کہتے ہیں۔ جیسے ناصر کا گھوڑا۔ ہندوستان کا بادشاہ۔ پہلی مثال میں مضاف یعنی گھوڑا مملوک ہے اور ناصر مالک دوسری میں بادشاہ مالک اور ہندوستان مملوک۔

(۲) ظرفی:

اس میں مضاف مظروف اور مضاف الیہ ظرف ہوتا ہے۔ جیسے کنوئیں کا پانی۔ باغ کا پھول۔ یہ مثالیں ظرف مکان کی ہیں۔ ظرف زمان جیسے صبح کی ہوا دوپہر کی دھوپ۔ بیت

نہ لو جیٹھ کی جی چھڑاتی ہے ان کا نہ ٹھر ماہ کی دم تڑاتی ہے ان کا

اسی طرح ڈھاکے کی ململ۔ مراد آباد کے بھرت کے برتن۔ کشمیر کی زعفران ☆ اور دو شالہ۔ نگینے کی کنگھی۔ لاہور کے ریشمی ازار بند۔ دلی کا مرصع زیور۔ بنارس کا گلبدن۔ اور کمخواب۔ چھپرا مئو کے پیڑے۔ ہوشیار پور کا جوتا۔ گورکھ پور کا اناس۔ قنوج کا عطر۔ کالپی کا کاغذ اور مصری۔ ٹانڈے اور امروہہ کے مٹی کے باسن۔ جھانسی کا کیوڑا۔ کانپور کا چمڑی اسباب۔ یہ سب اضافتیں ظرفی ہیں۔

کبھی مضاف الیہ مظروف ہوتا ہے اور مضاف ظرف۔ جیسے۔ سونے کی کان۔ چار کا پیالہ۔ پانی کا گھڑا۔

(۳) تخصیصی:

جس میں مضاف اپنے مضاف الیہ کے سبب خصوصیت حاصل کرے اور تملیکی و ظرفی نہ

☆ زعفران کو اہل لکھنو مونث بولتے ہیں اور اہل دہلی مونث بھی اور مذکر بھی۔

جیسے حامد کا غلام۔ ریل کا اسٹیشن۔ یاد رکھو کہ اس اضافت میں کبھی وہ چیز جو مضاف ہوتی
مضاف الیہ کا جز ہوتی ہے۔ جیسے عارف کا ہاتھ۔ عاقل کا پاؤں۔

(۴) توضیحی:

جس میں مضاف الیہ مضاف کی وضاحت کرے اس اضافت میں مضاف عام ہوتا ہے
مضاف الیہ خاص یا یہ کہ مضاف کلی ☆ ہوتا ہے اور مضاف الیہ جزئی۔ اسی وجہ سے ہمیشہ
مضاف الیہ پر مضاف کا اطلاق کر سکتے ہیں۔ لیکن ہر جگہ مضاف پر مضاف الیہ کا اطلاق نہیں
کر سکتے۔ جیسے مارچ ☆☆ کا مہینہ۔ جمعہ کا دن۔ بمبئی کا شہر۔ ان مثالوں میں ہمیشہ مارچ کو
مہینہ اور جمعے کو دن اور بمبئی کو شہر کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ہر مہینہ کو مارچ اور ہر دن کو جمعرات اور ہر
شہر کو بمبئی نہیں کہہ سکتے۔ اس بیان سے اضافت تخصیصی اور توضیحی میں جو فرق ہے وہ تم نے
بخوبی سمجھ لیا ہوگا۔

(۵) اضافت بیانی:

جس میں مضاف اس چیز سے جو مضاف الیہ ہو بنا ہوا ہو جیسے کشمیرے کا کوٹ۔ بانات کا
جبہ۔ چاندی کا قلمدان۔ سونے کا جھومر۔
اضافت بیانی میں مضاف الیہ کس چیز کا یا کا ہے کا کے جواب میں واقع ہوتا ہے۔ مثلاً
جب پوچھیں کہ کس چیز کا یا کا ہے کا کوٹ؟ تو جواب ہوگا کشمیرے کا۔

☆ کلی اصطلاح منطق میں اس چیز کو کہتے ہیں جس کے بہت سے افراد ہوں اور جزئی کلی کے ہر
فرد کو کہتے ہیں۔ جیسے انسان یہ کلی ہے اور ہم تم جو اس کے افراد ہیں جزئی ہیں۔ کلی ایسی چیز
ہے کہ اس کا وجود بغیر جزئی کے کبھی نہیں پایا جاتا۔)

☆☆ بعض اہل دہلی مہینے اور اس کے افراد میں لفظ کا استعمال نہیں کرتے مثلاً مارچ کا مہینہ نہیں
کہتے مارچ مہینہ کہتے ہیں۔ ہم کو اس کی وجہ معلوم نہیں عجب نہیں کہ وہ اس ترکیب کو مضاف و
مضاف الیہ نہ سمجھتے ہوں یا اس ترکیب میں ان کے نزدیک حذف علامت اضافت جائز ہو
فصحائے لکھنو اس اضافت میں کا استعمال کرتے ہیں۔ میر انیس لکھتے ہیں ۔

کہ دشت کیں کی زمیں تھی زمین روز حساب
مہینہ جیٹھ کا تھا دھوپ میں یہ تھی تب و تاب

(۶) اضافت تشبیہی:

تشبیہ کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسری کی مانند کہنا تشبیہ میں چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔
اول جس کو تشبیہ دیں۔ اس کو مشبہ کہتے ہیں۔ دوسرے جس سے تشبیہ دیں۔ اس کا نام مشبہ بہ
ہے۔ تیسرے جس بات میں تشبیہ دیں اس کو وجہ شبہ یا وجہ تشبیہ کہتے ہیں۔ اور یہ مضاف و
مضاف الیہ یعنی اضافت میں مذکور نہیں ہوتی۔ چوتھے حرف تشبیہ۔ اضافت۔ تشبیہی حقیقت
میں ایک جملہ ہوتا ہے جس میں اضافت کے سبب حرف تشبیہ اور فعل ☆ کے ذکر اور وجہ شبہ کی
صراحت کی ضرورت نہیں ہوتی اور مضاف و مضاف الیہ ہی سے تینوں باتیں خود بخود معلوم ہو
جاتی ہیں۔ جیسے طعنے کا نیزہ۔ یعنی طعنہ جو دل میں جا کر لگنے اور زخم کر دینے میں نیزے کی
مانند ہے اس عبارت میں پانچوں چیزیں موجود ہیں۔ طعنہ مشبہ نیزہ مشبہ بہ۔ دل میں جا کر لگنا
اور زخم کرنا وجہ تشبیہ۔ مانند حرف تشبیہ۔ ہے فعل ☆☆ دیکھو یہاں صرف اضافت سے وجہ
تشبیہ اور حرف تشبیہ اور فعل کی کفایت ہو گئی اسی طرح نگاہ کا تیر اور غصے کی آگ وغیرہ۔

یاد رکھو کہ اضافت تشبیہی میں مشبہ بہ مضاف ہوتا ہے اور مشبہ مضاف الیہ۔

(۷) اضافت استعارہ:

استعارہ لغت میں مانگے لینے کو کہتے ہیں چونکہ اس اضافت میں کسی لفظ کے مفہوم کو کچھ
اور فرض کر لیتے ہیں اس لیے اس کا نام اضافت استعارہ رکھا گیا۔

استعارہ میں تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ اول اس چیز کا جس سے کچھ مانگا جائے
اور اسے مستعار منہ کہتے ہیں۔ دوسرے اس چیز کا جس کے لیے مانگا جائے اس کا نام
مستعار لہ ہے۔ تیسرے اس چیز کا جو مانگی جائے اسے مستعار کہتے ہیں۔

اضافت استعارہ میں مستعار منہ کے لوازمات میں سے کسی چیز کو مستعار لہ کی طرف
مضاف کرتے ہیں۔ جیسے شعر

☆ جس کلمہ کو ہم نے فعل کہا ہے اس کا ذکر ابھی آتا ہے۔

☆☆ ہے کو ہم اس کتاب میں فعل ناقص ثابت کریں گے۔ ہمارے نزدیک اس کو حرف ربط کہنا صحیح
نہیں۔

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا پہنچے کب اس کو ہاتھ ہمارے غبار کا

اس شعر میں وہ شے جو مستعار منہ ہے انسان ہے۔ کیونکہ اس سے ہاتھ مانگا گیا ہے جو منجملہ اس کے لوازمات کے ایک چیز ہے۔ یعنی ہاتھ مستعار ہے اور غبار مستعار لہ ہے کیونکہ اس کے لیے ہاتھ فرض کیا گیا ہے۔ استعارہ شعرا اور اہل انشاء کے نزدیک شاعری اور حسن کلام کا زیور ہے۔ اسی طرح مجاز اور تشبیہ موجب زینت سخن ہیں۔ مگر یہ مقام ان کی تفصیل کا نہیں۔

اضافت استعارہ اور تشبیہی میں فرق:

اضافت استعارہ اور تشبیہی میں یہ فرق ہے کہ اضافت تشبیہی میں مضاف الیہ کو (جو مشبہ ہوتا ہے) مضاف (یعنی مشبہ بہ) کی مانند کہہ سکتے ہیں۔ اضافت استعارہ میں کہہ سکتے جیسے غصے کی آگ۔ یہاں کہہ سکتے ہیں کہ غصہ جو آگ کی مانند ہے۔ مگر خیال کے پاؤں میں (جو اضافت استعارہ ہے) نہیں کہہ سکتے کہ خیال جو پاؤں کی مانند ہے۔

(۸) اضافت بہ ادنیٰ تعلق:

جب تھوڑے سے تعلق سے ایک چیز کو دوسری چیز کی طرف منسوب کریں۔ عربی میں اس کو اضافت با ادنیٰ ملابست کہتے ہیں۔ ملابست کا لفظ اردو میں کچھ غیر مانوس سا ہے۔ ہم نے اس کو تعلق کے لفظ سے بدل کر اس اضافت کا نام اضافت بہ ادنیٰ تعلق رکھا ہے۔ مثالیں سنو۔ ہمارا ملک۔ تمہارا شہر ان کا محلہ۔ حقیقت میں ملک اور شہر اور محلہ کوئی بھی ہم میں سے کسی کا نہیں۔ سب بادشاہ ملک کے ہیں۔ مگر ان میں رہنے کے تعلق سے سب کو اپنا بنا لیا۔

کبھی سرکار انگریزی دشمن سے ہنگامہ کارزار گرم کرتی اور اخبار نویس حالات جنگ لکھنے لگتے ہیں۔ تو سرکار کی فوج کو اپنی فوج اور حریف کو اپنا دشمن قرار دیتے ہیں حالانکہ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو ملک داری اور حرب وقتال سے کچھ تعلق نہیں ہوتا مگر چونکہ یہ لوگ سرکار کی رعیت ہیں۔ اس لیے اس تعلق کی وجہ سے سرکار کی سب چیزوں کو اپنی چیزیں بنا لیتے ہیں تو ہماری فوج اور ہماری سپاہ اور ہمارے دشمن میں اضافت بہ ادنیٰ تعلق ہے۔

(۹) اضافت توصیفی:

یہ اضافت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک جس میں مضاف موصوف اور مضاف الیہ صفت ہو۔ جیسے بے دودھ کی چائے۔ تراتے کی دھوپ۔ فائدہ کا کام یہاں چائے اور دھوپ اور کام موصوف ہے۔ اور بے دودھ کی اور تراتے کی اور فائدہ کا صفت۔

دوسرے جس میں مضاف الیہ موصوف ہوتا ہے اور مضاف صفت۔ اور مضاف و مضاف الیہ دونوں مل کر کسی اور موصوف کی صف ہوتے ہیں۔ جیسے طبیعت کا تیز۔ دل کا تنگ۔ یہاں تیز طبیعت کی صفت اور تنگ دل کی صفت ہے مگر ان دونوں کا موصوف وہ شخص ہے جس کو یہ کہیں کہ اس کی طبیعت تیز اور اس کا دل تنگ ہے۔

اس امر کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ کہ مضاف نکرہ ہوتا ہے یا معرفہ۔ اقسام اضافت میں تم نے دیکھ لیا ہے کہ وہ نکرہ بھی ہوتا ہے اور معرفہ بھی اور اکثر نکرہ ہوتا ہے۔

کبھی کئی الفاظ عطف کے ساتھ یعنی معطوف و معطوف علیہ ہو کر مضاف ہوتے ہیں۔ کبھی مضاف الیہ کبھی دونوں۔ جیسے سعد کا ذہن اور حافظہ۔ اور زید اور عمرو اور بکر کا خط کبھی مضاف اور مضاف الیہ مل کر مضاف ہوتے ہیں۔ اور کبھی مضاف الیہ جیسے میرا چاندی کا قلمدان۔ اپنے قول کا پاس۔

کبھی مضاف موصوف و صفت سے اور کبھی مضاف الیہ صفت و موصوف سے مرکب ہوتا ہے۔ جیسے خدا کا سچا فرمان اور سچے خدا کا ارشاد۔

کبھی مضاف محذوف ہو جاتا ہے۔ جیسے مصرع

ایمان کی کہیں گے ایمان ہے تو سب کچھ

یعنی ایمان کی بات

کبھی مضاف الیہ محذوف ہو جاتا ہے جیسے شعر

افسوس کہ غفلت میں کٹا عہد جوانی تھا آب بقا گھر میں مگر ہم نے نہ جانا

یعنی ہمارا عہد جوانی۔

نثر میں مضاف و مضاف الیہ بلا فصل آتے ہیں۔ نظم میں ضرورت شعری کے سبب اور

...کو بھی بیچ میں لے آتے ہیں۔ آباد

بہت ڈھونڈا پتا ملتا نہیں کچھ تیرے ایواں کا ... ہائے تصور اس قدر کی جستجو میں نے

دوسرے مصرع میں پتا مضاف ہے اور تیرے ایواں یہ ترکیب اضافی (یعنی مضاف و مضاف ہو کر) مضاف الیہ۔ نہیں کچھ کا لفظ ان میں فاصل واقع ہوا ہے۔ ظفر

اپنی آنکھوں میں دمبدم صورت رفتگان عدم کی پھرتی ہے

یہاں صورت جو سب سے آخر ہے مضاف ہے اور رفتگان عدم جو سب سے پہلے ہے مضاف الیہ۔ بیچ میں تمام الفاظ فاصل ہیں۔

کبھی ایک لفظ کو اسی کی طرف مضاف کرتے اور اس سے تمام کے معنی لیتے ہیں۔ جیسے حالی

کہ بگڑا ہوا یاں ہے آوے کا آوا غرض عیب اپنے بیاں کیجیے کیا کیا

آوے کا آوا یعنی تمام آوا۔

جب مضاف کے بعد حروف عاملہ میں سے کوئی حرف آئے تو علامات اضافت کا الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے۔ جیسے مولوی صاحب کے قلمدان میں۔ تمہارے بکس میں اپنے گھر سے۔ اسی طرح جب مضاف و مضاف الیہ مل کر مضاف الیہ ہوں۔ تو مرکب مضاف الیہ کی علامت اضافت بھی یائے مجہول سے بدل جاتی ہے۔ جیسے زید کے بیٹے کا دوست۔

فائدہ:

مصدر متعدی جب مضاف ہوتا ہے تو صرف قرینے سے پہچانا جاتا ہے کہ فاعل کی طرف مضاف ہے یا مفعول کی طرف۔ جیسے زید کا ہنسانا۔ بکر کا رلانا۔ یہاں دونوں ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔ زید کا کسی کو ہنسانا یا کسی کا زید کو ہنسانا۔ بکر کا کسی کو رلانا۔ یا کسی کا بکر کو رلانا۔

فائدہ:

مضاف اور مضاف الیہ کی فارسی ترکیبیں بھی اردو میں مستعمل ہیں اور اردو کی نسبت مختصر اور فصیح تر ہوتی ہیں۔ مثلاً غالب

دہر میں نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

اس شعر میں تین جگہ اضافت ہے۔ نقش وفا۔ وجہ تسلی۔ شرمندہ معنی۔ ایسی ترکیبیں بیشتر نظم میں ہوتی ہیں اور بندش کو چست کر دیتی ہیں۔

فارسی ترکیب میں مضاف کا حرف اخیر مکسور ہوتا ہے۔ جیسے روز عہد۔ مجمع احباب۔ اگر حرف اخیر الف یا واوٴ ماقبل مضموم ہو تو ایک ہمزہ مکسور☆ زیادہ کیا جاتا ہے۔ جیسے جفائے دشمن۔ کیمیائے سعادت۔ خوئے دوست۔ بوئے گل۔ اور اگر ہائے ماقبل مفتوح ہو تو ہمزے سے بدل جاتی ہے۔ جیسے خانہ خدا۔ نالا بلبل۔

فائدہ:

اردو لفظ فارسی یا عربی لفظ کی طرف فارسی یا عربی ترکیب سے نہ مضاف ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ نہ اس کا مضاف الیہ ہوسکتا ہے۔ مت کہنا۔ روٹی گندم۔ شیر بھینس۔ شعلہ آگ چاندنی قمر۔ ہار محبت۔ جنبش چتون۔ دھوپ الشمس۔ تاج السونا۔

فائدہ:

فارسی لفظ جب عربی لفظ کی طرف مضاف ہو۔ یا عربی لفظ فارسی لفظ کی طرف تو عربی یا فارسی لفظ پر الف لام نہیں لکھنا چاہیے اور نہ عربی طریق پر ان الفاظ کو بولنا چاہیے۔ جیسے چراغ دین۔ فرمان سلطان۔ قریب مرگ۔ ان الفاظ میں دین اور سلطان اور مرگ پر الف لام لانا اور چراغ الدین اور فرمان السلطان اور قریب المرگ کہنا درست نہیں۔ یہ فائدہ اگرچہ نحو فارسی سے متعلق ہے مگر یہاں لکھ دینا بھی خالی از نفع نہیں۔

(۲) مرکب توصیفی

جب دو اسم مل کر پہلا موصوف اور دوسرا صفت ہو تو مجموعے کو مرکب توصیفی کہتے ہیں۔ جس طرح صفت کا اطلاق اس لفظ پر ہوتا ہے جس سے کسی کی خوبی بیان کی جائے اسی طرح اس لفظ پر ہوتا ہے جس سے برائی ظاہر کی جائے۔ جیسے ہوشمند لڑکی۔ نیک عورت۔ شریر لڑکا۔

☆ لکھنے میں صرف ہمزہ نہیں لکھتے بلکہ ہمزہ اور ے اس صورت میں ئے۔ لکھتے ہیں یعنی ے نیچے لکھی جاتی ہے اور ہمزہ اوپر۔

بخیل مرد۔ شریر اور بخیل با وجودے کہ برائی اور عیب ظاہر کرتے ہیں۔ مگر ان کو علم نحو میں صفت کہتے ہیں۔ یہ نہیں کہ صفت مفرد ہی ہو بلکہ مرکب بھی ہوتی ہے۔ جیسے نیک دل مرد۔ بد مزاج عورت۔

صفت موصوف کی پہچان یہ ہے کہ جس اسم کے ساتھ سوال میں کیسا۔ کیسے۔ کیسی لگ سکیں وہ موصوف ہے اور جو اس کے جواب میں واقع ہو وہ صفت ہے۔ جیسے مہربان استاد جب پوچھیں کیسا استاد؟ تو جواب ہوگا مہربان۔ پس استاد موصوف ہے اور مہربان صفت اسی طرح بڈھا آدمی۔ جب پوچھیں کیسا آدمی؟ تو جواب ہوگا بڈھا پس آدمی موصوف ہے اور بڈھا صفت۔

بعض اوقات موصوف وصف مشبہ اور مشبہ بہ ہوتے ہیں جیسے چاند سا چہرہ یعنی چہرہ جو چاند کی مانند ہے۔

بعض ایسے اسم ہیں کہ بدوں صفت تنہا استعمال نہیں کیے جاتے۔ جیسے بھلا مانس اردو میں مانس کا لفظ تنہا نہیں بولا جاتا۔ بھلا کے ساتھ بولا جاتا ہے اور بھلا مانس ہمیشہ صفت واقع ہوتا ہے۔

صفت کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع موصوف کے مطابق ہوتی ہے۔ مگر جب موصوف جمع مونث ہو تو صفت واحد مونث آتی ہے۔ جیسے اونچی دیواریں۔ اونچا محل۔ اونچے درجے۔ اونچی عمارت۔ لیکن جب موصوف کو حذف کر کے صرف صفت استعمال کرتے ہیں تو صفت کو جمع لاتے ہیں۔ جیسے شعر

کچھ جو سیدھی بھی بات کہتا ہوں ٹیڑھیاں وہ مجھے سناتا ہے

اصل میں ٹیڑھی باتیں ہیں۔

کبھی موصوف مذکر کو محذوف کر کے صفت کو جمع لاتے ہیں۔ جیسے بروں سے بچو اور نیکوں کی صحبت اختیار کرو۔ یعنی برے لوگوں سے بچو اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرو۔

اگر کسی موصوف محذوف کی کئی صفتیں ہوں اور ان پر حروف عاملہ واقع ہوں تو واؤ نون علامت جمع سب سے پچھلی صفت میں لگاتے ہیں اور پہلی تمام صفتوں کو واحد رہنے دیتے ہیں۔ جیسے سچے راستباز ایمان داروں سے خدا خوش ہوتا ہے۔ یوں نہیں کہتے کہ سچوں

راستبازوں۔ ایمانداروں سے خدا خوش ہوتا ہے۔

فائدہ:

جس طرح فارسی مرکب اضافی اردو میں مستعمل ہے۔ اسی طرح فارسی مرکب توصیفی بھی مستعمل ہے۔ اور موصوف جو مقدم ہوتا ہے مضاف کی طرح مکسور ہوتا ہے اور اگر آخر میں الف یا واؤ یا ہ ہو تو اس میں اسی طرح تصرف کیا جاتا ہے جس طرح مرکب اضافی میں جیسے روئے خوب۔ خوئے نیک۔ قبائے ابریشمین۔ بندۂ آزاد۔

(۳) مرکب عددی

مرکب عددی دو عددوں سے بنتا ہے۔ جیسے اکیس۔ بائیس۔ ستائیس۔ اٹھائیس۔ پینتیس۔ چھتیس۔ اڑتالیس۔ اکاون۔ باون وغیرہ۔

اعداد مرکب میں کسی حرف مذکور☆ کا ذریعہ درمیان نہیں ہوتا۔ بہت سے مرکب عددی ایسے ہیں کہ ان کے اجزا جدا جدا نہیں ہو سکتے۔ یعنی اگر ان کو جدا جدا کیا جائے تو ہرگز معلوم نہ ہو کہ یہ اعداد کے لیے وضع کیے گئے ہیں جیسے بائیس۔ انچاس۔ وغیرہ۔ ایسے اعداد کی نسبت یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ بہت سے اسم عدد ایسے ہیں کہ دو عددوں کے لیے موضوع ہوئے ہیں اور ظاہر میں مفرد معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے گیارہ۔ بارہ۔ جو ایک اور دس اور دو اور دس کے لیے موضوع ہوئے ہیں اور مطلق مرکب معلوم نہیں ہوتے۔

(۴) مرکب عطفی یا معطوف بحرف

جب صرف کلمہ واحد یا کلام ناقص یعنی مرکب اضافی و توصیفی وغیرہ کا عطف☆☆ کلمہ

☆ یہاں مذکور بمقابلہ مقدر یا محذوف ہے۔

☆☆ عطف اصطلاح میں دوسرے کو کسی بات میں پہلے کے ساتھ شریک ظاہر کرنے کو کہتے ہیں پہلا معطوف یہ کہلاتا ہے۔ دوسرا معطوف مثلاً زید اور عمرو نے کھانا کھایا۔ اس فقرے میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ زید کے ساتھ عمرو بھی کھانا کھانے میں شریک تھا تو زید معطوف علیہ ہے اور عمرو معطوف۔

واحد یا کلام ناقص پر ہو تو وہ بھی مرکب ناقص اور کلام تام کا جز ہوتا ہے۔ جیسے زید اور عمرو۔ احمد کی کتاب اور حامد کا قلم۔ زید اور احمد کا بیٹا۔ احمد کا بھتیجا اور عمرو اس طرح کے عطف بعد عطف خواہ کلام میں کتنے ہی ہوں مفید کلام تام نہیں ہوتے کیونکہ ان میں اسناد نہیں ہے۔

(۵) مرکب ظرفی

جو مظروف و ظرف سے مرکب ہو۔ جیسے قلمدان۔ پاندان۔ باورچی خانہ۔ آتشکدہ۔ مرکب ظرفی کی بیشتر فارسی ترکیبیں اردو میں مستعمل ہیں۔

(۶) مرکب امتزاجی

جب دو یا دو سے زیادہ لفظ مل کر ایک ہی اسم ہو جائیں تو ایسے مرکب کو امتزاجی کہتے ہیں جیسے۔ اعظم گڑھ۔ شاہ جہاں پور۔ محمد یوسف۔

(۷) بدل و مبدل منہ

جب دو لفظ کلام میں اس طرح استعمال کیے جائیں کہ ان میں سے ایک مقصود بالذات ہو اور دوسرے سے چنداں غرض نہ ہو تو جو مقصود بالذات ہوتا ہے۔ اس کو بدل کہتے ہیں اور دوسرے کو مبدل منہ۔ مبدل منہ میں ایک طرح کا ابہام ہوتا ہے جس کی بدل توضیح کر دیتا ہے۔

عربی میں بدل مبدل منہ سے پیچھے آتا ہے۔ اسی لیے توابع میں شمار کیا گیا ہے یعنی مبدل منہ کے پہلے اور بدل کے پیچھے آنے کے سبب مبدل منہ متبوع اور بدل کو تابع ☆ کہتے ہیں۔ جیسے زید تمہارا بھائی آیا۔ یہاں زید مبدل منہ متبوع ہے اور تمہارا بھائی بدل تابع۔ مگر

☆ تابع کے معنی ہیں کسی کے پیچھے چلنے والا۔ اصطلاح میں تابع اس لفظ کو کہتے ہیں جو کسی کلمہ کے پیچھے آتا ہے اور جو حالت و کیفیت پہلے کلمہ کی ہوتی ہے وہی اس پچھلے کلمے کی ہوتی ہے۔ پہلے کلمہ کو متبوع کہتے ہیں اور پچھلے کو تابع عربی میں اس کی پانچ قسمیں ہیں۔ نعت یعنی صفت۔ معطوف بحرف۔ تاکید بدل۔ عطف۔ بیان۔)

اردو میں بدل پہلے بھی آ جاتا ہے۔ جیسے اکبر کا بیٹا اصغر عالم ہے۔ اس فقرے میں اصغر سے صاف طور پر نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کون سا اصغر مراد ہے۔ اس لیے اکبر کا بیٹا کہنے کی ضرورت ہوئی۔ یہاں اصغر سے کوئی اور اصغر مراد نہیں۔ بلکہ وہ اصغر مراد ہے جو اکبر کا بیٹا ہے۔ پس اکبر بیٹا جو مقصود بالذات ہے بدل ہے۔ اور اصغر مبدل منہ۔

عربی میں بدل کی چار قسمیں ہیں۔ بدل الکل۔ بدل البعض۔ بدل الاشتمال۔ بدل الغلط۔ اردو میں صرف دو طرح کا بدل آتا ہے۔ ایک بدل الکل اور زیادہ تر یہی آتا ہے دوسرے بدل الغلط۔ یہ بہت کم آتا ہے۔ بدل الکل کی مثالیں اوپر بیان ہو چکی ہیں۔ بدل الغلط کے معنی ہیں غلط سے بدل۔ اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب پہلے کوئی غلط لفظ منہ سے نکل جائے۔ پھر اس کے ساتھ صحیح لفظ بول دیا جائے تو صحیح لفظ بدل الغلط ہوگا اور غلط لفظ مبدل منہ۔

بدل البعض اور بدل الاشتمال چونکہ اردو میں نہیں آتے اس لیے ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ بعض اہل قواعد نے اردو میں یہ دونوں بدل بھی بہ تکلف پیدا کیے ہیں مگر وہ عربی کی تقلید کرتے ہوئے محاورات اردو سے بہت دور جا پڑے ہیں۔

(۸) عطف بیان

جب دو اسم کلام میں اس طرح بولے جائیں کہ دوسرا اسم پہلے کی توضیح مزید کرے تو اس کو عطف بیان کہتے ہیں۔ یہ ضرور نہیں کہ عطف بیان اپنے مبین ☆ سے زیادہ واضح و مشہور ہو بلکہ دونوں مل کر وضاحت کامل پیدا کر دیتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ مبین اور عطف بیان میں دونوں اسم مقصود بالذات ہوتے ہیں۔ بخلاف بدل اور مبدل منہ کے کہ ان میں سے صرف بدل مقصود بالذات ہوتا ہے۔

عطف بیان کئی طرح سے مبین کی توضیح کرتا ہے۔ کبھی علم سے کبھی تخلص سے۔ کبھی خطاب سے۔ کبھی لقب سے۔ کبھی عرف سے۔ کبھی عہدے سے۔ کبھی پیشے سے۔ کبھی نسبت سے۔ جیسے نواب محسن الملک۔ مولوی مہدی علی۔ یہاں نام نے خطاب کو زیادہ واضح کر دیا ہے۔

☆ عطف بیان جس اسم کی توضیح مزید کرے اس کو مبین کہتے ہیں۔

نواب محسن الملک مبین ہے۔ اور مولوی مہدی علی عطف بیان۔ اسی طرح منشی امیر احمد
۔ سر سید احمد خاں ایل ایل ڈی۔ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ موسیٰ کلیم اللہ غلام نبی نبیا۔ مفتی
صدر الدین خان صدر الصدور۔ منصور حلاج۔ سعدی شیرازی۔

(۹) تابع مہمل

مہمل کے معنی بے معنی کے ہیں۔ جیسا کہ اس کتاب کے حصہ اول کے آغاز میں لکھا گیا
اردو میں بہت سے لفظوں کے ساتھ ایک زائد لفظ بولا جاتا ہے جو بے معنی ہوتا ہے۔ ایسے
لفظ کو تابع مہمل کہتے ہیں۔ جیسے سچ مچ۔ جھوٹ موٹ۔ میل کچیل۔ سودا سلف۔ غلط۔ سلط۔
دانہ دنکا۔ پوچھ گچھ۔ اکڑ تکڑ۔ بچا کھچا۔ طعنے مینے۔ ان الفاظ میں۔ مچ۔ موٹ۔ کچیل۔ سلف۔
سلط۔ دنکا۔ گچھ۔ تکڑ۔ مینے۔ تابع مہمل ہیں۔

تابع مہمل اکثر لفظ کے پہلے حرف کو واؤ سے بدل کر بولا جاتا ہے۔ جیسے کان وان روٹی
ووٹی۔ پانی وانی۔

تابع مہمل جس لفظ کے بعد آتا ہے اس کو متبوع کہتے ہیں۔

(۱۰) تابع موضوع

جس طرح بے معنی الفاظ بامعنی لفظوں کے ساتھ زائد بولے جاتے ہیں۔ اسی طرح
بامعنی الفاظ بھی اردو میں دوسرے الفاظ کے ساتھ زائد بولے جاتے ہیں۔ اور کچھ معنی نہیں
دیتے۔ جیسے رونا دھونا۔ کرنا کرانا۔ اصل وصل۔ چال ڈھال۔ ان میں دھونا کرانا۔ وصل۔
ڈھال۔ سب بامعنی الفاظ ہیں۔ مگر دوسرے لفظوں کے ساتھ مل کر اپنے معنی نہیں دیتے۔
ایسے الفاظ کو ہم تابع موضوع کہتے ہیں۔

محاورے میں کبھی تابع متبوع سے پہلے بھی آجاتا ہے۔ جیسے رگڑا۔ جھگڑا۔ یہاں جھگڑا
متبوع ہے اور رگڑا تابع مگر تابع مقدم ہے اور متبوع موخر۔

(۱۱) تاکید و موکد

تاکید سے کلام پر زور ہو جاتا ہے۔

تاکید اسم کی بھی آتی ہے اور فعل کی بھی۔ یہاں مقصود اس تاکید سے ہے جس کا موکد☆ اسم ہو۔

تاکید دو طرح سے آتی ہے۔ ایک تو سب۔ سب کے سب۔ سبھی۔ تمام۔ کل۔ بالکل۔ سراسر۔ سراپا۔ سرتاپا۔ سربسر۔ بھر۔ اسمائے اعداد جو استغراق کے لیے آتے ہیں (یعنی جن کے آخر واؤ نون آتا ہے) ہو بہو۔ بعینہ۔ آپ۔ خود وغیرہ الفاظ سے۔ دوسرے تکرار لفظ سے۔ جیسے چور چور۔ سانپ سانپ۔ ہاں ہاں۔ چپکے چپکے۔ آہستہ آہستہ۔

سب مرد۔ کل عورتیں۔ عمر بھر۔ گھر بھر ان میں مرد اور عورتیں اور عمر اور گھر موکد ہیں اور سب اور کل اور بھر تاکید۔ بیت

جہالت نہیں چھوڑتی ساتھ دم بھر ‌ ‌ ‌ ‌ تعصب نہیں بڑھنے دیتا قدم بھر

تاکید کا بیان مزید حروف تاکید میں لکھا جائے گا۔

(۱۲) تمیز و ممیّز اور عدد و معدود

جو لفظ یا الفاظ کسی اسم مفرد یا جملے سے شک و ابہام کو دور کریں۔ ان کو تمیز یا ممیز کہتے ہیں اور جس سے دور کریں۔ اس کو ممیز یا مبہم۔ جیسے پانچ گھوڑے۔ آٹھ من چاول یہاں گھوڑے اور چاول تمیز یا ممیز ہیں۔ جو پانچ یا آٹھ من سے رفع ابہام کرتے ہیں کیونکہ پانچ اور آٹھ من سے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کون سی چیز پانچ آٹھ من ہے گھوڑے اور چاول کے کہنے سے اس کی صراحت ہوگئی۔

زید بکر سے علم میں فائق ہے۔ ظاہر ہے کہ فائق ہونے کی بہت سی باتیں ہیں عقل حسن لیاقت۔ ہمت۔ شجاعت۔ دولت علم وغیرہ۔ اگر صرف زید بکر سے فائق کیا جاتا تو ابہام رہتا کہ کس چیز میں فائق ہے۔ علم میں کہنے سے یہ ابہام جاتا رہا۔

جب تمیز ان الفاظ سے ابہام کو دور کرتی ہے جو شمار اور ناپ تول یعنی عدد یا وزن یا پیمانے یا گز گت یا مسافت کے لیے آتے ہیں اس کو معدود کہتے ہیں اور ممیز کو عدد جیسے نوے روپے۔ دو سیر مکھن۔ چار شیشی عطر۔ دس گز ململ۔ سو کوس رستہ۔

☆ موکد وہ لفظ جس کی تاکید کی جائے۔

فائدہ:

جو الفاظ عموم و شمول کے لیے آتے ہیں۔ ان سے بھی تمیز رفع ابہام کرتی ہے۔ جیسے تمام گھر۔ سب لوگ۔ کتنی ہی تلواریں۔

فائدہ:

جب ممیز یا عدد کثیرت کے معنی دیتا ہے تو تمیز یا معدود کا لانا ضرور نہیں ہوتا۔ جیسے "کتنا سمجھایا مگر کچھ اثر نہ ہوا" مصرع

لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

(۱۳) اسم فاعل ترکیبی

(۱۴) اسم مفعول ترکیبی

(۱۵) اسم صفت ترکیبی

یہ تینوں قسم کے مرکب بھی کلام غیر تام ہے اور ان کا مفصل حال علم صرف میں بیان ہو چکا ہے۔

(۱۶) اسم مکبر۔ جو مرکب ہو

(۱۷) اسم مبالغہ

(۱۸) اسم تفضیل

یہ سب مرکب بھی مرکب ناقص ہیں اور جزو جملہ ہوتے ہیں۔

(۱۹) اشارہ اور مشارٌ الیہ

اسم اشارہ اپنے مشارٌ الیہ کے ساتھ مل کر کلام تام نہیں ہوتا۔ جیسے یہ آم نہایت شیریں ہے۔ یہاں یہ اور آم دونوں کلام غیر تام ہیں۔

مرکب ناقص کا بیان تمام ہوا۔ اب مرکب تام کا حال سنو۔

مرکب تام

یا کلام تام یا مرکب مفید یا جملہ

مرکب تام وہی کلام تام ہے جس کی تعریف پہلے گزر چکی اور جس کو مرکب مفید اور جملہ بھی کہتے ہیں۔

جملہ کم سے کم دو لفظوں سے مرکب ہوتا ہے۔ جہاں صرف ایک لفظ دیکھو وہاں دوسرے کو محذوف سمجھو۔ جیسے آؤ۔ جاؤ۔ کھاؤ۔ پیو۔ پڑھو۔ لکھو۔ یہ اگرچہ ایک لفظ ہیں مگر لفظ تم جو ان کا فاعل ہے اور جس کے بغیر فعل وقوع میں نہیں آ سکتا۔ محذوف ہے۔ اصل میں ہے۔

تم آؤ۔ تم جاؤ۔ تم کھاؤ۔ تم پیو۔ تم پڑھو۔ تم لکھو۔

جملے کی قسمیں:

جملہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جس کو سچا یا جھوٹا کہہ سکیں اور اس کو جملہ خبریہ کہتے ہیں دوسرے وہ جس کو سچا یا جھوٹا نہ کہہ سکیں۔ اس کا نام جملہ انشائیہ ہے اور اس کی بارہ قسمیں ہیں۔

جملہ انشائیہ کی قسمیں

(۱) امر۔ جیسے آؤ

(۲) نہی جیسے مت کرو

(۳) استفہام۔ مومن

شعلہ ہائے تپ دل آگ لگاتے کیوں ہو   گر ہو دلسوز مرے مجھ کو جلاتے کیوں ہو

(۴) تعجب۔ حالی

شیخ اللہ رے تیری عیاری   کس توجہ سے پڑھ رہا ہے نماز؟

(۵) تحسین۔ ذوق

نہ اک آہ کی زخم سو سو اٹھائے   تجھے آفریں ذوق صد آفریں ہے

(۶) انبساط۔ شعر

کیا معتدل ہے باغ عالم کی ہوا　　مثل نبض صاحب صحت ہے ہر موج صبا

(۷) ندا۔ غالب

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے　　آخر اس درد کی دوا کیا ہے

(۸) ندبہ وتاسف۔ انیس

مٹی میں مل گیا یہ چمن و امصیبتا　　ان گوری گردنوں میں رسن و امصیبتا

محزوں

نامہ ہی نہ پیغام زبانی بھیجا　　حیف محزوں مجھے یارانِ وطن بھول گئے

مصرع

اٹھ گئی دنیا سے رسم دوستداری ہائے ہائے

(۹) قسم۔ شعر

جو آپ در سے اٹھا نہ دیتے کہیں نہ کرتا میں جبہ سائی

اگرچہ یہ سرنوشت میں تھا تمہارے سر کی قسم نہ ہوتا

(۱۰) عرض جیسے ”کھیل کود میں وقت ضائع کرنا اچھا نہیں۔“

(۱۱) تمنا غالب

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں　　کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

(۱۲) تنبیہ۔ ”خبردار پھر ایسی حرکت نہ کرنا۔“

جملہ خبریہ کی قسمیں:

جملہ خبریہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ فعلیہ اور اسمیہ۔ جملہ انشائیہ اکثر فعلیہ ہوتا ہے اور کبھی اسمیہ جیسا کہ مثالہائے مذکورہ سے معلوم ہوا۔

اب جملہ فعلیہ اور جملہ اسمیہ کا مفصل حال سنو۔ مگر پہلے ہم جملہ اسمیہ کا حال لکھتے ہیں۔

جملہ اسمیہ

کوئی سا جملہ ہو اس کے اجزا میں ایک ایسا علاقہ ہوتا ہے۔ جو کلام کو پورا کر دیتا ہے۔

یعنی سننے والا اس سے فائدہ تام حاصل کرتا ہے اور بیان مزید کا منتظر نہیں رہتا۔ ایسے علاقہ کا نام اسناد ہے اور جس چیز کا علاقہ ہوتا ہے اسے مسند اور جس چیز سے علاقہ ہوتا ہے اسے مسند الیہ کہتے ہیں۔

مسند الیہ ہمیشہ اسم ہوتا ہے اور مسند اسم بھی ہوتا ہے۔ مگر دونوں میں سے کوئی حرف کبھی نہیں ہوتا اس لیے کہ حروف میں مسند الیہ یا مسند ہونے کی صلاحیت ہی نہیں جس جملہ میں مسند الیہ اور مسند دونوں اسم ہوں وہ جملہ اسمیہ ہے۔

اسم اور خبر

عربی میں جملہ اسمیہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جس میں فعل مطلق نہیں ہوتا اور وہ کم سے کم دو اسموں کا ہوتا ہے۔ جیسے زیدٌ قائمٌ (زید کھڑا ہے) دوسرے وہ جس میں فعل تو ہوتا ہے مگر فعل ناقص۔ جیسے کان زیدٌ قائماً (زید کھڑا تھا) پہلی قسم کے جملہ میں وہ مسند الیہ کو مبتدا کہتے ہیں اور مسند کو خبر۔ اور دوسری قسم کے جملہ میں مسند الیہ کو اسم اور مسند کو خبر۔ مگر فارسی اور اردو میں پہلی طرح کا جملہ نہیں ہوتا۔ یعنی صرف دو اسموں سے جملہ نہیں بنتا۔ فارسی میں جملہ اسمیہ میں مسند الیہ اور مسند کے علاوہ ایک لفظ است یا ہست ضرور ہوتا ہے۔ مذکور ہے یا محذوف جیسے حامد عالم ست۔ منت مرخدائے عزوجل۔ پہلے فقرے میں است مذکور ہے دوسرے میں محذوف۔ اسی طرح اردو میں ہے ضرور ہوتا ہے۔ مذکور ہو یا محذوف جیسے زید دانا ہے۔ شعر

نہ معاصی میں تلخی خجلت نہ عبادت میں چاشنی حضور

ان مثالوں میں تم نے دیکھ لیا کہ جہاں عربی میں فقط دو لفظوں سے کام چلا تھا وہاں فارسی اور اردو میں تین سے کلام چلا ہے۔ فارسی اور اردو کے عام نحویوں نے نحاۃ عربی کی تقلید سے ایسے جملوں میں مسند الیہ کو مبتدا اور مسند کو خبر کہا ہے۔ اور راست یا است یا ہے کو حرف ربط قرار دیا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک یہ حرف ربط نہیں ہیں۔

فعل ہیں۔ است کو تو فارسی کے بعض محققوں نے ہستن کی ماضی لکھا ہے اور ماضی ہے تو فعل ہے۔ ہے بے شک کسی سے مشتق نہیں۔ اسی لیے ہم نے اس کو اسم فعل لکھا ہے۔ مگر جس

مشتق نہیں اسی طرح تھا بھی مشتق نہیں۔ لیکن تھا کو اہل قواعد فعل ناقص کہتے ہیں۔
ربط نہیں کہتے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ تھا عربی کے فعل ماضی کان کا ترجمہ ہے
فعل ناقص ہے حالانکہ اردو میں تھا اور ہے میں غیر مشتق ہونے کے اعتبار سے کچھ فرق
نہیں۔ اس بیان کو ہم کس قدر تفصیل کے ساتھ افعال ناقصہ کی بحث میں لکھیں گے۔ جہاں
کو فعل ناقص ثابت کریں گے۔

اب یہ بحث رہی کہ ہے کے مسند الیہ کو مبتدا کہیں یا اسم سو یہ بات بیان کر دینی ضرور
ہے کہ عربی کے اہل قواعد مبتدا کو اس لیے مبتدا کہتے ہیں کہ وہ جملہ اسمیہ کے شروع میں آتا
ہے۔ اگر جملہ فعلیہ میں فاعل بھی پہلے آتا تو مبتدا کو مبتدا کہنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ مگر اردو میں تو
فعل بھی پہلے آتا ہے۔ اور جملہ اسمیہ میں مسند الیہ کے مبتدا ہونے کی کچھ خصوصیت نہیں۔ اس
لیے اردو میں مسند الیہ کو صرف اس لحاظ سے کہ جملے کے آغاز میں آتا ہے مبتدا کہتے ہیں ہم کو
قبول ہے اور ہمارے نزدیک اس کو اسم کہنا مناسب و زیبا ہے۔

پس ہم اس کو دوسرے افعال ناقصہ کے مسند الیہوں کی طرح اسم ہی کہیں گے۔ اب
اسم اور خبر کے متعلق چند ضروری باتیں سنو۔

اسم ہمیشہ ایسا ہونا چاہیے جس میں کچھ خصوصیت ہو۔ عام اس سے کہ معرفہ ہو یا نکرہ اور
ضرور ہے کہ خبر کی نسبت خاص ہو۔ صورتہائے مندرجہ ذیل میں اس کی تفصیل دیکھو۔

(۱) ایک جملے میں دو اسم ذات ہوں تو ان میں سے معرفہ اسم ہوتا ہے اور نکرہ خبر جیسے
زید انسان ہے۔ ہے فعل ناقص۔ زید اسم۔ انسان خبر۔

(۲) ایک اسم ذات اور ایک اسم صفت ہو تو اسم ذات کو اسم کہیں گے اور اسم صفت کو خبر
جیسے زمین گول ہے۔ میر انیس

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر   راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر
لذت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر   نکہت کوئی بوئے گل تر سے نہیں بہتر

صدموں میں علاجِ دلِ مجروح یہی ہے
ریحاں ہے یہی روح یہی روح یہی ہے

اس بند کے پہلے چار مصرعوں میں دولت اور راحت اور لذت اور نکہت اسم ہیں اور بہتر

خبر (۳) دو اسم ذات ہوں جن میں سے ایک صفت کے معنی دے تو جو صفت کے معنی دے گا خبر ہوگا جیسے ایک شاعر ایک چٹیل میدان کی تعریف میں کہتا ہے۔ بیت

سائے کو پتا نہیں شجر کا عنقا ہے نام جانور کا

یہاں عنقا جو معرفہ ہے اور ایسے جانور کا نام ہے جسے معدوم مانا ہوا ہے صفت کے معنی دیتا ہے یعنی معدوم و ناپید اس لیے خبر ہے اور جانور کا نام۔ اسم۔ وصفی معنی ملحوظ نہ ہوں تو عنقا اسم ہوگا اور جانور کا نام خبر۔

(۴) ایک ہی جملے میں ایک لفظ مکرر واقع ہو کر ایک جگہ اسم ذات اور دوسری جگہ اسم صفت کے معنی دے تو پہلے کو اسم کہیں گے اور دوسرے کو خبر۔ جیسے ناسخ

آدمی ہے اور ہے حیواں تری رفتار جدا کبک کی رفتار جدا

(۵) دونوں اسم صفت ہوں تو حسب اقتضائے مقام جس میں زیادہ خصوصیت ہو وہ اسم ہوگا مثلاً رنگوں کا ذکر ہو کہ سب میں پسندیدہ کون سا رنگ ہے۔ سفید یا سیاہ یا سبز یا سرخ وغیرہ تو کوئی کہے کہ سفید سب میں پسندیدہ ہے یعنی سفید رنگ۔ دیکھو یہاں سفید خاص ہے اور اسم اور پسندیدہ عام ہے اور خبر۔

(۶) دو معرفے ہوں تو پہلا اسم ہوتا ہے اور دوسرا خبر۔ جیسے شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم انگلستان اور ہندوستان کے بادشاہ ہیں۔

(۷) دونوں نکرے ہوں تو جو زیادہ خاص ہو وہ اسم ہوگا۔ جیسے گائے چوپایہ ہے۔

(۸) دونوں مشبہ اور مشبہ بہ ہوں تو مشبہ اسم ہوگا۔ جیسے غالب

ہے زباں میری تیغ جوہر دار رزم کی داستاں اگر سنئے

ہے قلم میرا ابر گوہر بار بزم کا التزام اگر کیجیے

پہلے شعر میں زبان میری جو مشبہ ہے۔ بہ ترکیب اضافی ہے۔ اسم ہے۔ تیغ جوہر دار جو مشبہ بہ ہے (بہ ترکیب توصیفی) خبر اسی طرح شعر ثانی کے دوسرے مصرع میں قلم میرا اسم اور ابر گوہر بار خبر ہے۔

(۹) ایک زبان کے لفظ کو دوسری زبان میں ترجمہ کریں تو جس لفظ کا ترجمہ کیا جائے وہ اسم ہوگا اور جو ترجمہ ہو وہ خبر ہے۔

نصاب خسرو

نمک لح ہے نون شیریں ہے میٹھا ۔۔۔ ہندی زباں بد مزہ ہست سیٹھا
درعہ گز میزاں تراز دو زن تول ۔۔۔ ہے دجب بالشت ہندی ولو ڈول
آتش آگ آب ہے پانی

(۱۰) اسم عموماً پہلے آتا ہے اور پہلے ہی آنا چاہیے۔ مگر کبھی خبر مقدم ہو جاتی ہے جیسے حالی

چشمہ زندگی ہے ذکر جمیل ۔۔۔ حضر و آب و بقا سے کیا مطلب

یہاں ذکر جمیل اسم ہے اور چشمہ زندگی خبر۔ نہ بالعکس۔

مسدس مدوجزر اسلام

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے ۔۔۔ فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے ۔۔۔ اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے
فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت
جو کرنا ہے کر لو کہ تھوڑی ہے مہلت

اس بند میں صحت اور فراغت اور جوانی اور اقامت اور دولت اسم موخر ہیں اور غنیمت خبر مقدم۔

(۱۱) کبھی خبر مقدم ہو کر افادۂ تخصیص کرتی ہے۔ مثلاً اگر یوں کہا جائے کہ ناصر عقلمند ہے تو اس سے اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ قائل ناصر کی ایک صفت عقلمندی کا اظہار کرتا ہے۔ نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اور وصف ہیں یا نہیں نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عقلمندی کا وصف اس میں کس درجے کا ہے۔ لیکن اگر اس طرح کیا جائے کہ عقلمند تو ناصر ہے تو قائل کی اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ ناصر سب سے بڑا عقلمند ہے۔ اور جہاں وہ رہتا ہے وہاں اس جیسا اور کوئی عقلمند نہیں۔

(۱۲) اسم اور خبر مفرد اور مرکب دونوں طرح کے ہوتے ہیں۔ جیسے میرا بھائی، دانا ہے۔ زید عمرو کا بیٹا ہے۔ شعر

عشرت کا ثمر تلخ سدا ہوتا ہے
ہر قہقہہ پیغام بکا ہوتا ہے

(۱۳) کبھی ایک اسم کئی خبروں کا مالک ہوتا ہے جیسے خدا علیم ہے۔ حکیم ہے۔ حاضر ہے ناظر ہے۔ خالق ہے رازق ہے۔

(۱۴) کبھی دو اسم اور دو خبریں۔ بہ ترتیب۔ لف ونشر اسم اور خبر ہوتے ہیں۔ یعنی پہلے اسم کی پہلی خبر ہوتی ہے اور دوسرے کی دوسری۔ جیسے ہادی اور مہدی استاد شاگرد ہیں۔ یعنی ہادی استاد ہے اور مہدی شاگرد۔ مگر یاد رکھو کہ ایسے اسم اور خبریں معطوف علیہ اور معطوف ہو کر ایک کلمے کا حکم رکھتے ہیں۔ جیسے ہادی اور مہدی معطوف علیہ اور معطوف ہو کر مبتدا ہیں اور اسی ترکیب سے استاد و شاگرد خبر۔

(۱۵) کبھی اسم حذف ہو جاتا ہے۔ ذوق

بلبل ہوں صحن باغ سے دور اور شکستہ پر پروانہ ہوں چراغ سے دور اور شکستہ پر
یعنی میں

(۱۶) کبھی خبر حذف ہو جاتی ہے۔ مثلاً پوچھا جائے کہ خلاق عالم کون ہے۔ جواب دینے والا کہے۔ خدا۔ یا جیسے حامد یہاں نہیں ہے۔ یعنی موجود نہیں ہے۔

(۱۷) کبھی ہے (فعل ناقص) حذف ہو جاتا ہے۔ جیسے شعر

رنگ عشرت باغ عالم میں نظر نہیں آتا گل کو گلچیں کا خطر بلبل کو غم صیاد کا

دوسرے مصرع میں ہے دو جگہ محذوف ہے۔ اصل میں یوں ہے کہ گل کو گلچیں کا خطر ہے اور بلبل کو صیاد کا غم۔

(۱۸) کبھی اسم اور خبر دونوں حذف ہو جاتے ہیں۔ جیسے کوئی پوچھے تمہارے پاس قلم ہے؟ مخاطب کہے۔ ہے۔

(۱۹) کبھی اسم اور خبر اور ہے تینوں حذف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کوئی مسافر کسی شہر میں وارد ہوتا ہے تو پوچھتا ہے۔ یہاں کوئی سرائے ہے؟ جواب دینے والا کہتا ہے۔ ہاں۔

(۲۰) وحدت وجمع میں اسم وخبر کا حال موصوف وصفت کی طرح ہے۔ یعنی اسم واحد ہوتا ہے تو خبر بھی واحد ہوتی ہے۔ اور جمع ہوتا ہے تو جمع۔ مگر جب جمع اسم مونث ہو تو خبر واحد

مونث آتی ہے۔ جیسے لڑکا پڑھا ہوا ہے۔ لڑکے پڑھے ہوئے ہیں۔ لڑکی پڑھی ہوئی ہے۔
لڑکیاں پڑھی ہوئی ہیں۔

(۲۱) ہے کلام میں اسم اور خبر دونوں کے پیچھے آتا ہے۔ مگر نظم میں اس کی پابندی نہیں۔

بیت برق

ضروری ہے دریا دلی بہر نام   کبھی ناؤ خشکی میں چلتی نہیں

یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہے کا اسم مبتدا نہیں رہا تو اردو میں مبتدا کوئی خبر ہی نہیں موصول
مع صلہ مل کر ہمیشہ مبتدا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ تم آگے دیکھو گے۔ اس کے علاوہ اور کلمات بھی
ترکیب میں مبتدا واقع ہوتے ہیں۔ مثلاً بیت

فقیہ اور جاہل ضعیف اور توانا   تاسف کے قابل ہے احوال سب کا

اس بیت میں پہلا مصرع بہ ترکیب عطفی مبتدا ہے اور دوسرا خبر۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں
کہ افعال ناقصہ کا حال بھی اسم اور خبر کے ساتھ ہی لکھ دیں۔

افعالِ ناقصہ

اس کتاب کے حصہ اول میں بیان ہو چکا ہے کہ افعالِ ناقصہ میں جب تک فاعل کے
علاوہ کوئی اور اسم ان کے ساتھ نہ ملے کلام سے مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ یوں سمجھو کہ افعالِ
ناقصہ میں دو اسم درکار ہوتے ہیں ایک کو اسم کہتے ہیں۔ دوسرے کو خبر۔ اسم مسند الیہ ہوتا ہے
اور خبر مسند اور فعل ناقص اسم خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہوتا ہے۔ تم کو یاد ہو گا ہم نے ہونا۔
بننا۔ پڑنا۔ رہنا۔ نکلنا۔ (بمعنی ظاہر ہونا) لگنا۔ ہو جانا۔ بن جانا اور ان کے ہم معنی مصادر کے
مشتقات اور تمام اسم فعلوں یعنی ہے کے تینوں اور تھا کے چاروں صیغوں اور سہی کو افعال
ناقصہ لکھا ہے۔ اردو کے قواعد کی مروجہ کتابوں میں سہی کا تو کہیں ذکر ہی نہیں۔ البتہ ہے کو
حرف ربط لکھا ہے۔ لیکن اگر ہے حرف ربط ہے تو تھا حرف ربط کیوں نہیں۔ حالانکہ اس کو کوئی
بھی حرف ربط نہیں کہتا۔ اور ہے اور تھا میں اس کے سوا کچھ فرق نہیں کہ ہے میں بالفعل کا زمانہ
پایا جاتا ہے۔ تھا میں گزرا ہوا۔

جو لوگ ہے کو حرف ربط قرار دیتے ہیں وہ محمود عالم ہے میں محمود کو مبتدا اور عالم کو خبر کہتے

ہیں۔ مگر پوچھتے ہیں کہ "محمود عالم تھا" میں محمود کو مبتدا اور عالم کو خبر کیوں نہیں کہتے۔ ہم حیران ہیں کہ اگر ہے کو حرف ربط لکھیں تو ہے اور تھا میں مابہ الامتیاز کیوں قرار دیں۔

عربی میں کہتے ہیں زیدٌ قائمٌ۔ یہ دو لفظ ہیں اور دونوں ایک جملہ ہیں۔ زید کو تم جانتے ہو کہ ایک فرضی یا اصلی نام ہے۔ قائم کے معنی ہیں کھڑا۔ اہل عرب ترکیب میں زید کو مبتدا کہتے ہیں اور قائم کو خبر۔ وہ اس جملہ میں ایک مخفی اسناد یعنی نسبت مانتے ہیں جو زید اور قائم میں تعلق پیدا کرتی ہے۔ اس لیے وہ زید کو مسند الیہ کہتے ہیں اور قائم کو مسند مگر اردو میں زید کھڑا کوئی جملہ نہیں زید کھڑا ہے جملہ ہے اور جو چیز زید اور کھڑا کو ملاتی ہے وہ ہے ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح عرب کے کانَ زیدٌ قائمٌ میں کان زید اور قائم کو ملاتا ہے۔ اہل عرب جب زید کا زمانہ حال میں کھڑا ہونا بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں زیدٌ قائمٌ اور جب گزشتہ زمانہ میں بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں کانَ زیدٌ قائماً یعنی زید کھڑا تھا۔ کانَ زیدٌ قائماً میں تین لفظ ہیں جن میں کانَ فعل ہے۔ عربی زبان میں دونوں جملوں زیدٌ قائمٌ اور کانَ زیدٌ قائماً میں بہت فرق ہے ہماری زبان میں کچھ فرق نہیں۔ ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں زید کھڑا ہے۔ یا زید کھڑا تھا۔ ہمارے ہاں ہے اور تھا نے صرف دو جداگانہ زمانے پیدا کر دیئے ہیں۔ ورنہ جو کام ہے نے کیا وہی تھا نے کیا۔ اہل عرب کے ہاں زیدٌ قائمٌ میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس نے زمانہ پیدا کیا ہو۔ اردو میں دو اسم صرف دو اسم مل کر جملہ نہیں بنا سکتے۔ عربی میں دو اسموں سے بشرطیکہ ان میں ایک طرح کی نسبت واقع ہو خاصہ جملہ بن سکتا ہے۔ دیکھو تو زیدٌ قائمٌ میں کھڑا ہونے کی نسبت زید کی طرف ہے۔ اور یہ ایک جملہ ہے۔ مگر اردو میں دو اسموں سے جملہ نہیں بن سکتا۔ اس بیان سے ثابت ہوا ہے کہ ہے حرف ربط نہیں بلکہ فعل ہے اور فعل بھی ناقص۔ اسی لیے ہم نے اسم وخبر کی فصل میں ہے کے مسند الیہ اور مسند کو اسم وخبر قرار دیا ہے۔

بعض اوقات افعال مذکورہ میں سے کوئی فعل صرف ایک ہی اسم پر پورا ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں اس کو فعل ناقص نہیں کہتے فعل تام کہتے ہیں جیسے کام بن گیا۔ کام ہو گیا۔ شعر

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

اس شعر میں فعل تام اور ناقص دونوں کی مثالیں ہیں۔ پہلے مصرع میں ہوتی ہے فعل تام ہے کیونکہ صبح اور شام پر پورا ہو گیا ہے۔ اور دوسرے مصرع میں فعل ناقص ہے کیونکہ تمام کے

کا کلام پورا نہیں ہوتا۔ پہلے مصرع میں صبح اور شام فاعل ہے دوسرے میں عمر اسم اور تمام خبر
ہے۔ شعر

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا
پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

اس شعر میں پڑ گئی فعل تام ہے۔ بیت

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا
کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا

اس بیت میں تھا فعل تام ہے اور جھگڑا فاعل۔

ہے بھی اسی صورت میں فعل ناقص ہوتا ہے۔ جب اسم و خبر کے بغیر کلام پورا نہ ہو۔
بعض اوقات ہے کلام میں زائد بھی آجاتا ہے۔ جیسے ''دیکھو تو سہی'' ''سنو تو سہی'' یہاں سہی
صرف تاکید کا فائدہ دیتا ہے اور مطلب اس کے سوا بھی پورا ہو جاتا ہے۔

کبھی ہے ہوگا کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے شعر

عزیز و حق کی رحمت ہے یہ پیر ناتواں ہم میں
پھر ایسا پیر ہے ہم میں نہ کوئی نوجواں ہم میں

یعنی ان کے بعد ہم میں نہ کوئی ایسا پیر ہوگا نہ نوجوان۔

کبھی تھا بمعنیٰ ہوتا اور تھی بمعنی ہوتی اور تھے بمعنی ہوتے آتا ہے۔ خواجہ حالی کی کسی
مثنوی میں ہے۔ بیت

مارنا اس کا نہ تھا کچھ دشوار اک اشارے میں وہ تھا لقمہ غار

یعنی ایک اشارے میں وہ لقمہ غار ہو جاتا۔

مسدس مدوجزر اسلام

بغیر ان کے بے سازو ساماں تھی مجلس
نہ ہوتے اگر یہ تو ویراں تھی مجلس
نہ ہوتے اگر مائل لہو و بازی ہزاروں انہیں میں تھے طوسی و رازی

فعل ناقص کا اسم خبر سے مقدم آتا ہے۔ مگر نظم میں یہ پابندی نہیں۔ ناسخ

شگفتہ مثل گل ہر فصل گل میں داغ ہوتے ہیں
بنا ہے کیا ہمارا کالبد خاک گلستاں کا

ہوتے ہیں فعل ناقص ہے۔ داغ اسم موخر اور شگفتہ خبر مقدم۔

فعل ناقص کے اسم و خبر میں وحدت و جمع کے لحاظ سے مطابقت کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے لیکن جب اسم مذکر اور خبر مونث یا اسم مونث اور خبر مذکر ہو تو اس وقت اختلاف ہے کہ فعل ناقص کی تذکیر و تانیث بہ لحاظ اسم کے ہوگی یا خبر کے اگرچہ درست دونوں طرح ہے لیکن غالب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسم کی رعایت بیشتر کی جاتی ہے جیسے ''پکائی تھی کھیر ہو گیا دلیا'' یہاں ہو گیا فعل ناقص ہے۔ کھیر اس کا اسم اور دلیا خبر۔ خبر کے لحاظ سے فعل مذکر آیا ہے۔

مصرع

آنکھ کی پتلی جو تھی جادو کا پتلا ہو گیا

یہاں بھی خبر کی رعایت سے فعل ناقص مذکر ہے۔

اسم کی رعایت کی مثالیں بھی سنو۔ ذوق

ظلمت عصیاں سے میری بن گیا شب روز حشر　　آفتاب اک نیزے پر دُم دار تارا ہو گیا

اس شعر میں بن گیا فعل ناقص ہے۔ روز حشر اس کا اسم اور شب خبر۔ بہ لحاظ اسم کے فعل ناقص مذکر لایا گیا۔ غالب

باغ میں مجھ کو نہ لے جا ورنہ میرے حال پر　　ہر گل تر ایک چشم خوں فشاں ہو جائے گا

ہو جائے گا فعل ناقص ہے ہر گل تر اس کا اسم اور چشم خوں فشاں خبر اسم کی رعایت سے فعل ناقص مذکر ہے۔ گویا

وصف قاتل کا کروں گا میں دہانِ زخم سے　　ٹوٹ کر گر رہ گیا خنجر زباں ہو جائے گا

ہو جائے گا فعل ناقص ہے خنجر اس کا اسم اور زبان خبر۔ اسم کے لحاظ سے فعل ناقص مذکر ہے۔ مومن

چھوڑا نہ کچھ بھی سینے میں طغیان اشک نے　　اپنی ہی فوج ہو گئی لشکر غنیم کا

ہو گئی فعل ناقص اپنی فوج اس کا اسم اور لشکر غنیم کا خبر اسم کے لحاظ سے فعل ناقص مونث

گیا ہے۔

جملہ فعلیہ

جملہ فعلیہ وہ ہے جو کم سے کم فعل اور فاعل سے بنا ہو۔ اس جملہ میں فاعل مسند الیہ ہوتا ہے اور فعل مسند فعل اور فاعل اور مفعول کی تعریفیں حصہ اول میں گزر چکی ہیں۔

فعل لازم ہو تو فاعل پر تمام ہو کر پورا جملہ ہو جاتا ہے۔ جیسے زید بیٹھا۔ بیٹھا۔ فعل۔ زید فاعل فعل اور فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ اسی طرح عمرو سویا۔ سویا فعل عمرو فاعل۔ فعل اور فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہوا اور اگر فعل متعدی ہو تو مفعول کا ہونا بھی ضروری ہے جیسے ناظر نے سبق پڑھا۔ پڑھا فعل۔ ناظر فاعل نے علامت فاعل سبق مفعول فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

جن جملوں میں افعال متعدی کے دو مفعول آتے ہیں ان میں مفعول اول کو مفعول بہ یا پہلا مفعول اور مفعول ثانی کو دوسرا مفعول کہتے ہیں۔

فاعل کبھی اسم ظاہر ہوتا ہے۔ کبھی ضمیر جیسے احمد آیا۔ اس نے کھانا کھایا۔ ضمیر اگر فعل میں چھپی ہو تو اس کو ضمیر مستتر کہتے ہیں اور اگر ظاہر ہو تو ضمیر بارز کی مثال اوپر دیکھ چکے ہو۔ ضمیر مستتر جیسے شعر

مسکن اس بحر فنا میں کر نہ مانند حباب
ڈال پانی پر نہ بنیاد مکاں بے فائدہ

نہ کر اور نہ ڈال میں تو ضمیر مستتر ہے جو ان کا فاعل ہے۔ اگر ایک فعل کے کئی فاعل اس طرح کے ہوں کہ ایک ان میں سے غائب ہو اور دوسرا حاضر یا دونوں غائب ہوں یا ایک

حاضر ہو دوسرا متکلم۔ یا ایک متکلم ہو دوسرا غائب تو دونوں کے غائب ہونے کی صورت میں جمع غائب کا صیغہ بولتے ہیں جیسے حامد اور محمود آئے اور اگر ایک غائب اور ایک حاضر ہو تو جمع حاضر کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ جیسے تم اور حمید کھانا کھاؤ اور اگر ایک غائب اور ایک متکلم یا ایک حاضر اور دوسرا متکلم ہو تو جمع متکلم کا صیغہ بولتے ہیں۔ جیسے میں اور وہ آئیں گے۔ اور ہم تم چلیں گے۔ غرض غائب کے مقابلے میں حاضر کو ترجیح ہے اور حاضر اور غائب دونوں کے مقابلے میں متکلم کو۔

اردو میں فاعل مفعول سے اور مفعول فعل سے مقدم آتا ہے۔ جیسے زید نے عمرو کو نصیحت کی۔ نصیحت کی فعل مرکب۔ زید فاعل نے علامت فاعل۔ عمرو مفعول۔ کو علامت مفعول فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ مدوجزر اسلام

کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا
مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا

پوچھا فعل۔ کسی۔ فاعل۔ بقراط مفعول۔ نثر میں یہ ترتیب ضرور ہے اور اس کے خلاف خلافِ فصاحت مگر نظم میں آگے پیچھے بھی ہو جاتے ہیں۔ جیسے مومن

کھا گیا جی غم نہاں افسوس ۔۔۔ گھل گئی غم کے مارے جاں افسوس

مصرع اول میں ساری ترتیب بدل گئی ہے۔ یعنی فعل جو سب سے پیچھے آنا چاہیے تھا۔ سب سے پہلے ہے اور فاعل جو سب سے پہلے چاہیے تھا سب سے پیچھے تھا۔ مفعول ایسی جگہ واقع ہوا ہے کہ اس پر فاعل ہونے کا مغالطہ ہوتا ہے۔ مگر شاعر کا مطلب یہ ہے کہ غم نہاں جی کو کھا گیا ہے اور اسی کے سبب جان گھل گئی ہے۔ اس لیے جی جو مفعول ہے فاعل نہیں ہو سکتا۔

کبھی ایک سے زیادہ مختلف فعل پہلے لاتے ہیں اور ان کے فاعل بعد میں مگر فعلوں کے

فاعلوں کی ترتیب ملحوظ رکھتے ہیں جیسے شیخ ابراہیم ذوق کہتے ہیں۔

مجھے بے تابی و بے طاقتی نے اٹھایا گاہ اور گاہ ہے بٹھایا

اس شعر میں اٹھانے والی چیز بے تابی ہے اور بٹھانے والی بے طاقتی۔ سو اٹھانے کے لحاظ سے بے تابی کو پہلے ذکر کیا اور بٹھانے کے اعتبار سے بے طاقتی کو پیچھے۔

جب قرینہ پایا جائے تو فعل یا فاعل یا دونوں کا حذف جائز ہے۔ جیسے کوئی پوچھے کون غل کرتا ہے؟ تم کہو۔ حامد۔ یہاں فعل حذف ہوگیا۔ یا یوں پوچھے کہ کیا حامد غل کرتا ہے؟ تم کہو ہاں۔ یہاں فعل اور فاعل دونوں حذف ہو گئے۔ بعض اور مقام بھی ہیں جہاں فاعل اکثر حذف ہو جاتا ہے۔ مثلاً " کہتے ہیں کہ کسی ملک میں ایک نہایت انصاف پرور اور کرم گستر بادشاہ تھا۔" یہاں کہتے ہیں کا فاعل محذوف ہے۔ یعنی حکایت کرنے والے۔ شعر

دیدۂ عبرت سے گورستاں کی جانب کر نگاہ خاک پر سوتے ہیں کیا کیا قصر و ایواں چھوڑ کر

یعنی اہل قبور۔

اسی طرح مفعول بھی محذوف ہو جاتا ہے۔ مثلاً زید۔ عمرو کو مارے۔ تم عمرو سے پوچھو۔ تم کو کس نے مارا۔ وہ کہے زید نے۔ یہاں مفعول محذوف ہوگیا۔ اور مفعول کے علاوہ فعل بھی یعنی زید نے مجھ کو مارا۔

بعض مقامات میں صرف ایک جزو جملے کا بولا جاتا ہے اور مقدرات کے لحاظ سے وہ جزو جملہ فعلیہ بھی بن سکتا ہے۔ اور جملہ اسمیہ بھی۔ جیسے کہیں سانپ پڑا ہوا ہو یا وہ دفعتہً کہیں سے سر نکالے تو کہتے ہیں سانپ سانپ یا کہیں چور نمودار ہو تو کہتے ہیں چور چور۔ یا جنگل میں شیر قریب آتا ہوا نظر آئے تو کہتے ہیں شیر شیر۔ یہاں تین طرح کے محذوفات نکالے جا سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ سانپ نکلا سانپ نکلا۔ چور آیا چور آیا۔ شیر آیا۔ اس صورت میں نکلا فعل اور سانپ فاعل ہے۔ اسی طرح آیا فعل اور چور اور شیر فاعل ہے۔ دوسرے یہ کہ سانپ کو مارو سانپ کو مارو۔ چور کو پکڑو چور کو پکڑو۔ شیر کو روکو شیر کو روکو۔ اس صورت میں مارو اور پکڑو اور روکو فعل ہیں۔ اور تم ضمیر مستتر فاعل۔ اور سانپ اور چور اور شیر مفعول۔ ان دونوں صورتوں میں جملہ فعلیہ ہوگا۔ تیسرے یہ کہ سانپ بیٹھا ہوا یا نکلا ہوا ہے سانپ بیٹھا ہوا یا نکلا ہوا ہے۔ چور

آیا ہوا ہے چور آیا ہوا ہے۔ شیر آیا ہوا ہے شیر آیا ہوا ہے۔ اس صورت میں ہے فعل ناقص ہے
اور سانپ اور چور اور شیر اسم اور بیٹھا ہوا یا نکلا ہوا اور آیا ہوا خبر۔ فعل ناقص اسم اور خبر کے
ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔ ایسے الفاظ اکثر جلدی اور گھبراہٹ یا خوف کے مقام میں منہ سے
نکلتے ہیں اور تاکید کے سبب مکرر ہو جاتے ہیں۔ غرض ان سے یہ ہوتی ہے کہ سننے والا تھوڑے
لفظ سن کر جلد متوجہ ہو اور تدارک کرے۔

فائدہ:

فاعل کی علامت یہ ہے کہ جب فعل کے ساتھ کون یا کس نے ملا کر پوچھیں تو وہ جواب
میں واقع ہو۔ جیسے احمد آیا۔ جب پوچھیں کون آیا تو جواب ہوگا۔ احمد۔ پس احمد فاعل ہے۔ ایسا
ہی حامد نے دیکھا۔ جب پوچھیں کس نے دیکھا تو جواب ہوگا۔ حامد نے۔ پس حامد نے فاعل
ہے۔

فائدہ:

متقدمین کبھی افعال متعدی کے صیغہائے واحد متکلم سے علامت فاعل (نے) حذف
بھی کر دیتے تھے مثلاً جرأت

نہ جواب لے کے قاصد جو پھر اشتاب الٹا
میں زمیں پہ ہاتھ مارا بصد اضطراب الٹا

خواجہ میر درد

تشنگی اور بھی بھڑکتی گئی　　جوں جوں میں آنسوؤں کو اپنے پیا

مرزا رفیع سودا

میں دشمن جاں ڈھونڈھ کے اپنا جو نکالا　　سو حضرتِ دل سلمہ اللہ تعالیٰ

مگر متاخرین علامت فاعل بالالتزام استعمال کرتے ہیں اور اب اس کا حذف ہرگز جائز نہیں۔
ہاں چاہا کا فاعل دل اور جی ہو تو محاورے میں دل چاہا اور جی چاہا بغیر نے کے بولا جاتا ہے۔

مفعول مالم یُسَمَّ فاعلہٗ

یا

مفعول قائم مقام فاعل

جب فعل مجہول ہوتا ہے تو مفعول کی طرف مسند ہوتا ہے۔ یعنی مفعول قائم مقام فاعل ہوتا ہے عربی میں اس مفعول کو مفعول مالم یسم فاعلہ کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اگر اس کو مفعول قائم مقام فاعل کہا جائے تو اَخَفُ علی اللِّسان یعنی (بولنے میں زیادہ آسان) ہے۔

تم کو یاد ہوگا ہم نے حصہ اول میں لکھا ہے کہ زبان اردو میں مجہول دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک لفظی۔ ایک معنوی۔ دونوں قسموں کے مفعول قائم مقام فاعل کی مثالیں دیکھو۔

زید مارا گیا۔ مارا گیا فعل مجہول لفظی۔ زید مفعول قائم مقام فاعل۔ مرزا غالب۔

رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو ۔۔۔ نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا

نہ لٹتا فعل مجہول معنوی۔ میں ضمیر مستتر مفعول قائم مقام فعل۔

جس طرح کبھی فعل معروف اور کبھی اس کا فاعل اور کبھی دونوں حذف ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح کبھی فعل مجہول اور کبھی اس کا مفعول قائم مقام فاعل اور کبھی دونوں حذف ہو جاتے ہیں۔ جیسے کوئی پوچھے کون مارا گیا۔ یا کون پٹا۔ تم کہو فاعل۔ یہاں فعل حذف ہو گیا۔ یا کوئی پوچھے غافل کو کیا ہوا۔ تم کہو مارا گیا یا پٹا۔ یہاں مفعول قائم مقام فاعل محذوف ہو گیا۔ یا تم پوچھو غافل مارا گیا یا پٹا؟ کوئی کہے ہاں۔ فعل مجہول اور مفعول قائم مقام فاعل دونوں حذف ہو گئے۔

فعل متعدی بیک مفعول کے مجہول میں مفعول قائم مقام فاعل کے ساتھ لفظ ''کو'' کبھی نہیں آتا۔ مثلاً یوں نہیں کہتے کہ اس کو لایا گیا یا مارا گیا۔ بلکہ یوں کہتے ہیں کہ وہ لایا گیا یا مارا گیا البتہ افعال مرکب میں کو آ بھی جاتا ہے۔ مثلاً ''دیکھنا یہ ہے کہ اس قاعدے کو کیوں کر عمل میں لایا جائے۔'' یا ''اس کو بڑی بے رحمی سے قتل کیا گیا۔'' اس طرح کی بے شمار مثالیں موجود ہیں اور تمام اہل زبان کیا لکھنو والے اور کیا دلی والے سب اسی طرح بولتے ہیں۔

جو افعال متعدی بد و مفعول ہوتے ہیں اور وہ صرف مجہول لفظی ہوئے ہیں ان میں دوسرا مفعول۔ مفعول قائم مقام فاعل ہوتا ہے۔ جیسے زید کو سبق پڑھایا گیا۔ عمرو کو کھانا کھلایا گیا۔ پہلے جملے میں سبق ''مفعول قائم مقام ہوتا ہے۔ دوسرے میں کھانا۔ مگر افعال قلوب میں پہلا ہی مفعول قائم مقام فاعل ہوتا ہے۔ اور افعال قلوب وہ فعل ہیں جو دل سے تعلق رکھتے ہیں اور اکثر متعدی بد و مفعول ہوا کرتے ہیں۔ جیسے میں نے زید کو فاضل جانا یا سمجھا یا خیال کیا۔ جب مجہول بنائیں گے تو کہیں گے زید فاضل جاتا گیا یا سمجھا گیا یا خیال کیا گیا۔ علی ہذالقیاس۔

فائدہ:

فعل مجہول میں جن مقامات میں کو استعمال کیا جاتا ہے وہ وہی ہیں جو بیان کر دیئے گئے ہیں اگر دیکھا جاتا ہے کہ جن افعال کا صرف ایک مفعول آتا ہے یعنی جہاں قائدہ مذکور کے مطابق کو استعمال کرنا نہیں چاہیے۔ اہل زبان نے وہاں بھی اسے استعمال کیا ہے جیسے داغ

وہ خریدار ہی دل کے نہ ہوئے کیا کیجیے ہم بھی کچھ دبتے کچھ ان کو بھی دبایا جاتا

اس شعر میں قاعدے کے مطابق وہ بھی دبائے جاتے چاہیے تھا۔

مفعول بہ

جس لفظ پر فعل واقع ہو اس کو مفعول بہ کہتے ہیں۔ مفعول بہ نثر میں فاعل کے بعد اور فعل سے پہلے آتا ہے اور یہی فصیح ہے۔ جیسے زید نے عمرو کو دیکھا۔ مگر نظم میں آگے پیچھے بھی آجاتا ہے۔ جیسے ذوق

بد خصلتوں کو کرتا ہے بالا نشیں فلک اونچی ہے آشیانہ زاغ و زغن کی شاخ

کرتا ہے فعل۔ فلک۔ فاعل۔ بد خصلتوں مفعول۔

مفعول بہ کی عام نشانی یہ ہے کہ جب فعل کے ساتھ کس کو یا کیا ملا کر پوچھیں تو وہ جواب میں واقع ہو۔ جیسے ناظر نے حاضر کو دیکھا۔ اگر پوچھیں کس کو دیکھا تو جواب ہوگا حاضر کو پس حاضر مفعول بہ ہے۔ حمید نے چاقو خریدا۔ جب پوچھیں کیا خریدا تو جواب ہوگا چاقو۔ پس چاقو مفعول بہ ہے۔

بعض افعال متعدی کا صرف ایک مفعول آتا ہے۔ جیسے زید نے کھانا کھایا۔ بعض کے دو مفعول آتے ہیں جیسے زید نے عمرو کو کھانا کھلایا۔ دوسرے مفعول کو مفعول ثانی کہتے ہیں۔

بعض افعال کا کبھی ایک مفعول آتا ہے۔ کبھی دو۔ جیسے "میں نے حامد کو عالم سمجھا یا خیال کیا۔" "میں سمجھتا یا خیال کرتا تھا کہ ایسا ہونا محالات سے ہے۔"

کبھی ایک فعل کے کئی مفعول آتے ہیں۔ ظفر

کنج تنہائی میں ہم مونس سمجھتے ہیں الم کو یاس کو حسرت کو بے تابی کو حرماں کو

اگر ان میں حرفِ عطف محذوف سمجھا جائے تو تمام مفاعیل بہ ترکیب عطفی ایک مفعول کا حکم رکھیں گے۔

اسم ظاہر مفعول ہو تو اس کے ساتھ علامت مفعول "کو" آتی ہے۔ بعض افعال کے مفعولوں کے ساتھ کو کے سوا اور علامتیں لگائی جاتی ہیں۔ مثلاً کہنا☆۔ محبت کرنا۔ الفت کرنا۔ دعا کرنا۔ التجا کرنا۔ التماس کرنا۔ عرض کرنا۔ درگزرنا۔ یا درگزر کرنا۔ وغیرہ ان کے مفاعیل کے ساتھ سے علامت مفعول آتی ہے۔ کرم کرنا۔ فضل کرنا۔ رحم کرنا۔ شفقت کرنا۔ خفا ہونا۔ غصے ہونا۔ لعنت کرنا۔ وغیرہ کے ساتھ پر آتا ہے۔ جیسے "حامد نے محمود سے کہا۔" الاسلام میں ہے۔

☆ کہنا کا لفظ کئی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ ایک قرار دینا۔ دوسرے نام رکھنا۔ تیسرے الزام دینا۔ چوتھے بیان کرنا۔ ذکر کرنا ظاہر کرنا۔ گفتگو کرنا۔ خبر دینا یا خبر کرنا۔ آگاہ کرنا۔ پانچویں عرض کرنا۔ التماس کرنا۔ التجا کرنا۔ چھٹے دعا کرنا یا دعا مانگنا۔ ساتویں سوال کرنا۔ آٹھویں جواب دینا۔ نویں پیغام دینا۔ دسویں حکم دینا۔ گیارہویں نصیحت کرنا۔ بارہویں اقرار کرنا۔ پہلے تین معنوں میں اس کا صلہ کو آتا ہے۔ جیسے زید نے عمرو کو جاہل کہا۔ یا اس کو شبراتی کہتے ہیں۔ یا بکر خالد کو کہتا ہے کہ اس نے اس کی کتاب چرالی ہے۔ یا کمبخت کا اس پر تو زور چلتا نہیں ہم کو کہتا ہے ہم نے اسے بدنام کیا ہے۔ باقی تمام معنوں میں اس کا صلہ سے آتا ہے۔ جیسے نوکر سے کہو کہ گاڑی طیار کرے۔" آپ نے تو ہم سے یہ کہا تھا کہ وہاں تشریف نہیں لے جائیے گا۔ منشی امیر احمد صاحب امیر کی ایک غزل کے چند شعر سنو۔

رو کے اس شوخ سے قاصد مرا رونا کہنا ہنس پڑے اس پہ تو پھر حرف تمنا کہنا

ہر ین ہوئے مژہ میں ہیں یہاں سو طوفاں عین غفلت ہے مری آنکھ کو دریا کہنا

بیت

گانا نہ دل ماورائے خدا سے محبت نہ کرنا کبھی ماسوا سے
''زید عمرو سے بہت الفت کرتا ہے۔''

کر لیا عہد کبھی کچھ نہ کہیں گے منہ سے اب اگر سچ بھی کہیں تم ہمیں جھوٹا کہنا
کیسے ناداں ہیں جو اچھے کو برا کہتے ہیں ہو برا بھی تو اسے چاہیے اچھا کہنا
البتہ حکم اور نصیحت کے معنوں میں کبھی کو بھی صلہ آجاتا ہے جیسے امیر

مر کے راحت تو ملی پر ہے یہ کھٹکا باقی آ کے عیسیٰ سر بالیں نہ کہیں قم مجھ کو
محمد احسان علی خاں۔ احسان

جانتے تھے جو ترا کشتہ انداز خرام حشر کے فتنے اٹھے کہتے ہوئے قم مجھ کو
نواب مرزا خاں داغ

معجزہ حضرت عیسیٰ کا غلط بھی تو نہیں درد اٹھتا ہے وہ کہتے ہیں اگر قم مجھ کو
اور جب یہ لوگ (اسی طرح پر) جیسے ان کے باپ نے ان کو کہہ دیا تھا (مصر میں) داخل ہوئے (ترجمۃ القرآن مولوی نذیر احمد) بعض مقامات میں پیغام کے معنوں میں بھی کو بولا جاتا ہے۔ جیسے ان کو میری طرف سے کہہ دو۔ کہلا بھیجا کے ساتھ تو صرف کو ہی بولا جاتا ہے۔ جیسے ''انہوں نے ان کو کہلا بھیجا۔''
ان کے علاوہ بعض اور مقامات بھی ہیں جہاں کو استعمال کیا جاتا ہے۔ یا وہ لفظ جو کو کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسے شعر

بے وفا تھے یہ صنم خوب نباہی طاہر آفریں ہم تجھے اے مرد خدا کہتے ہیں
جا کے پردیس نہ اب تک کوئی نامہ بھیجا کیجیے انصاف کہ اس کو ہی وفا کہتے ہیں
امیر

پہلے تو مجھے کہا نکالو پھر بولے غریب ہے بلالو
غالب

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو جو مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہیں
منشی مظفر علی خاں بہادر جنگ امیر

صبر منظور ہے دیدار بتاں سے چندے اس میں کیا کہتے ہو اے دیدہ و دل تم مجھ کو

"میں نے خدا سے دعا کی۔"

"زید نے عمرو سے التجا یا التماس یا عرض کی۔"

"اے غفار ہمارے گناہوں سے درگزر یا درگزر کر۔"

"خدا اس پر رحم کرے یا کرم کرے یا فضل کرے۔"

"ماں باپ اپنی اولاد پر بہت شفقت کرتے ہیں۔"

"زید پر خفامت ہو۔"

"تم اس پر غصے کیوں ہوتے ہو۔"

"شیطان پر سب لعنت کرتے ہیں۔"

ضمائر کی حالت مفعولیت

آئے	اس کو	اس کے تئیں
انھیں	ان کو	ان کے تئیں
تجھے	تجھ کو	تیرے تئیں
تمہیں	تم کو	تمہارے تئیں
مجھے	مجھ کو	میرے تئیں
ہمیں	ہم کو	ہمارے تئیں

بعض صورتوں میں کو علامت مفعول مفعول کے ساتھ نہیں آتی۔ یعنی

(۱) فعل متعدی بدو مفعول ہو تو دوسرے مفعول کے ساتھ یہ علامت نہیں آتی جیسے حامد کو سبق پڑھا دو۔ یہاں سبق دوسرا مفعول ہے اور علامت مفعول نہیں رکھتا۔

(۲) اگر مصدر مفعول ہو عام اس سے کہ اردو کا مصدر ہو یا کسی اور زبان کا جیسے زید نے کھانا کھایا۔ عمرو نے تماشا دیکھا۔

(۳) مفعول غیر ذی روح یا غیر ذی عقل ہو اور صرف ایک ہی ہو تو عموماً علامت مفعول سے خالی ہوتا ہے۔ جیسے حامد نے کتاب پڑھی۔ محمود نے گھوڑا خریدا۔

کبھی نظم میں کو استعمال کر بھی لیتے ہیں۔ جیسے شعر

خون سے بلبل کے لکھا قطعۂ گلزار کو　　خوشنویسی میں بھی کی اس طفل نے مشق ستم

یعنی بلبل کے خون سے قطعہ گلزار لکھا۔

کو علامت مفعول کبھی نظم میں حذف بھی ہو جاتی ہے۔ ذوق

خرد کے تیز ناخن ناخن انگشت پا کیجے　　کشاد کار ہم نے پنجہ تقدیر کو سونپا

یعنی خرد کے تیز ناخن کو

کسی زمانہ میں حرف کو کی جگہ "تئیں" بھی بولتے تھے۔ اب خاص مقامات اور نظم کے سوا نہیں بولتے۔ لیکن جب لفظ "اپنے" مفعول واقع ہو تو اس کے ساتھ اکثر تئیں لاتے اور اپنے تئیں بولتے ہیں۔

اپنے تئیں کے متعلق ایک پھڑکتا ہوا لطیفہ بھی سن لو۔

لطیفہ:

دلی کے ایک اہل زبان لکھتے ہیں کہ ایک شخص کہیں باہر سے میری ملاقات کو آئے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اپنی نظم و نثر سناتے رہے۔ میری سنتے رہے اس کے بعد دلی کے محاوروں کی تعریف اور یہاں کی شائستگی کلام اور شستگی زبان کی توصیف کرنے لگے۔ پھر شاید دل میں یہ سمائی کہ جب تک چون و چرا نہ نکالوں گا نظر میں کیونکر جچوں گا۔ آخر سوچ سوچ کر بولے کہ دلی کے زبان دانوں نے مفعول پر لفظ کے تئیں لانا چھوڑ دیا لفظ کو بہت بولتے ہیں۔ مثلاً کتاب کو۔ اس کو۔ تم کو۔ ہم کو۔ اور حقیقت میں یہی کلمہ فصیح ہے۔ مگر کیا سبب ہے کہ اپنے تئیں نبھائے☆ جاتے ہیں اور یہ لفظ کہیں نہ کہیں بولے جاتے ہیں۔ اگر اس کی جگہ بھی آپ☆☆ کو کہیں تو کیا شان گھٹ جائے۔ میں یہ گفتگو سن کر ان کی دل شکنی کے لحاظ سے اس وقت کے کلام میں اپنے تئیں کی جگہ آپ کو بولنے لگا۔ اور اپنا عجز ان کے سامنے بیان

☆ پہلے نبھانا بولتے تھے اب نباہنا بولتے ہیں اور بعض اطراف میں اب بھی نبھانا کہتے ہیں۔

☆☆ جیسا کہ مرزا رفیع سودا کہتے ہیں۔ شعر

تجھ کو نہ کیا دل سے میں زنہار فراموش　　بھولا پھروں ہوں آپ کو ایک عمر سے لیکن

کرنے لگا کہ حضرت مجھے کیا آتا ہے۔ میں تو آپ کو کمال نالائق بے وقوف جانتا ہوں۔
گدھے سے بدتر خیال کرتا ہوں۔ یہ کہتا جاتا تھا اور خود بخود دل میں لجاتا تھا کہ یہ کیا
کلمہ زبان سے نکال رہا ہوں۔ مگر کیا کروں ناچار تھا۔ اگر اپنے تئیں بولتا ہوں تو پہلا اعتراض
جدا قائم رہتا ہے اور اس پر طرہ یہ کہ دوسری بے وقوفی ثابت ہوتی ہے کہ سمجھانے سے بھی کچھ
اثر نہ ہوا بارے وہ خود ہی قائل ہو گئے کہ ایسے مقاموں میں آپ کو بولنا مناسب بلکہ محض غلط
ہے اور اپنے تئیں بولنا بجا اور صحیح۔"

فائدہ:

اپنے تئیں۔ آپ کو۔ اپنے آپ کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کیے جاتے ہیں اپنے
آپ کو کی مثال دیکھو۔ شعر

نازک بہت ہے رشتہ الفت نہ ٹوٹ جائے　　اتنا نہ اپنے آپ کو اے مہ جمال کھینچ

فائدہ:

کس جس اِس اُس کے ساتھ یائے مجہول اور مجہ تجہ کے ساتھ ہائے مخلوط اور یائے
مجہول۔ اور ہم کے ساتھ یائے مجہول اور نون غنہ اور تم کن جن اِن اُن کے ساتھ ہائے مخلوط
اور یائے مجہول اور نون غنہ بھی علامات مفعول آتی ہے۔ جیسے کسے جسے اسے اُسے۔ مجھے۔
تجھے۔ ہمیں۔ تمہیں۔ کنہیں۔ جنہیں۔ انہیں۔ اُنہیں۔

مفعول فیہ اور مفعول منہ اور مفعول معہ کیا چیز ہیں۔

مفعول بہ کے علاوہ قواعد کی کتابوں میں چار مفعول اور لکھے ہیں۔ مفعول☆ فیہ مفعول
منہ۔ مفعول لہ۔ مفعول مطلق۔ ان میں سے مفعول فیہ تو ظرف زماں اور ظرف مکاں ہے۔
جس کو نحویان عربی کی تقلید سے مفعول فیہ کہا گیا ہے۔ ظرف اردو میں متعلق فعل ہوتا ہے اس
لیے کچھ ضرور نہیں کہ اس کو مفعول فیہ قرار دیا جائے (ظرف مکاں اور ظرف زماں کا حال ہم
عنقریب لکھیں گے۔)

☆ جو لفظ وقوع فعل کے مکان یا زمانے پر دلالت کرے اس کا نام مفعول فیہ رکھا گیا ہے۔

مفعول منہ:

اس لفظ کو کہا گیا ہے جو وقوع فعل کا آلہ ہو سکے۔ اول تو یہ نام ہی غلط ہے کیونکہ عربی زبان میں ان الفاظ کے ساتھ جو آلہ صدور فعل ہوں۔ مِن (جو سے کا ترجمہ ہے) نہیں آتا مثلاً یوں نہیں کہتے کہ قتلہ من السیف۔ دوسرے ایسے الفاظ کو مفعول کہنے کی ضرورت بھی کچھ نہیں۔ سیدھی بات یہ ہے کہ ایسے الفاظ متعلق فعل ہوتے ہیں جیسے زید نے عمرو کو تلوار سے مار ڈالا۔ اس جملہ میں مار ڈالا فعل ہے زید فاعل عمرو مفعول سے جار تلوار مجرور جار مجرور متعلق فعل۔

مفعول لہ:

یعنی وہ لفظ جو فعل کے سبب یا غرض پر دلالت کرے۔ اردو میں جس طریق سے الفاظ فعل کا سبب یا غرض واقع ہوتے ہیں اس کی کئی صورتیں ہیں۔

(۱) زید حیا کے سبب سے آنکھ نیچی رکھتا ہے۔ یہاں آنکھ نیچی رکھنے کا سبب حیا ہے۔

(۲) زید نے عمرو کو ادب سکھانے کے لیے مارا۔ یہاں مارنے کی غرض ادب سکھانا ہے۔

(۳) حامد محمود کی تعظیم کو یا تعظیم کے واسطے یا تعظیم کے لیے اٹھا۔ یہاں اٹھنے کا سبب یا غرض تعظیم ہے۔

(۴) ہادی مدرسے پڑھنے گیا۔ یہاں مدرسے جانے کا سبب یا غرض پڑھنا ہے۔

صورت اول کے سوا دوسری اور تیسری اور چوتھی صورت میں سکھانا (جو شبہ فعل ہے مع اپنے مفعول ادب کے) اور محمود کی تعظیم بہ ترکیب اضافی اور پڑھنے سب مفعول لہ ہیں۔ ع

کاٹنے دوڑتی ہے ماہی بے آب مجھے

ترکیب:

دوڑتی ہے فعل۔ ماہی بے آب بہ ترکیب توصیفی فاعل۔ کاٹنے شبہ فعل۔ مجھے اس کا مفعول شبہ فعل معہ اپنے مفعول کے مفعول لہٗ دوڑتی ہے کا۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

اہل قواعد نے جس طرح کے یہ مفعول بنائے ہیں اس طرح کے اور مفعول بھی اردو میں

ہو سکتے ہیں۔ مثلاً جس چیز کے اوپر فعل وقوع میں آئے وہ مفعول علیہ ہو سکتا ہے جیسے زید نے کتاب میز پر رکھی۔ اسی طرح جس چیز کی معیت میں فعل صادر ہو وہ مفعول معہ ہو سکتا ہے مجھ کو سخت تعجب ہے کہ اہل قواعد کا ذہن اس قسم کے مفاعیل کی طرف کیوں منتقل نہیں ہوا۔ باوجودیکہ نحو عربی میں منجملہ مفاعیل ایک مفعول معہ بھی قرار دیا گیا ہے۔

حق یہ ہے کہ جس طرح کے مفعول فیہ اور مفعول منہ اردو میں پیدا کیے گئے ہیں۔ اگر اسی طرح کے اور مفعول پیدا کیے جائیں تو تمام متعلقات فعل مفعول ہی مفعول ہو جائیں اور کوئی لفظ ایسا نہ رہے جس کو متعلق فعل کہہ سکیں۔

مفعول مطلق

عربی زبان میں کبھی فعل کے ساتھ اسی کا مصدر یا مصدر کا مرادف لاتے اور اس کو مفعول مطلق کہتے ہیں جیسے قرآن میں ہے۔ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا (ہمیں نے پانی برسایا پھر ہمیں نے زمین کو پھاڑا۔) اگر اردو میں اس طریق سے مصدر استعمال کیا جائے یا کلام عرب کا اس طرح ترجمہ کیا جائے تو کلام غلط اور بے لطف ہو جائے مثلاً آیات مذکورہ کا یوں ترجمہ کیا جائے کہ ہمیں نے پانی برسانا برسایا اور پھر ہمیں نے زمین کو پھاڑنا پھاڑا تو برسانا اور پھاڑنا فصیح کلام کو بے مزہ کر دیں گے۔

اردو میں فعل کا مصدر اس طریق سے استعمال نہیں کیا جاتا۔ بلکہ کسی خصوصیت کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے شعر

ظفر ہم اپنا رونا روئیں جا کر سامنے کس کے — رہا کون اپنے آنسو پونچھنے والا ہے رونے میں

اور بیشتر بجائے مصدر حاصل مصدر مستعمل ہوتا ہے۔ اور جس طرح عربی میں مصدر کبھی تاکید اور کبھی تعداد اور کبھی وضع کے لیے آتا ہے۔ اسی طرح اردو میں حاصل مصدر آتا ہے جیسے وہ خوب چال چلا۔ زید ایک دوڑ دوڑا۔ آتش

تری تقلید سے کبک دری نے ٹھوکریں کھائیں — چلا جب جانور انساں کی چال اس کا چلن بگڑا

ظرف مکاں

ظرف مکان دو طرح کا ہوتا ہے۔ محدود اور غیر محدود۔ جیسے صراحی۔ مجمر۔ آب خورہ۔ گلاس۔ آفتابہ۔ دیگچی۔ مکان۔ گھر۔ محل۔ مدرسہ۔ باغ۔ جنگل۔ شہر۔ گلی۔ کوچہ۔ بازار۔ سرائے۔ ملک۔ وطن۔ دریا۔ سمندر۔ وغیرہ۔

غیر محدود جیسے آگے پیچھے دائیں بائیں اِدھر اُدھر۔ نیچے۔ اوپر۔ اردگرد۔ اندر۔ باہر۔ یہاں۔ وہاں۔ کہیں۔ کہیں کہیں۔ سامنے۔ طرف۔ رخ۔ وغیرہ۔ بیت

سدا ایک ہی رخ نہیں ناؤ چلتی   چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی

ظرف محدود کے ساتھ اکثر پر یا میں یا سے یا کو استعمال کیا جاتا ہے۔ غیر محدود کے ساتھ عموماً کوئی لفظ نہیں آتا۔

ظرفِ زماں

یہ بھی محدود اور غیر محدود ہوتا ہے۔ محدود جیسے صبح۔ شام۔ رات دن۔ مہینہ۔ برس۔ گھڑی۔ گھنٹہ۔ منٹ۔ پل۔ صدی۔ ہفتہ۔ آج۔ کل۔ وغیرہ غیر محدود جیسے ہمیشہ۔ سدا۔ نت۔ جب ☆ نہ تب۔ آئے دن۔ رات دن۔ صبح و شام۔ زمانہ۔ وقت۔ کبھی کبھی۔ ظرف زماں۔ محدود کے ساتھ اکثر کو یا میں آتا ہے۔ غیر محدود کے ساتھ کم آتا ہے۔

فائدہ:

کبھی دو ظرف محدود مل کر غیر محدود ہو جاتے ہیں۔ جیسے آج کل۔ یہ دونوں ظرف زماں محدود ہیں۔ مگر آج کل (یعنی ان دنوں اور فی الحال) غیر محدود ہے۔

جار و مجرور

عربی زبان میں چند حروف جو سے۔ میں۔ پر۔ مانند۔ تک۔ واسطے۔ ساتھ۔ سوا۔

☆ مومن خاں

جب نہ تب والضحیٰ پڑھے ہے امام   مقتدی تا سنیں قلا تنہر

وغیرہ کے معنی دیتے ہیں۔ حروف جر کہلاتے ہیں۔ اس لیے کہ جر کسرہ کو کہتے ہیں۔ اور جن الفاظ پر وہ حروف داخل ہوتے ہیں۔ ان کے حرف آخر کو مکسور☆ کر دیتے ہیں۔ جیسے من اللہ۔ فی الارض۔ علی السماء۔ الی المسجد۔ للصلوٰۃ۔ کالطیر۔ بالسیف۔

مصرع:

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَاخَلَا اللّٰهِ بَاطِلُ

فارسی اور اردو میں جو حروف حروف جر کہلاتے ہیں۔ ان کا یہ عمل نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ ہم چاہتے تھے کہ اردو میں یہ نام بدل کر اور نام رکھ دیں۔ مگر چونکہ جر لغۃً کھینچنے کو کہتے ہیں اور حروف جر فعل یا شبہ فعل کے معنوں کو کھینچ کر مجرور سے لا ملاتے ہیں اور عربی کی کتابوں میں حروف جر کو حروف جر کہنے کی یہ بھی ایک وجہ بیان کی گئی ہے۔ گو یہ وجہ ضعیف ہے اور فارسی اور اردو میں تو اس کے سوا کوئی اور وجہ ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لیے ہم بھی جار☆ و مجرور کو جار و مجرور ہی کہیں گے۔

جار و مجرور مل کر ہمیشہ متعلق فعل یا شبہ فعل ہوتے ہیں۔ جیسے میں نے زید کو اپنی آنکھ سے دیکھا۔ دیکھا فعل میں فاعل نے علامت فاعل زید مفعول کو علامت مفعول سے جار۔ اپنی آنکھ ترکیب اضافی مجرور۔ جار و مجرور متعلق فعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول اور متعلق کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ یہ جار مجرور کے فعل سے متعلق ہونے کی مثال ہے۔ شبہ فعل سے متعلق ہونے کی مثال سنو۔ زید گھر میں بیٹھا کتاب پڑھ رہا ہے۔ زید فاعل ذوالحال بیٹھا حال شبہ فعل۔ میں جار۔ گھر مجرور۔ جار و مجرور متعلق شبہ فعل۔ حال اور ذوالحال مل کر فاعل کتاب مفعول فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

☆ اس بنا پر شیخ ابراہیم ذوق کہتے ہیں۔ شعر

علی ہے شکل علےٰ اور علےٰ ہے حرف جار
علی سے کیوں کہ نہ ہو زیر لشکر کفار

یعنی علی علےٰ کی صورت ہے اور علےٰ حرف جار ہے اس لیے لشکر کفار کا ان سے زیر ہونا ضرور ہے۔

☆☆ جار اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اس کے معنی ہیں۔ کھینچنے والا یا کھینچ کر ملانے والا۔)

حال اور ذوالحال

جو لفظ فاعل یا مفعول کی ہیئت یا حالت ظاہر کرے اس کو حالت کہتے ہیں اور جس کی ہیئت یا حالت ظاہر ہو اس کو مفعول۔

اردو میں کئی طرح کے لفظ ہیں جو حال کا فائدہ دیتے ہیں۔ اسم حالیہ تو حال ہی کے لیے موضوع ہوا ہے جیسے زید ہنستا جاتا تھا۔ کبھی اسم مفعول سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے جیسے خالد گھر میں بیٹھا ہوا کام کر رہا ہے۔ شعر

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوش اشک ہے   بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفاں کیے ہوئے

اسم مفعول کا ہوا اور ہوئے کبھی حذف بھی ہوتا ہے۔ جیسے خالد گھر میں بیٹھا کام کر رہا ہے یا خالد ٹوپی اوڑھے جاتا تھا۔

کبھی اسم مکرر ہو کر بہ زیادت تے یا کر حال واقع ہوتا ہے۔ جیسے شعر

نہیں بھولتا ان کی رخصت کا وقت   وہ رو رو کے ملنا بلا ہو گیا
یونہیں وقت سو سو کے جو ہیں گنواتے   وہ خرگوش کچھووں سے ہیں زک اٹھاتے☆

☆ خرگوش اور کچھوے کی حکایت مشہور ہے اور منتخب الحکایات میں ان الفاظ میں لکھی ہے۔

حکایت۔ ایک کچھوے کو سفر در پیش تھا اس کی جستجو ہوئی کہ کوئی ساتھی ملے تو سفر کروں۔ اتفاق سے ایک خرگوش بھی اسی طرف کو جانے والا تھا۔ کچھوے نے کہا کہ میاں خرگوش آؤ ہم تم ساتھ چلیں خرگوش بے اختیار ہنسا اور کہا اے احمق کہاں تو بھدا پھس۔ رینگ کر پہروں میں ایک بالشت زمین چلتا ہے اور کہاں میں بجلی کی مانند لپکتا ہوں ہوا کی طرح اڑتا ہوں۔ بھلا میرا اور تیرا کیا ساتھ کچھوے نے کہا کہ یہ سچ ہے۔ مگر منزل پر خدا نے چاہا آپ سے آگے ہی پہنچوں گا۔ یقین نہ ہو تو شرط باندھ لیجیے چنانچہ یہ شرط ہوئی کہ جو ہارے اس کے کان کاٹے جائیں کچھوا آہستہ آہستہ لگا اپنی چال چلنے اور خرگوش دو چھلانگوں میں نظر سے غائب ہو گیا۔ تھوڑی دور آگے جا کر خرگوش نے سوچا کہ جتنا میں چل چکا ہوں شام تک تو کچھوے کو یہاں آنا مشکل ہے۔ جلدی کیوں کروں لاؤ اور سو رہوں۔ خرگوش آرام سے سو رہا۔ کچھوا بڑی دیر کے بعد گھسٹتا گھسٹتا آیا دیکھا تو حریف پڑا سوتا ہے۔ چپکے چلدیا۔ بڑی رات گئے خرگوش جاگا تو کچھوا نظر نہ آیا۔ آپ ہی آپ کہنے لگا۔ اللہ رے سست قدم میاں کچھوے اب تک تشریف نہیں لائے۔ خیر چلیں سرائے میں رات کو رہیں۔ کل تو میاں کچھوے آ ہی جائیں گے۔ جوں سرائے میں قدم رکھا دیکھا تو کچھوا موجود۔ خرگوش کو دیکھتے ہی کچھوا لپکا کہ لائیے حضرت کان۔ خرگوش دم دبا کر ایسا بھاگا کہ آج تک کانوں کے ڈر کے مارے بھاگا بھاگا پھرتا ہے۔

کبھی اسم صفت سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ جیسے حامد خوش خوش پھر رہا ہے۔ حال کی تذکیر وتانیث اور وحدت وجمع بلحاظ ذوالحال کے ہوتی ہے۔ مگر یہ قاعدہ صرف اسی صورت سے متعلق ہے جب کہ حال اسم حالیہ ہو۔ دوسری صورتوں میں یہ بات نہیں۔ جیسا کہ امثلہ مذکورہ سے ظاہر ہے۔

مستثنیٰ۔ مستثنیٰ منہ

جس چیز کو اوروں سے جدا کرتے ہیں اس کو مستثنیٰ کہتے اور جن سے جدا کرتے ہیں ان کو مستثنیٰ منہ۔ اور جو لفظ مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ سے علیحدہ کرتا ہے اس کو حرف استثناء۔ جیسے احمد کے سواسب آئے۔ ترکیب۔ آئے فعل۔ سب مستثنیٰ منہ۔ سوا حرف استثنا۔ احمد مستثنیٰ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ مل کر فاعل۔ فعل فاعل کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

استثنا کی قسمیں حروف استثناء کے بیان میں مذکور ہوں گی۔

قسم اور مقسم بہ☆

قسم اور مقسم بہ قائم مقام جملہ فعلیہ ہوتے ہیں۔ جب کہتے ہیں خدا کی قسم اس کے یہ معنی یہ ہوتے ہیں کہ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں۔ قسم کھاتا ہوں فعل۔ میں فاعل۔ کلمہ قسم مضاف۔ خدا مقسم بہ مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر مفعول ہوئے فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

عربی میں قسم کے حروف واؤ۔ ب۔ ت ہیں۔ جیسے واللہ۔ باللہ۔ تاللہ اور یہ سب لفظ اقسم☆☆ باللہ کے معنوں میں آتے ہیں۔ فارسی میں کہتے ہیں بخدا یعنی قسم میخورم بخدا۔ عربی ترکیب میں اقسم فعل بافاعل ہے اور باللہ جار مجرور متعلق فعل۔ مفعول کوئی نہیں۔ اردو میں کلمہ قسم اور مقسم بہ مفعول ہوتا ہے۔ مقسم بہ ایسا شخص ہوتا ہے جس کا ادب اور عظمت لوگوں کے دلوں

☆ جس کی قسم کھائیں۔

☆☆ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں۔

میں ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ عموماً خدا کی جو سب سے اکبرو اعظم ہے قسم کھاتے ہیں۔
کبھی مخاطب کے سر اور کبھی جان کی قسم کھاتے ہیں۔ جیسے تمہارے سر کی قسم۔ تمہاری جان کی قسم۔
قسم سے کلام کو موکد کرنا اور مخاطب کو اپنے قول کا یقین دلانا مقصود ہوتا ہے۔
ہندوستان میں بسا اوقات گفتگو میں واللہ باللہ بے ارادہ قسم بول دیتے ہیں۔
میر انشاء اللہ خاں نے اپنی ایک پوری غزل میں اتنی چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں کہ اگر ان کے نام گننے لگیں تو طبیعت اکتا جائے۔ انسان، پری، زمین، آسمان، دوزخ، بہشت، حور، غلمان، عرش، کرسی وغیرہ تو درکنار۔ بھتنے، چڑیل، لونا چماری، کلوا بیر اور شیطان تک کی قسمیں کھا ڈالیں مگر اس طرح پر حیثیات تک کی قسمیں کھانا بیہودگی اور مسخرہ پن ہے۔

ندا و منادیٰ

حرف ندا اور منادیٰ بھی جملہ فعلیہ کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ حرف ندا فعل اور فاعل کا کام دیتا ہے اور منادیٰ مفعول بہ کی جگہ آتا ہے جب کوئی کہتا ہے ''اے خدا'' تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ میں خدا کو پکارتا ہوں۔ دیکھو ''اے'' نے ''میں پکارتا ہوں'' کے معنی دیئے جو فعل با فاعل ہے اور خدا اس کا مفعول بہ ہے فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔
منادیٰ معرفہ ہوتا ہے یا ایسا نکرہ جو ندا سے سمجھا جاتا ہے کہ مجھے پکارا ہے۔ جیسے شعر

او دامن اٹھا کے جانے والے　　　ٹک ہم کو بھی خاک سے اٹھا لے

حالی

ہو گرجتے جس قدر اتنے برستے تم نہیں　　　اے فصیحو ہے یہ سب گفتار بے کردار ہیچ

کبھی منادیٰ کو دوسرے شخص کی کسی صفت یا صفات سے متصف سمجھ کر اس شخص کے نام سے پکارتے ہیں۔ جیسے مقتول

کوئی ٹھوکر میری تربت پہ لگا بہر خدا
اے مسیحا پھر ترے کشتے کو جاں درکار ہے

چونکہ حسب عقائد اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیماروں کو تندرست اور مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ اس لیے شاعر نے مخاطب کو ان کی انہیں صفتوں سے متصف سمجھ کر مسیحا کر کے پکارا ہے۔

کبھی منادیٰ کا نام نہیں لیتے کسی صفت سے موصوف قرار دے کر ندا کرتے ہیں جیسے مصرع

اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے

کبھی منادیٰ کو اس کی کسی ذاتی صفت سے پکارتے ہیں اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی اس صفت سے کام لے۔ جیسے مصرع

اے اکرم و ارحم کرم و رحم کی جا ہے

یہاں خدا کا نام نہیں لیا۔ اکرم و ارحم کہا ہے اس غرض سے کہ خدا کرم اور رحم کرے۔
بسا اوقات ایسی چیزوں کو بھی منادیٰ ٹھہرا لیتے ہیں جو ندا کے قابل نہیں ہے جیسے میر

سب گئے دل سے صبر و تاب و تواں — لیکن اے داغ دل سے تو نہ گیا

حالی

ذرہ ذرہ ہے مظہر خورشید — جاگ اے آنکھ دن ہے رات نہیں
ہے پہنچنا اپنا چوٹی تک محال — اے طلب نکلا بہت اونچا پہاڑ

رباعی

کھانے تو بہت میسر آئے ہیں ہمیں — جو دیکھ کے چکھ کے دل سے بھائے ہیں ہمیں
پر سب سے لذیذ تھے وہ کھانے اے بھوک — جو تو نے کبھی کبھی کھلائے ہیں ہمیں
تنگ ہے دل وسعت داماں محشر دیکھ کر — اے جنوں ہم پاؤں پھیلاتے ہیں چادر دیکھ کر

ایک شاعر عمر گزشتہ سے بر سبیل شکایت کہتا ہے۔ شعر

روندے ہے مثل نقش قدم خلق یاں مجھے — اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

آسمان کو پکارنا تو شعرا کی معمولی عادت ہے۔ اس لیے کہ وہ ان پر جور و جفا کرتا رہتا ہے اور یہ اس کو کوستے رہتے ہیں۔

میر سلامت علی انیسؔ کے مرثیے کے دو بند سنو اور دیکھو کہ ان میں کتنی اشیا ناقابل ندا کو پکارا ہے

اے شمع قلم روشنی طور دکھا دے — اے لوح تجلی رخ حور دکھا دے
اے بحر طبیعت گہر نور دکھا دے — اے شاہد معنی رخ مستور دکھا دے
بزم غم شبیر میں وہ جلوہ گری ہو
خورشید جہاں تاب چراغ سحری ہو

اے طبع رسا خلد کا گلزار دکھا دے — اے باغ سخن گلشن بے خار دکھا دے
اے شمع زباں لمعہ انوار دکھا دے — اے حسن بیاں خوبی گفتار دکھا دے
لرزاں ہے قدم خامہ اعجاز رقم کا
ہاں تیغ زباں کام تو کر آج قلم کا

کبھی دل کا نام لے کر پکارتے ہیں۔ خواجہ حالی دل سے بیزار ہو کر کہتے ہیں ۔

دور ہو اے دل مآل اندیش۔
کھو دیا عمر کا مزا تو نے

دل مناوئی ہو تو جاں کیوں نہ ہو ذوق کہتے ہیں ۔

ٹھہری ہے ان کے آنے کی یاں کل پہ جا صلاح
اے جان بر لب آمدہ اب تیری کیا صلاح

غرض اس قسم کی بہت سی چیزیں ناقابل ندا ہیں جن کو مناوئی ٹھہرا لیتے ہیں۔
کبھی دوسرا پاس نہیں ہوتا اور اپنے آپ سے مشورت کرتے ہیں۔ تو اپنے نام کو منادیٰ بنا لیتے ہیں۔ جیسے ''میں نے کہا محمد حسین! سوچتے کیا ہو خدا کا نام لے کر اس کام کو شروع کر ہی دو۔'' شاعر لوگ اپنے تخلص کو بھی منادیٰ بنا لیتے ہیں۔ خواجہ حیدر علی کہتے ہیں۔ شعر

نہ پوچھ عالم برگشتہ طالعی آتشؔ — برستی آگ جو باراں کی آرزو کرتے

کبھی اسم موصول کو منادیٰ ٹھہراتے ہیں مگر صرف نظم میں جیسے شعر

اے وہ کوئی جو آج پئے ہے شراب عیش — خاطر میں رکھیو کل کے بھی رنج و خمار کو

کبھی منادیٰ موصول کو حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے قطعہ

اے ترا پایہ فہم سے بدتر — اے ترا نام عرش پر مسطور
میں ترے در پہ سن کے آیا ہوں — نام تیرا شفیع روز نشور

یہاں ممدوح موصول محذوف ہے۔

معلوم رہے کہ اردو میں موصول کو منادیٰ ٹھہرانا محض شعرائے عرب و فارس کے اتباع سے اور بہت کم ہے۔

کبھی حسرت و افسوس کے موقع پر بخت و نصیب کو پکارتے ہیں۔ گلزار نسیم

حازم ہوا شب کو آتے ہی تخت — یا قسمت یا نصیب یا بخت

کبھی کسی کو محض از راہِ محبت پکارتے ہیں۔ ماں اپنے بچے کو لوری دیتی ہوئی کہتی ہے۔

اے میرے آرام جگر کے — راحت دل کی نور نظر کے
سکھ ماں کے اور چین پدر کے — یعنی مقصد سارے گھر کے

سو رہ میرے پیارے بچے

کبھی غیظ و غضب کے موقع پر غصے کے لفظ بولتے اور ان پر حرف ندا زیادہ کرتے ہیں جیسے اے لعنت خدا۔ اے پھٹے منہ۔ ایسے موقع پر منادیٰ کوئی نہیں ہوتا۔

کبھی اپنے تئیں منادیٰ ٹھہرا کر دوسروں کو نصیحت کرتے اور حکمت کی بات بتاتے ہیں جیسے شعر

جہاں میں خالی کسی پہ اپنے سوا بھروسہ نہ کیجیے گا
یہ بھید ہے اپنی زندگی کا بس اس کا چرچا نہ کیجیے گا

کبھی منادیٰ ایک سے زیادہ ہوتے اور موخر ہوتے ہیں اور جواب ندا بھی متعدد ہوتے اور مقدم ہوتے ہیں تو مناداؤں میں جواب ندا کے لحاظ سے ترتیب ہوتی ہے۔ جیسے شعر

تم میں وہ سوز نہ تم میں ہے وہ ایمان باقی — رہ گیا کیا ہے اب اے گبرو مسلماں باقی

اس شعر میں پہلے جواب ندا کے لحاظ سے گبر منادیٰ پہلے اور دوسرے کے لحاظ سے مسلمان منادیٰ پیچھے ہے۔

گفتگو میں حرف ندا بہت کم لاتے ہیں۔ جیسے "شہزادی نے فرمایا محمود! کہو کہاں کہاں کی سیر کی اتنے دن کہاں رہے۔ کب آئے کس کس ملک میں پھرے۔ ہمارے واسطے کیا کیا

سوغات لائے۔ محمود نے کہا حضور کیا عرض کروں میرا قصہ بہت دراز اور ماجرائے جاں گداز
ہے۔ (سروش سخن)

منادیٰ قریب ہو تو بھی اکثر بلا حرف ندا پکارتے ہیں۔

دیکھو ماں اپنے سوتے ہوئے بچے کو جگانے کے لیے پکارتی ہے اور کہتی ہے

بس اٹھ بیٹھو بیٹا بہت سو چکے   بہت وقت بے کار تم کو بچے

نظم میں بھی بسا اوقات حرف ندا کو حذف کر دیتے ہیں۔ شعر

بدل دے اور دل اس دل کے بدلے   الٰہی تو تو رب العالمین ہے

منادیٰ جمع ہو تو اکثر حرف ندا نہیں لاتے جیسے جرأت

عزیزو کیا کہوں رونا میں اپنی چشم گریاں کا   بہیں کتنے ہی دریا گر نچوڑوں پاٹ داماں کا

ذوق

سینہ و دل پہ مرے زخم جگر ہنستے ہیں   ہنسنے دو چارہ گرو ہنستے ہی گھر بستے ہیں

مخاطب آنکھ کے سامنے نہ ہو تو بوقت خطاب اس کا نام لینا یعنی اس کو منادیٰ ٹھہرانا ضرور ہے مگر یہ بھی خدا کو مخاطب کرتے ہیں تو کلمہ ندا اور منادیٰ کو حذف کر دیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر چند خدا آنکھ سے غائب ہے۔ مگر ہر جگہ موجود اور حاضر ہے۔ اس لیے بعض اوقات متکلم ندا کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ میر انیس خدا سے خطاب کر کے کہتے ہیں۔ رباعی

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے   بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے

ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا   جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

ندبہ و مندوب

کسی کو یاد کر کے رونے یا تاسف کرنے کو ندبہ کہتے ہیں اور جس اسم پر حروف ندبہ داخل ہوں وہ مندوب کہلاتا ہے ندبہ و مندوب ندا و منادیٰ کی طرح جملہ فعلیہ کے قائم مقام ہوتے ہیں جیسے "ہائے زید" "وائے نصیب" اس کے یہ معنی ہیں کہ میں زید کو روتا ہوں اور نصیب پر افسوس کرتا ہوں۔

کبھی مندوب مذکور نہیں ہوتا۔ جیسے ذوق

کون وقت اے وائے گزرا جی کو گھبراتے ہوئے　　موت آتی ہے اجل کو یاں تلک آتے ہوئے

مبین بیان

اور جملہ بیانیہ

بسا اوقات کلام میں ایسا لفظ آجاتا ہے جس کا بیان ایک جملے میں کیا جاتا ہے اس لفظ کو مبین کہتے ہیں اور اس جملہ کو اس کا بیان اور چونکہ وہ جملہ بیان مبین واقع ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو جملہ بیانیہ کہتے ہیں۔ جملہ بیانیہ کبھی فعلیہ ہوتا ہے کبھی اسمیہ اور اس کے شروع میں اکثر ایک کاف آتا ہے جس کو کاف بیانیہ کہتے ہیں۔ اگر چہ یہ کاف فارسی سے لیا گیا ہے مگر اردو میں اس طرح آتا ہے بقول مولوی محمد حسین صاحب آزاد اس کے بغیر کلام بے مزہ ہو جاتا ہے حالی

زمیں روکھ بن پھول پھل ریت پربت　　یہ فریاد سب کر رہے ہیں بحسرت
کہ کل فخر تھا جن سے اہل جہاں کو　　لگا ان سے عیب آج ہندوستان کو

دوسری بیت فریاد کا بیان ہے۔ مقتول

زندہ کرنے کا تو آتا وہ مسیح　　کی خطا میں نے کہ مر ہی نہ رہا

کبھی مبین محذوف ہوتا ہے جیسے۔ مصرع

ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

یعنی یہ بات کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں ہوتی آئی ہے۔

کبھی بیان مقدم ہوتا ہے اور مبین موخر۔ ذوق

تو نے گل کو سر پہ جب رکھا چمن میں توڑ کر　　میں بھی حاضر ہوں کہا غنچے نے یہ منہ پھوڑ کر

یعنی غنچے نے منہ پھوڑ کر یہ کہا میں بھی حاضر ہوں۔

مگر یاد رکھو کہ جو جملہ بیانیہ کہنا اور فرمانا اور ارشاد کرنا اور ارشاد فرمانا اور بولنا کے فعلوں کے ساتھ آتا ہے۔ اس کو مقولہ کہتے ہیں۔

جملہ دعائیہ

وہ جملہ ہے جس میں دعا پائی جائے جیسے "خدا تم کو سعادت مند کرے"۔ کرے فعل خدا فاعل تم مفعول اول۔ کو علامت مفعول۔ سعادت مند۔ مفعول ثانی۔ فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ دعائیہ ہوا۔ یہ ضرور نہیں کہ جملہ دعائیہ میں دعائے نیک ہو۔ بلکہ اگر دعائے بد ہو تو بھی اس کو جملہ دعائیہ کہتے ہیں۔ جیسے آباد

باغ سے اس نے اجاڑا آشیان عندلیب   خشک دست ظلم ہو یا رب کہیں صیاد کا

مصرع ثانی میں صیاد کا دست ظلم خشک ہو۔ بددعا ہے اور جملہ جملہ دعائیہ ہے۔ ترکیب اجاڑا فعل۔ اس ضمیر بارز جو صیاد کی طرف پھرتی ہے فاعل۔ نے علامت فاعل۔ آشیاں مضاف عندلیب مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر مفعول سے حرف جر۔ باغ مجرور جار و مجرور متعلق فعل۔ فعل فاعل مفعول اور متعلق کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ یارب ندا و منادیٰ قائم مقام جملہ فعلیہ۔ ہو فعل ناقص۔ دست ظلم مضاف اور مضاف الیہ مل کر مضاف۔ صیاد مضاف الیہ کا علامت اضافت۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر اسم ہوا۔ خشک خبر۔ کہیں ظرف زماں متعلق فعل۔ فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہو جواب ہوا ندا کا۔ ندا جواب کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ دعائیہ ہوا۔ مثنوی گلزار نسیم میں بکاولی بددعا دیتی ہے۔ بیت

جس کف میں ہو گل وہ داغ ہو جائے   جس گھر میں ہو گل چراغ ہو جائے

ایک اور شعر سنو اس میں دعا اور بددعا دونوں ہیں۔ اور دونوں جملے دعائیہ ہیں۔ ذوق

رکھے صحت سے ہمیشہ شافی مطلق تجھے   جو ترے بدخواہ ہوں وہ رنج میں ہوں مبتلا

جملہ معترضہ

کبھی ایک بات پوری نہیں کرتے کہ بیچ میں ایک اور جملہ بول دیتے ہیں اور وہ ایسا جملہ ہوتا ہے کہ اگر نہ بھی بولیں تو کلام میں خلل نہیں پڑتا۔ ایسے جملے کو جملہ معترضہ کہتے ہیں جیسے زید خدا بہشت نصیب کرے بہت نیک آدمی تھا۔ یہاں خدا بہشت نصیب کرے جملہ

معترضہ ہے۔ شعر

کچھ امید نے دل کر دیے یکسو صد شکر شکل مدت میں یہ اللہ نے دکھلائی ہے

یہاں صد شکر جملہ معترضہ ہے۔

جملہ معترضہ اکثر جملہ کے دو جزوں کے بیچ میں آتا ہے کبھی آخر میں واقع ہوتا ہے اور اصل میں اس کی جگہ جملے کے درمیان ہوتی ہے۔ جیسے مرزا غالب

گر کوئی تا قیامت سلامت پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت

یہاں حضرت سلامت جملہ معترضہ ہے اور اصل میں عبارت یوں ہے کہ اگر کوئی قیامت تک سلامت رہا تو اے حضرت آپ سلامت رہیں یا خدا آپ کو سلامت رکھے ایک روز مرنا ضرور ہے۔

شبہ فعل

شبہ فعل کا ذکر کہیں کہیں پہلے بھی آیا ہے۔ مگر بطور اجمال۔ یہاں کسی قدر تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

جس طرح فعل، فاعل اور مفعول اور متعلقات کو چاہتا ہے۔ اسی طرح کبھی مصدر اسم فاعل۔ اسم مفعول اسم صفت اور اسم حالیہ بھی فاعل اور مفعول وغیرہ کو جانتے ہیں۔ اس صورت میں ان کو شبہ فعل یا مشابہ فعل کہتے ہیں کیونکہ فاعل اور مفعول وغیرہ کے چاہنے میں یہ بھی فعل کا حکم رکھتے ہیں۔ سب کی مثالیں سنو۔

مصدر:

بری صحبت میں بیٹھنا نہایت مضر ہے۔ فعل ناقص۔ بیٹھنا (مصدر) شبہ فعل۔ میں حرف جار۔ صحبت موصوف بری صفت موصوف وصفت مل کر مجرور۔ جار مجرور متعلق شبہ فعل۔ شبہ فعل اپنے متعلق کے ساتھ مل کر اسم ہوا نہایت مضر خبر۔ فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔

اسم فاعل:

مصرع ''چین تجھ کو بھی نہ ہو ہم کو ستانے والے۔''

یعنی اے ہم کو ستانے والے تجھ کو بھی چین نہ ہو، ستانے والے (اسم فاعل) شبہ فعل ہم مفعول۔ کو علامت مفعول۔

اسم مفعول:

''زبان سے نکلی ہوئی بات پر اختیار نہیں رہتا۔'' فعل منفی اختیار فاعل۔ پر جار بات موصوف۔ نکلی ہوئی (اسم مفعول) شبہ فعل۔ زبان سے جار مجرور متعلق شبہ فعل شبہ فعل اپنے متعلق کے ساتھ مل کر صفت۔ صفت موصوف مل کر مجرور۔ جار مجرور متعلق فعل۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ ذوق

پھروں کھینچے ہوئے کوسوں میں اپنی زور وحشت سے　　اگر بندھ جائے میرے دامن کہسار دامن سے

یعنی اگر دامن کہسار میرے دامن سے بندھ جائے تو میں اپنے زورِ وحشت سے اسے کوسوں کھینچے ہوئے پھروں۔ کھینچے ہوئے لفظاً اسم مفعول یعنی شبہ فعل ہے۔ اور ''اسے'' کھینچے ہوئے کا مفعول ہے۔ ترکیب میں شبہ فعل اپنے مفعول کے ساتھ مل کر حال ہے۔

اسم صفت:

''زید خالد پر مہربان ہے'' یہاں خالد پر جار مجرور مہربان کے متعلق ہے۔

اسم حالیہ:

''میں نے زید کو آنسو پونچھتے دیکھا'' پونچھتے (اسم حالیہ) شبہ فعل ہے۔ اور آنسو اس کا مفعول۔ اس فقرے کے ترکیب یوں ہے۔ دیکھا فعل۔ میں فاعل، نے علامت فاعل۔ زید مفعول ذوالحال کو علامت مفعول پونچھتے شبہ فعل۔ آنسو مفعول شبہ فعل اپنے مفعول کے ساتھ مل کر حال اور ذوالحال مل کر مفعول اپنی فاعل اور مفعول کے ساتھ ملکر جملہ فعلیہ ہوا۔

مرکب جملے

بعض جملے ایسے ہوتے ہیں کہ دو جملوں سے مل کر بنتے ہیں۔ یا دوسرے جملے کو پہلے جملے سے کسی طرح کا تعلق ہوتا ہے۔ ایسے جملوں کو مرکب جملے کہتے ہیں۔ ان کی ضروری قسمیں یہ ہیں۔

جملہ معطوفہ یا عاطفہ

جملہ معطوفہ یا عاطفہ وہ جملہ ہے جس میں حرفِ عطف ہو۔ مذکور ہو یا محذوب حرفِ عطف سے پہلے جملے کو معطوف علیہ کہتے ہیں اور پچھلے کو معطوف۔ جیسے زید آیا اور عمرو گیا۔ آیا فعل زید فاعل، فعل فاعل علیہ اور معطوف مل کر جملہ معطوفہ یا عاطفہ ہوا۔

فائدہ:

اگر معطوف علیہ اور معطوف مفرد ہوں اور دونوں کسی اسم کی خبر ہوں تو فعل ناقص (ہے) مفرد آئے گا۔ جیسے خدا علیم و خبیر ہے اور اگر اسم کا عطف اسم پر یا فاعل کا فاعل پر یا مفعول قائم مقام فاعل کا مفعول قائم مقام فاعل پر ہو تو ان کے ذوالعقول ہونے کی صورت میں خبر اور فعل کو جمع لائیں گے۔ جیسے حامد اور محمود ذہین لڑکے ہیں۔ رام داس اور شام لال آئے۔ زید اور عمرو پالے گئے اور اگر غیر ذوی العقول ہوں تو فعل مفرد آتا ہے۔ مگر فعل اور خبر کی تذکیر و تانیث بہ لحاظ معطوف کے ہوگی جیسے میز پر کاغذ اور قلمدان رکھا ہے قلم اور دوات رکھی ہے۔ تلوار اور نیزہ رکھا ہے۔ گاڑی اور یکہ چلا گھوڑا اور سانڈنی چلی۔ روٹی اور سالن کھایا میوہ اور مٹھائی کھائی۔

اور اگر کوئی لفظ جمعیت کی تاکید کے لیے آئے تو فعل۔ اور خبر دونوں کو جمع بولنا ضرور ہے۔ جیسے نیزہ اور تلوار دونوں دیدیے۔ دوات اور قلم دونوں رکھے ہیں۔ پچھلا فقرہ فعل اور خبر دونوں کی مثال ہو سکتی ہے۔ اور اگر جمعیت میں تذکیر و تانیث کا اختلاف ہو تب بھی معطوف کا لحاظ ہوگا جیسے ایک کٹورا اور رکابیاں رکھی ہیں۔ سب کچھوے اور کشتیاں بہ گئیں۔

اور اگر عطف بذریعہ حرف تو دید کے ہو تو اگر معطوف اور معطوف علیہ مفرد اور مطابق

ہوں تو خبر یا فعل مفرد آئے گا۔ جیسے زید یا عمرو آیا تھا۔ نرگس یا سوسن آئی تھی۔ باقی اختلاف کی صورتوں میں وہی حال ہوگا جو بیان ہوا جیسے کوئی عورت یا مرد آیا تھا۔

تنبیہ: معطوف علیہ اور معطوف دونوں جملے منفی ہوں اور اس قسم کا کلام ہو کہ نہ زید آیا نہ عمرو یا نہ تو زید آیا نہ عمرو نہ تو زید ہی آیا نہ عمرو تو اکثر اہل پنجاب جملہ معطوف میں حرف نفی کے ساتھ لفظ ہی لگا دیتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں۔

فائدہ: فعل معطوف کلام میں دو طرح سے آتا ہے۔ ایک تو دونوں اجزائے فعل کے مفعول اور متعلقات علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ اس صورت میں فعل اوّل کو صرف فعل کہنا چاہیے اور فاعل اور مفعول اور متعلقات کے ساتھ ملا کر جملہ معطوف علیہ۔ کیونکہ ایسے افعال حقیقت میں دو جداگانہ جملے ہوتے ہیں۔ اور ایسے جملوں میں فعل اوّل کے ہو چکنے کے بعد دوسرا فعل صادر ہوتا ہے۔ جیسے زید گھر سے کھانا کھا کر مدرسے گیا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ زید نے گھر سے کھانا کھایا اور مدرسے گیا۔ ترکیب یوں ہوگی۔ کھا کر فعل زید فاعل کھانا مفعول گھر سے جار مجرور متعلق فعل، فعل فاعل اور مفعول اور متعلق کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ گیا فعل زید فاعل، مدرسہ ظرف مکان متعلق فعل۔ فعل فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف۔ معطوف علیہ مع معطوف جملہ معطوفہ یا عاطفہ ہوا۔

دوسرے مفعول اور متعلقات جدا جدا نہیں ہوتے۔ اس صورت میں فعل کے دو حصے کرنے کی ضرورت نہیں جیسے خالد نے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اس کی ترکیب یوں ہوں گی بیٹھ کر کھانا یا فعل معطوف۔ خالد فاعل نے علامت فاعل کھانا، مفعول، فعل فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

جملۂ شرطیہ

جس میں پہلا جملہ شرط ہوا اور دوسرا جزا۔ شرط کے جملے آغاز میں شرط کا حرف اور جزا کے جملے کے شروع میں جزا کا حرف آتا ہے جیسے غالب۔

گو میں رہا رہینِ ستمہائے روزگار   لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

پہلا مصرع شرط ہے اور دوسرا جزا۔ پہلے کے آغاز میں گو حرف شرط موجود ہے اور

دوسرے کے شروع میں لیکن حرف جزا۔
ترکیب میں شرط کے جملے کو شرط اور جزا کے جملے کو جزا کہتے ہیں۔ اوج

جب تھا زرِ گل کیسۂ غنچہ کی گرہ میں　　　بلبل پڑی پھرے اڑاتی ہی تھی اکثر

کبھی شرط کا حرف حذف ہو جاتا ہے۔ میر حسن

زندگی ہے تو خزاں کے بھی گزر جائیں گے دِن　　　فصل گل جیتوں کو پھر اگلے برس آتی ہے

کبھی حرف جزا بھی محذوف ہو جاتا ہے اس بند کے پہلے مصرع اور تیسرے شعر کو دیکھ

جو سقے نہ ہوں جی سے جائیں گزر سب　　　جو میلا جہاں گم ہوں دھوبی اگر سب
بنے دم پہ گر شہر چھوڑیں نفر سب　　　جو تھڑ جائیں مہتر تو گندے ہوں گھر سب
پہ کر جائیں ہجرت جو شاعر ہمارے
کہیں مل کے خس کم جہاں پاک سارے

یعنی اگر سقے نہ ہوں تو سب لوگ جی سے گزر جائیں اور اگر ہمارے شاعر ہجرت کر جائیں تو سب مل کر کہیں کہ "خس کم جہاں پاک" شرط عموماً جزا پر مقدم ہوتی ہے لیکن کبھی جزا کو شرط سے پہلے لاتے ہیں۔ مگر اس صورت میں حرف جزا واجب الحذف ہوتا ہے۔ یہ استثنائے تب کے جیسا کے حرف جزا کی بحث میں بیان ہوگا۔ خواجہ حالی کہتے ہیں۔ شعر

ارے وقت تم دائیں بائیں نہ جھانکو　　　سدا اپنی گاڑی کو گر آپ ہانکو
نصیحت بے اثر ہے گر نہ ہو درد　　　یہ گر ناصح کو بتلانا پڑے گا

مصرع

برق ہی گرتی اگر بارانِ رحمت مانگتا

شرط اور جزا کے حروف کا مفصل حال حروف کی فصل میں لکھیں گے۔ نہیں۔ نہیں۔ تو۔ ورنہ۔ وگرنہ۔ یہ ایسے الفاظ شرط ہیں جن میں فعل کی نفی پائی جاتی ہے اور کلام سبق کے خلاف مطلب ظاہر کرتے ہیں اور چونکہ پورے جملے کے معنے دیتے ہیں۔ اس لیے قائم مقام جملہ شرط ہوتے ہیں جیسے "علم پڑھو ورنہ ذلیل رہو گے۔"

ترکیب: پڑھو فعل تم ضمیر مستتر فاعل۔ علم مفعول۔ فعل فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ ورنہ (جس کے یہ معنے ہیں "اور اگر علم نہ پڑھو گے") قائم مقام

جملہ شرط۔ رہو گے فعل ناقص۔ تم ضمیر مستتر اسم۔ ذلیل خبر۔ فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہوئی شرط کی۔ شرط جزا کے ساتھ مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف ہوا معطوف علیہ مع معطوف جملہ عاطفہ ہوا۔

شعر

اک سنبھلتے ہم نظر آتے نہیں ورنہ گر گر کر گئے لاکھوں سنبھل

کبھی محاورے میں شرط اور جزا کے حرف مستعمل نہیں ہوتے بلکہ دونوں جملوں کے درمیان اور کا لفظ آتا اور فی الفور کے معنی دیتا ہے۔ جیسے ''سنکھیا مہلک چیز ہے۔ کھایا اور ہلاک ہوا۔'' یعنی اگر کوئی سنکھیا کھائے اسی دم ہلاک ہو جائے۔ کبھی شرط کے مقام پر ماضی مستقبل کا کام دیتی ہے۔ استاد اپنے سکول کے شوخ لڑکے سے کہتا ہے۔ ''اگر پھر شوخی و شرارت کی تو پٹو گے۔''

جمہ معلّلہ

جس میں دوسرا جملہ پہلے کی علت یعنی سبب واقع ہو۔ پہلے جملے کو معلول کہتے ہیں۔ دوسرے کو علت۔ حالی

عجب نہیں کہ رہے نیک و بد میں کچھ نہ تمیز کہ جو بدی ہے وہ سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے

کبھی حرف علت حذف ہو جاتا ہے۔ جیسے

کرو علم سے اکتساب شرافت نجابت سے ہے یہ شرافت زیادہ

ترکیب:

کرو فعل تم ضمیر مستتر فاعل۔ اکتساب شرافت بہ ترکیب اضافی مفعول۔ علم سے جار مجرور متعلق فعل۔ فعل فاعل اور مفعول اور متعلق کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہوا۔ کیونکہ حرف علت محذوف ہے فعل ناقص۔ یہ اسم اشارہ شرافت مشار الیہ۔ اشارہ اور مشار الیہ مل کر اسم۔ زیادہ خبر۔ نجابت سے جار مجرور متعلق خبر۔ فعل۔ ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہو کر علت ہوئی معلول کی۔ معلول اور علت مل کر جملہ معللہ ہوا۔

جملہ ندائیہ

جملہ ندائیہ وہ ہے جس میں ندا اور منادیٰ آئیں۔ اس جملہ میں ندا اور منادیٰ کے علاوہ ایک اور جملہ آتا ہے۔ جس کو جواب ندا کہتے ہیں (جواب ندا اس بات کو کہتے ہیں جس کے لیے پکاریں، جواب ندا کبھی جملہ فعلیہ ہوتا ہے۔ کبھی اسمیہ۔ جیسے اے خدا کرم کر ترکیب۔ اے حرف ندا خدا منادیٰ ندا اور منادیٰ مل کر قائم مقام جملہ فعلیہ ہو کر ندا ہوئی۔ کر فعل تو ضمیر مستتر فاعل۔ کرم مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر۔ جملہ فعلیہ ہو کر جواب ہوا ندا کا۔ ندا اپنے جواب کے ساتھ مل کر جملہ ندائیہ ہوا۔

جملہ اسمیہ کی مثال ''اے خدا ہم تیرے فضل وکرم کے امیدوار ہیں۔''

ترکیب:

اے خدا و ندا و منادیٰ قائم مقام جملہ فعلیہ ہو کر ندا۔ ہیں فعل ناقص۔ ہم اسم۔ امیدوار مضاف۔ فضل وکرم بہ ترکیب عطفی مضاف۔ تیرے مضاف الیہ۔ مضاف ومضاف الیہ مل کر مضاف الیہ امیدوار مضاف کا۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر خبر۔ فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جواب ہوا ندا کا۔ ندا اپنے جواب کے ساتھ مل کر جملہ ندائیہ ہوا۔

جملہ قسمیہ

جس میں قسم اور مقسم بہ ہوں۔ جس طرح جملہ ندائیہ میں ایک جملہ جواب ندا ہوتا ہے اسی طرح جملہ قسمیہ میں ایک جملہ جواب ☆ قسم ہوتا ہے۔ جیسے ''خدا کی قسم یہ کام میں نے نہیں کیا۔''

ترکیب:

قسم کلمہ قسم مضاف۔ خدا مقسم بہ۔ کی علامت اضافت قسم اور مقسم بہ مل کر قسم ہوئی۔ نہیں کیا فعل منفی۔ میں فاعل نے علامت فاعل۔ یہ اسم اشارہ۔ کام مشارٌ الیہ۔ اشارہ اور مشارٌ الیہ

☆ وہ بات جس کے لیے قسم کھائیں۔

مل کر مفعول۔ فعل فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جواب ہوا قسم کا۔ قسم جواب کے ساتھ مل کر جملہ قسمیہ ہوا۔

کبھی قسم پورا جملہ ہوتا ہے اور اس صورت میں جواب قسم کے شروع میں ایک کاف زائد آتا ہے۔ جیسے میں خدا کی قسم کھاتا ہوں۔ کہ میں نے زید کو نہیں مارا۔

ترکیب:

کھاتا ہوں فعل۔ میں فاعل قسم مضاف۔ خدا مضاف الیہ کی علامت اضافت۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر مفعول۔ فعل فاعل اور مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قسم ہوئی۔ کاف زائد۔ نہیں مارا فعل۔ میں فاعل نے علامت فاعل۔ زید مفعول۔ کو علامت مفعول۔ فعل فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جواب ہوا قسم کا۔ قسم اور جواب مل کر جملہ قسمیہ ہوا۔

جملہ مندوبہ

جس میں ندبہ اور مندوب ہوں۔ یہ جملہ بھی جملہ ندائیہ کی طرح کا ہے۔ اور اس میں ایک جملہ جواب ندبہ ہوتا ہے۔ جیسے "ہائے زید تو ہمیں داغ مفارقت کیوں دے گیا۔" ترکیب ہائے حرف ندبہ زید مندوب۔ ندبہ مندوب مل کر قائم مقام جملہ فعلیہ ہو کر ندبہ ہوا۔ دے گیا فعل۔ تو فاعل۔ ہمیں مفعول اول داغ مفارقت بہ ترکیب اضافی مفعول ثانی۔ کیوں حرف استفہام۔ فعل فاعل اور مفعولوں کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جواب ندبہ ہوا۔ ندبہ اور جواب مل کر جملہ مندوبہ ہوا۔

جملہ تفسیریہ

جملہ تفسیریہ وہ جملہ ہے جس میں دوسرا جملہ بطور بیان جملہ سابقہ واقع ہو یعنی اگر پہلے جملے میں کوئی بات وضاحت طلب ہو تو دوسرا اس کی توضیح کر دے۔ پہلے جملے کو جس کا مطلب زیادہ وضاحت وتشریح سے بیان کیا جائے مفسر (بفتح سین مشدد) کہتے ہیں اور دوسرے کو تفسیر کو یا مفسر (بکسر سین مشدد) موسن

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

اس شعر میں دوسرا مصرع پہلے کی تفسیر یا بیان ہے۔ پہلے مصرع سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب نے کوئی وعدہ کیا تھا۔ جس کو شاعر یاد دلا رہا ہے۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کیا وعدہ کیا تھا۔ دوسرے مصرع میں کھول کھول کر بیان کر دیا کہ وہ وعدہ نباہ کا تھا۔ تو پہلا مصرع مفسر ہے اور دوسرا تفسیر اور دونوں مل کر جملہ تفسیریہ ہے۔

جملہ تشبیہ

وہ جملہ ہے جو بطور تشبیہ جملہ سابقہ مذکور ہو ایسے جملوں میں پہلے جملے کو جملہ مشبہ کہتے ہیں مولوی حالی حکیم محمود خاں مرحوم کے مرثیے میں لکھتے ہیں۔ شعر

مرتا تھا کامل تو کامل تر نظر آتا تھا یاں سورج آتا تھا نکل جب چاند چھپ جاتا تھا یاں

مصرع ثانی میں شخص کامل کے مرجانے کو چاند کے چھپ جانے سے اور کامل تر کے آنے کو سورج کے نکل آنے سے تشبیہ دی ہے۔

ترکیب:

جب حرف شرط محذوف مرتا تھا فعل کامل فاعل۔ فعل اور فاعل مل کر جملہ فعلیہ ذکر شرط ہوئی۔ ت حرف جزا۔ نظر آتا تھا فعل کامل تر فاعل یاں ظرف زماں متعلق فعل۔ فعل فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی۔ شرط جزا کے ساتھ مل کر جملہ شرطیہ مشبہ ہوا۔ جب حرف شرط چھپ جاتا تھا فعل چاند فاعل یاں ظرف زماں متعلق فعل فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط موخر۔ نکل آتا تھا فعل سورج فاعل فعل فاعل کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزائے مقدم۔ شرط جزا کے ساتھ مل کر جملہ شرطیہ ہو کر جو تشبیہ ہوا کلام ماسبق کا۔

جملہ تمثیلیہ

جو پہلے جملے کی تمثیل واقع ہو۔ پہلے جملے کو ممثل کہتے ہیں۔ شعر

دیکھ اللہ ہے چھوٹوں کو بڑائی دیتا
آسماں آنکھ کے تل میں ہے دکھائی دیتا

دوسرا مصرع پہلے مصرع کی تمثیل واقع ہوا ہے۔ شعر

جو ظالم ہے وہ ہرگز پھولتا پھلتا نہیں سبز ہوتے کھیت دیکھا ہے کہیں شمشیر کا

ترکیب:

جو کہ موصول ہے فعل ناقص۔ وہ ضمیر مستتر (جو موصول کی طرف پھرتی ہے) اسم ظالم خبر۔ فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مبتدا ہوا۔ وہ ہرگز پھولتا نہیں جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی۔ مبتدا خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہو کر ممثل ہوا دیکھا ہے فعل۔ کسی نے فاعل محذوف۔ کھیت شمشیر کا بہ ترکیب اضافی ذوالحال سبز ہوتے حال کہیں ظرف متعلق حالی۔ ذوالحال اور حال مل کر مفعول۔ فعل فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جملہ تمثیلیہ ہوا کلام ماسبق کا۔

جملہ مدللہ

جس میں دوسرا جملہ بطور دلیل جملہ اول ہو۔ پہلے جملے کا نام مدلل ہے۔

مقتول

سربلندی ہے جہاں میں خاکساروں کو نصیب بیشتر دیکھا ہے اڑتے خاک کو افلاک میں

ذوق

جہاں میں عرصہ عشرت سے سوا وہ چند ہے غم کا اگر ہے عید کا اک دن تو عشرہ ہے محرم کا

ان دونوں شعروں میں دوسرے مصرعے پہلے مصرعوں کی دلیل ہیں۔ کبھی دلیل کا لفظ ظاہر لاتے ہیں۔ جیسے ناسخ

ازل سے جو کہ ہیں باہم جدا ہوتے ہیں دنیا میں دلیل اس پر جدا ہونا ہے یاں طفلانِ توام کا

جملہ مستانفہ

بعض اہل قواعد جملہ مستانفہ کی یوں تعریف کرتے ہیں کہ جب کسی پہلے جملے سے کوئی سوال پیدا ہو اور دوسرا جملہ اس کا جواب ہو تو دوسرا جملہ جملہ مستانفہ ہے۔ مگر اس تعریف سے یہ بڑی مشکل پیش آتی ہے کہ ہر جگہ جملہ مستانفہ میں سوال و جواب پیدا کرنا پڑتا ہے۔ اور بہت ایسے مقام ہیں جہاں سوال اور جواب پیدا ہو نہیں سکتے اور پیدا ہوتے ہیں تو نہایت تکلف سے۔ اس لیے ہم ایسی تعریف کرتے ہیں جس سے ایسی دقت پیش نہ آئے۔

جملہ مستانفہ وہ جملہ ہے جس کو جملہ سابقہ سے معنی تو ربط ہو اور لفظاً کچھ تعلق نہ ہو۔ جیسے

شعر

پھل کچھ اے نخل وفا تجھ میں نہیں جو لگائے گا تجھے پچھتائے گا

دوسرا مصرع جملہ مستانفہ ہے۔

ترکیب:

اے نخل وفا۔ ندا و منادا ے قائم مقام جملہ فعلیہ ہو کر ندا ہی فعل ناقص۔ محذوف۔ نہیں کلمہ نفی۔ پھل اسم۔ کچھ حرف تنکیر۔ موجود خبر محذوف۔ فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جواب ہوا ندا کا۔ ندا جواب کے ساتھ مل کر جملہ ندائیہ ہوا۔ جو اسم موصول لگائے گا فعل۔ وہ ضمیر مستتر جو پھرتی ہے موصول کی طرف فاعل۔ تجھے مفعول فعل فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلے کے ساتھ مل کر مبتدا۔ پچھتائے گا فعل۔ وہ ضمیر مستتر فاعل۔ فعل اور فاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی۔ مبتدا خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ مستانفہ ہوا۔ حالی۔

دولت نے کہا مجھ سے ہے عزت جہاں فرمایا ہنر لے میں ہوں عزت کا نشاں
عزت بولی غلط ہے دونوں کا بیاں میں بھید ہوں حق کا جو ہے نیکی میں نہاں

پچھلے تینوں مصرع جملہ ہائے مستانفہ ہیں۔

استیناف کے معنی جدا ہونے کے ہیں۔ چونکہ جملہ مستانفہ پہلے جملے سے جدا ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو مستانفہ کہتے ہیں۔

موصول اور صلہ

موصول اور صلہ کا بیان جملہ اسمیہ کی فصل میں ہونا چاہیے تھا۔ اس لیے کہ موصول صلہ مل کر ہمیشہ مبتدا ہوتے ہیں اور ان کے بعد کا جملہ خبر ہوتا ہے مگر چونکہ صلہ اور خبر جملہ فعلیہ بھی ہوتا ہے۔ اور ترکیب بیان کرنے کے لیے جملہ فعلیہ کا بیان پہلے ضرور تھا۔ اس لیے اس کے بیان کو موخر کر دیا گیا۔

جو۔ جو جو۔ جو کہ۔ وہ جو۔ وہ کہ۔ جو کوئی۔ جونسا۔ جس کو۔ جس جس کو۔ جن کو۔ جن جن کو۔ جسے جنھیں۔ جس نے۔ جس جس نے۔ جنھوں نے۔ جو شخص۔ جو جو شخص۔ جو چیز۔ جو جو چیز۔ جونسی۔ جون جون سی چیز۔ جو کچھ۔ جو کچھ بھی۔ جہاں ☆ جہاں جہاں۔ جب۔ جب جب۔ جس وقت۔ جس دم۔ جوں جوں۔ جدھر۔ جیسا۔ جیسا جیسا۔ جیسے۔ جیسے جیسے۔ جیسی۔ جیسی جیسی۔ جتنا۔ جتنے۔ جتنی یہ سب اسمائے موصولہ ہیں اور چونکہ اسمائے موصولہ کے ضمن میں شرط کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ اس لیے بعض اسماء کی خبر میں جزا کا حرف بھی آتا ہے۔ مثلاً جیسا کہ مقابل ویسا۔ جہاں کے مقابل وہاں۔ جدھر کے مقابل ادھر۔ جتنا کے مقابل اتنا۔

ذوق

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

"جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے۔" مصرع

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

"جتنا گڑ ڈالو گے اتنا ہی میٹھا ہوگا۔" مصرع

جہاں دیکھا وہاں تجھ کو ہی پایا

پہلے جون سا کے مقابل دونسا اور جوں جوں کے مقابل دوں دوں بولتے تھے اب متروک ہے۔ لیکن جوں جوں کے مقابل توں توں اب بھی بولتے ہیں۔ مگر کم۔ جو کے مقابل

☆ جہاں۔ جہاں جہاں۔ جب۔ جب جب۔ جوں جوں حروف شرط بھی ہیں۔ اور ہم ان کو فصل حروف یعنی حروف شرط میں لکھیں گے۔

بھی بولتے ہیں۔ جیسے شعر

قسمت میں جو لکھا ہے سو دیکھا ہے اب تلک | اور آگے دیکھیے ابھی کیا کیا ہیں دیکھتے
نتھرتے ہیں جو یاں وہ گدلاتے بھی ہیں | چمکتے ہیں جو یاں وہ گہناتے بھی ہیں

ترکیب:

جو اسم موصول۔ نتھرتے ہیں فعل۔ وہ ضمیر مستتر راجع بسوئے موصول فاعل یاں ظرف متعلق فعل۔ فعل فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر مبتدا۔ گدلاتے ہیں فعل۔ وہ فاعل۔ بھی تاکید۔ فعل فاعل کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر۔ مبتدا خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔ اسی طرح دوسرے مصرع کی ترکیب ہے۔ شعر

جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے | جو کچھ ہو گا تیرے کرم سے ہو گا

ترکیب:

جو کچھ کہ اسم موصول۔ ہوا فعل۔ وہ ضمیر مستتر راجع بسوئے موصول فاعل۔ فعل فاعل کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مبتدا ہوا۔ ہوا فعل وہ ضمیر مستتر فاعل سے حرف جر کرم مضاف۔ تیرے مضاف الیہ۔ مضاف و مضاف الیہ مجرور۔ جار مجرور متعلق۔ فعل۔ فعل۔ اپنے فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی۔ مبتدا خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔ اسی طرح دوسرے مصرع کی ترکیب کرو۔ حالی

جو کرتے ہیں کچھ زباں سے کہتے ہیں وہ کم | ہوتے نہیں ساتھ جمع دم اور قدم
بڑھتا گیا جس قدر کہ حسن گفتار | بس اتنے ہی گھٹتے گئے کردار میں ہم

مقدرات ومحذوفات

کبھی نظم یا نثر میں کوئی جملہ یا لفظ حذف کر دیتے ہیں اور اس سے کلام میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک طرح کا لطف پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسے فغاں

میری طرف سے خاطر صیاد جمع ہے | کیا اڑ سکے گا طائر بے بال و پر کہیں

دونوں مصرعوں کے درمیان اتنی عبارت محذوف ہے۔ ’’کیونکہ جانتا ہے کہ میں بے بال

و پر ہوں اور۔"

ایک خیال بند شاعر کہتا ہے۔ شعر

لکھ کر ہمارا نام زمیں پر مٹا دیا ان کا تو کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا

پہلے مصرع میں فاعل محذوف ہے۔ دوسرے میں فعل۔ اصل یوں ہے کہ انہوں نے ہمارا نام زمیں پر لکھ کر مٹا دیا۔ ان کا تو یہ کھیل ہوا۔ لیکن ہم کو خاک میں ملا دیا۔ ذوق

یاں کچھ اسباب کے ہم بندے ہی محتاج نہیں نہ زباں ہو تو کہاں نام خدا پیدا ہو

دونوں مصرعوں کے درمیان اتنی عبارت محذوف ہے۔ "بلکہ خدا کو بھی اسباب کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر۔" شعر

کہا جو میں نے وفا کرتے آئے ہیں احباب کہا زمانے کی عادت بدلتی جاتی ہے

اصل میں یوں ہے کہ میں نے جو اپنے دوست سے کہا کہ احباب وفا کرتے آئے ہیں تم کو بھی وفا کرنی ضرور ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ زمانہ کی عادت بدلتی جاتی ہے۔

فصل حروف:

حروف کی تعریف پہلے گزر چکی کہ وہ اکیلا کچھ معنی نہیں دیتا مگر حقیقت میں وہ بڑے کام کی اور بڑے فائدہ کی چیز ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ حرف کے بغیر اسم اور فعل دونوں بیکار ہیں یہ نہ ہو تو کلام بے لطف بلکہ بے معنی ہو جائے۔

اردو میں حروف مفرد با معنی نہیں ہوتے۔ اس لیے وہ قابل ذکر نہیں ہیں۔ کاف جو بیان وغیرہ کے لیے آتا ہے وہ فارسی سے لیا گیا ہے۔ ایسا ہی واؤ۔ نون البتہ نفی کے لیے آتا ہے سو ان حروف کا بیان اپنے اپنے موقع پر آئے گا۔

جر کے حرف

وہ حرف جو اسم کو فعل یا مشابہ فعل سے ملاتے ہیں۔ سے۔ کا۔ تک۔ تلک۔ اوپر۔ پر۔ پہ۔ میں۔ بیچ۔ اندر۔ درمیان۔ ساتھ۔ سمیت۔ واسطے۔ لیے۔ کو (بمعنی واسطے) بے۔ بن۔ جز۔ بجز۔ بغیر۔ سوا۔ بدوں۔ جوں۔ طرح۔ مانند۔ علاوہ۔ کے۔

سے ابتدا کے لیے آتا ہے۔ جیسے صبح سے شام تک۔ دلی سے کلکتہ تک۔

(۲) تبعیض کے لیے۔ جیسے زید شریف قوم میں سے ہے۔
(۳) سببیت کے لیے۔ مقتول
ے نہیں میرا کوئی جز نام نشاں مثل عنقاد ہن خلق میں افسانہ ہوں
(۴) استعانت کے لیے۔ جیسے تلوار سے ملک فتح ☆ کیا۔ چاقو سے قلم بنایا۔
(۵) تعدیے کے لیے۔ جیسے میں نے حامد سے کتاب لکھوائی۔
(۶) بجائے علامت مفعول (کو) جیسے میں نے زید سے کہا۔ یا خالد سے پوچھا۔
(۷) ساتھ کے معنوں میں۔ جیسے روٹی سالن سے کھائی۔ حامد نے محمود سے بہت اچھا
سلوک کیا۔
(۸) بیان کے لیے۔ جیسے احمد کو کھانے پینے۔ پیسے۔ کپڑے سے کچھ کمی نہیں۔
(۹) تفضیل کے لیے۔ جیسے زید خالد سے عالم ہے۔
(۱۰) انتزاع و استبعاد یعنی علیحدگی اور دوری کے لیے۔ جیسے ع
تیر نکلا جو کماں سے تو گریزاں نکلا
کبھی سے اور تک دو متضاد چیزوں پر آتے اور شمول کا فائدہ دیتے ہیں۔ جیسے عالم سے
لے کر جاہل تک اور بادشاہ سے لے کر فقیر تک۔ کا بعضیت کے لیے جیسی یہ بھی انہیں میں کا
ہے یعنی انہیں میں سے ہے۔
تک۔ تلک۔ انتہا کے لیے۔ جیسے بارہ بجے سے دو بجے تک۔ لاہور سے دلی تک کبھی
بجائے علامت مفعول شیفتہ۔
اے کریم ہم ہیں کہہ دیتے ہیں بے طلب پہنچا دو یہ پیام اجل جاں طلب تک

☆ پہلے زمانہ میں ایسے فقرے حقیقی معنوں میں مستعمل ہوتے تھے۔ کیونکہ اگلے بادشاہ تلوار کے زور سے ملک فتح کیا کرتے تھے۔ لیکن زمان حال میں مجاز ہو گئے ہیں کیونکہ توپ اور بندوق نے تلوار کو بے کار کر دیا ہے۔ آج کل کے محاربات میں صرف توپ اور بندوق سے کام لیا جاتا ہے۔ تلوار برائے نام ایک ہتھیار رہ گیا ہے۔)
☆☆ پر کا مخفف ہے۔ ر حذف کر کے اظہار حرکت کے لیے ہائے مختفی بڑھا دی گئی ہے اور بولنے میں یہ کسرہ سے آتا ہے۔

تلک نثر میں نہیں آتا صرف نظم میں آتا ہے۔

اوپر۔ پر۔ پہ ☆☆ بلندی کے معنوں میں آتے ہیں۔ عام اس سے کہ حقیقی ہو یا مجازی۔

جیسے عابد بالا خانہ کے اوپر ہے۔ ع

لوٹا کیا میں کانٹوں کے اوپر تمام رات

زید گھوڑے پر سوار ہے۔ خدا کے ہم پر بے شمار احسان ہیں۔

میں۔ بیچ۔ اندر۔ درمیان ظرفیت کے لیے آتے ہیں۔ جیسے مسجد میں گھر کے بیچ مکان

کے اندر۔ کمرے کے درمیان۔ سودا

کٹتی ہے عمر تاسف ہی میں اس بزم کے بیچ لو ہے انگشت کہ جس کو بدہاں رکھتی ہے شمع

ساتھ اور سمیت معیت کا فائدہ دیتے ہیں۔ جیسے شعر

ساتھ تیرے ہم بھی جوں سایہ مقرر جائیں گے آگے جائیں پیچھے جائیں جائیں گے پر جائیں گے

مؤلف

قاصد کو خط سمیت کیا پرزے پرزے ہائے کیا جانے لکھ دیا اسے کیا اضطراب میں

(واسطے) مرزا اسد اللہ خاں غالب

حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں

(لیے) شعر

نہ چھوڑ تو کسی عالم میں راستی کہ یہ شے عصا ہے پیر کو اور سیف ہے جواں کے لیے

(کو) ذوق

دانہ خرمن ہے ہمیں قطرہ ہے دریا ہم کو آئے ہے جز میں نظر کل کا تماشا ہم کو

اوپر۔ بیچ۔ اندر۔ درمیان۔ ساتھ۔ حقیقت میں اسم ظرف ہیں اور علامات اضافت کے

ساتھ مستعمل ہیں۔ بیچ سے جب وسط حقیقی مراد ہو تو بیچوں بیچ کہتے ہیں۔

واسطے اور لیے بھی اضافت کے ساتھ مستعمل ہیں۔ لیے ہمیشہ مجرور سے موخر آتا ہے۔

(بے) شعر

آبیاری ابر رحمت نے نہ کی اب کے برس مزرع امید اپنی خشک بے پانی ہوئی

(بن) بیت

حوادث سے بن گزارا نہیں یاں　　بلندی و پستی سے چارا نہیں یاں

(جز) شعر

مطلب سے اپنے کون ہے آگاہ جز خدا　　جوں خط سرنوشت ہیں پیشانیوں میں ہم

(بغیر) شعر

تقدیر کے سوا نہیں ملتا کسی سے بھی　　دلواتا اے ظفر ہے مقدر کہے بغیر

(جوں) ذوق

تجھ سے دیکھا سب کو اور تجھ کو نہ دیکھا جوں نگاہ　　تو رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا

(طرح) مومن

کرتا ہے ابر اپنا لہو پانی ایک کیوں　　کب رو سکے گا دیدۂ خونبار کی طرح

(مانند) طرح کے معنوں میں آتا ہے۔

(علاوہ) شمول اور شرکت کے لیے بھی آتا ہے اور علیحدگی کے لیے بھی۔ جیسے "زید کے علاوہ خالد بھی تھا۔" یعنی زید بھی تھا اور خالد بھی تھا۔ "علاوہ اس کے ایک اور بات ہے۔" اس کتاب کی قیمت محصول کے علاوہ ایک روپیہ ہے۔" یہاں پر ایک مزیدار حکایت بھی سن لو۔

حکایت:

ایک گدھا اور بن مانس دونوں آپس میں خدا کی ناشکری کا تذکرہ کرتے تھے گدھے کو یہ شکایت تھی۔ کہ ہائے میرے سر پر سینگ نہیں۔ بن مانس کو یہ گلہ تھا کہ افسوس میں دُم سے محروم ہوں۔ چھچھوندر یہ باتیں سن کر بولی۔ چپ رہو کم بختو کفر مت بکو۔ مجھ کو دیکھو کہ میں سینگ اور دُم کے علاوہ آنکھ سے بھی بے نصیب ہوں (منتخب الحکایات) (کے) جیسے "یہ اس کے متعلق ہے" یعنی اس سے متعلق ہے۔

کبھی کے پر کا کام دیتا ہے۔ جیسے　مصرع

چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی

یعنی کسی پر آن لگی۔

کبھی ایک لفظ جار و مجرور دونوں کا کام دیتا ہے لفظاً یا معنیً۔ جیسے شعر

کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقت سخن　　　جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کہے بغیر

یعنی جب مجھ میں طاقت سخن نہ رہی۔ مصرع

گھل گئی غم کے مارے جاں افسوس

یعنی غم کے سبب سے۔ یہاں مارے کا لفظ معنی جار و مجرور ہے۔ رباعی

ان آنکھوں سے روئے لالہ گوں بھی دیکھا　　　اور ان کو پُر از شریک خوں بھی دیکھا
کیا کیا دیکھا نہ رنگ ہم نے اے ذوق　　　یوں بھی دیکھا زمانہ دوں بھی دیکھا

یوں اور دوں اس طرح سے اور اُس طرح سے۔

بعض اوقات حرف جر دو دو ہوتے ہیں اور مجرور ایک جیسے ''وہ ہم میں سے نہیں'' زید گھوڑے پر سے گر پڑا۔ میں سے اور پر سے دو دو حروف جر ہیں اور ہم اور گھوڑے ایک ایک مجرور۔

کبھی حرف جر کی جگہ نفس کلمہ میں وںؔ زیادہ کرتے ہیں جیسے ''بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا'' خواجہ میر درد

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے　　　ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

کبھی حرف جر حذف ہو جاتا ہے۔ شعر

جان و دل پر لشکر آرائی تھی جوش یاس کی　　　مفت اس بلوے میں شب خون تمنا ہو گیا

یعنی مفت میں۔

مسدس حالی

پگلتے ہیں سانچے میں ڈھلنے کی خاطر　　　گاتے ہیں غوطہ اچھلنے کی خاطر
ٹھہرتے ہیں دم لے کے چلنے کی خاطر　　　وہ کھاتے ہیں ٹھوکر سنبھلنے کی خاطر

یعنی خاطر سےؔ

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے　　　اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

یعنی نہ اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی سے چلے۔

تذکرہ:
کہیں بیان ہو چکا ہے کہ حرف نہ مسندالیہ ہوتا ہے نہ مسند۔ مگر اس قسم کے جملوں میں
سے حرف جر ہے تم کہو گے کہ یہاں سے مسندالیہ ہو گیا۔ لیکن اس کا جواب تم خود ہی سمجھ
ہو کہ یہاں سے نے معنوں کے لحاظ سے کچھ کام نہیں دیا۔ بلکہ سے سے مراد سے کا لفظ
ہے اور سے بتاویل لفظ مسندالیہ اور اس تاویل سے تمام حروف مسندالیہ ہو سکتے ہیں۔

تنبیہ:
یادرکھنا چاہیے کہ عربی حروف جر فارسی یا اردو الفاظ پر نہیں آ سکتے۔ بعض لوگ "فی زمانہ"
کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور مراد یہ ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں۔ اول تو یہ ترکیب ہی غلط ہے
دوسرے ان معنوں میں غلط در غلط۔ عربی میں ایسے موقع پر کہتے ہیں۔ فی زماننا ہذا۔ یعنی
ہمارے اس زمانہ میں۔ بہتر یہی ہے کہ یہ لفظ اسی طرح بولا جائے۔ لیکن اگر ہذا کا لفظ حذف
بھی کر دیا جائے تو فی زماننا بولنے میں بھی چنداں قباحت نہیں۔ مگر فی زماننا کی جگہ فی زمانہ
بولنا لفظاً و معنیً غلط ہے اور کسی طرح صحیح نہیں۔

عطف کے حرف

جو دو کلموں یا دو جملوں کو باہم ملائیں یا ایک حکم میں شامل کریں اور۔ وَ۔ پھر۔ کر۔
کے۔ اور اور وَ صرف وصل کلمات کے لیے آتے ہیں۔ جیسے "زید اور عمرو آئے۔ یہاں اور
کے لفظ نے عمر کو زید کے ساتھ ملا دیا" حامد شب و روز پڑھتا رہتا ہے۔ یہاں وَ نے روز کو
شب کے ساتھ ملا دیا۔
وَ اردو کے دو لفظوں کو کبھی نہیں ملاتا۔ البتہ نظم میں کبھی دو جملوں کے درمیان آ جاتا
ہے۔ جیسے

شعر

عزیزو مست سخن ہو دیا کہ سوتے ہو — اٹھو اٹھو کہ بس اب سر پہ آفتاب آیا

پھر میں ترتیب بھی پائی جاتی ہے۔ جیسے زید آیا پھر عمرو آیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

زید پہلے آیا۔ عمرو اس کے بعد۔
زید کھانا کھا کر یا کھا کے مدرسے گیا۔ یعنی کھانا کھایا اور مدرسے گیا۔

فائدہ:

کبھی ہونا کے بعض مشتقات بھی حرف عطف کا کام دیتے ہیں۔ جیسے مولوی نذیر احمد اپنی ایک اسپیچ کے شروع میں کہتے ہیں۔ ''لکچرار ہوئے۔ پبلک اسپیکر ہوئے۔ مرثیہ خواں ہوئے۔ قوال ہوئے۔ گویّے ہوئے۔ ہیں سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے۔ ان کا اکثر قاعدہ ہوتا ہے کہ لکچر یا اسپیچ یا مرثیہ یا راگ شروع کرنے سے پہلے ادبدا کر عذر کر لیا کرتے ہیں کہ تحریک نزلہ کی وجہ سے میرے گلے میں خراش ہے۔ یا رات ایک دوست کے ہاں دعوت تھی دیر تک جاگنا پڑا۔ بدخوابی کے سبب دردسر ہے۔ یا فرصت نہیں ملی اور میں لکچر یا اسپیچ کے لیے تیار ہو کر نہیں آیا۔''

فائدہ:

جس طرح اور کا لفظ دو چیزوں کو ایک حکم میں شامل کرتا اور دو لفظوں کو ایک معنوں میں ملاتا ہے اسی طرح کبھی محاورے میں ان کو جدا بھی کرتا ہے۔ جیسے غالب

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخ مکتوب   مگر ستم زدہ ہوں ذوق خامہ فرسا کا

یعنی تو ہو اور جواب خط ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ایسے موقع پر اور کا لفظ منفی کے معنی پیدا کرتا ہے تو تو اور پاسخ مکتوب کے معنی ہیں۔ کہ تو پاسخ مکتوب نہیں لکھے گا۔ رباعی

کیا پاس تھا قول حق کا اللہ اللہ   تنہا تھے پہ اعدا سے یہ فرماتے تھے شاہ
میں اور اطاعت یزید گمراہ   لاحول ولا قوۃ الا باللہ

یعنی میں یزید گمراہ کی اطاعت کروں ایسا کبھی نہیں ہونے کا۔

اضراب کے حرف

کبھی ایک سات سے ترقی دے کر اسفل کو اعلیٰ یا اعلیٰ کو اسفل بناتے ہیں اور ایسے مقام میں دو جملے استعمال کرتے اور دونوں کے بیچ بلکہ لگاتے ہیں۔ اس کا نام حرف اضراب ہے۔

جیسے ''زید آدمی نہیں بلکہ فرشتہ ہے۔'' یا ''عمرو انسان نہیں بلکہ حیوان ہے۔'' پہلی مثال میں اسفل کو اعلیٰ اور دوسری میں اعلیٰ کو اسفل بنایا گیا ہے۔

کبھی ترقی دے کر دوسری صفت یا چیز کو شامل کرتے ہیں۔ جیسے زید عالم ہی نہیں بلکہ عابد بھی ہے۔ یا مثلاً زید آیا ہے بلکہ عمرو بھی۔ ذوق کی شوخی دیکھ کہتا ہے۔

وہ نہیں ہم کہ کریں خون کا دعویٰ تجھ سے   بلکہ پوچھے گا خدا بھی تو مکر جائیں گے

ظفر

روز معمورۂ دنیا میں خرابی ہے ظفر   ایسی بستی سے تو ویرانہ بنایا ہوتا

بلکہ بہتر تو یہی تھا نہ بنایا ہوتا

نظم میں بلکہ کی جگہ کہ بھی مستعمل ہے۔ مدو جزر اسلام

نہیں ملتی کوشش سے دنیا ہی تنہا   کہ ارکانِ دیں بھی اسی پر ہیں برپا

اسی مسدس کا ایک پورا بند بھی سنو۔

سب ایسے تن آسان و بے کار و کاہل   تمدن کے حق میں ہیں زہر ہلاہل

نہیں ان سے کچھ نوع انساں کو حاصل   نہیں ان کی صحبت کہ ہے سم قاتل

یہ جب پھیلتے ہیں سمٹتی ہے دولت

یہ جوں جوں کہ بڑھتے ہیں گھٹتی ہے دولت

بلکہ یا کہ جن دو جملوں کے بیچ میں آتے ہیں وہ معطوف علیہ اور معطوف ہوتے ہیں۔

تردید کے حرف

جو رد کرنے کے مقام پر بولے جاتے ہیں

یا۔ تو۔ خواہ۔ چاہو۔ کہ

یا اکثر دو چیزوں کے اجتماع کو روکنے اور دو میں سے ایک کی تعیین کے لیے آتا ہے۔ کبھی دو کے حصر کے لیے آتا ہے۔ جیسے زید تندرست ہے یا بیمار۔ نیک ہے یا بد۔ یہ لو یا یہ لو۔ تیسرا کوئی نہیں شک کے مقام پر بھی آتا ہے۔ جیسے میں ہوں یا خدا۔ یعنی میں اور خدا دونوں ہیں۔

ہے۔ جیسے شعر

آتا ہے تو آجا کہ کوئی دم کی ہے فرصت پھر دیکھیے آتا بھی ہے دم یا نہیں آتا

یا تو کو خواہ ایک لفظ سمجھو۔ یا یا پر تو زائد۔ ذوق کہتے ہیں۔ فرد

یا تو پاس دوستی تجھ کو بت بیباک ہو یا مجھی کو موت آجائے کہ قصہ پاک ہو

خواہ دو جملوں پر آتا ہے خواہ دوسرے میں خواہ ہو یا یا۔ لیکن ان کے بعد ایک اور جملہ بطور نتیجہ ضرور ہوتا ہے۔ جیسے خواہ مانو خواہ نہ مانو (یا خواہ قبول کرو یا نہ کرو) ہم سمجھائیں گے ضرور۔ خواہ مساوات کے لیے بھی آتا ہے۔ جیسے خواہ یہ لو خواہ وہ لو۔

چاہو کا حال خواہ کا سا ہے۔ ''چاہو یہ لو چاہو یہ۔''

کہ اکثر نظم میں آتا ہے۔ مرزا رفیع سودا

پوچھا سودا سے میں اک روز کہ اے آوارہ ترے رہنے کا معین بھی مکاں ہے کہ نہیں

ایک بیک ہو کے بر آشفتہ لگا وہ کہنے کچھ تجھے عقل سے بہرہ بھی میاں ہے کہ نہیں

غالب

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

نواب صفدر علی خاں صفدر

گلزار جہاں کا کیا تماشا دیکھوں اشک شبنم کہ گل کا ہنسنا دیکھوں

مثل گل رعنا ہیں نظر میں شب و روز دو روز کی ہے بہار کیا کیا دیکھوں

جن جملوں میں حرف تردید آتے ہیں۔ ان میں سے پہلا معطوف علیہ کہلاتا ہے پچھلا معطوف حرف تردید حذف بھی ہو جاتے ہیں۔ بیت

ہمارا کام سمجھانا ہے یارو اب آگے چاہو تم مانو نہ مانو

استدراک کے حرف

جب پہلے جملے میں کسی طرح کا شبہ واقع ہو تو دوسرے جملے پر جن الفاظ کو لا کر اس شبہے کو دور کرتے ہیں۔ وہ حرف استدراک ہیں۔

مگر۔ مگر ہاں۔ پر۔ پہ۔ لیکن۔ ولیکن۔ ولے۔ لیک۔ ولیک۔ الا۔ سو۔ البتہ۔ حالی

چکور اور شہباز سب اوج پر ہیں — مگر ایک ہم ہیں کہ بے بال و پر ہیں
اگر ہم سے مانگے کوئی ایک پیسا — تو ہوگا کم و بیش بار اس کا دینا
مگر ہاں وہ سرمایہ دین و دنیا — کہ ایک ایک لمحہ ہے انمول جس کا
نہیں کرتے خست اڑانے میں اس کے
بہت ہم سخی ہیں لٹانے میں اس کے

شعر

آج ہم اپنی پریشانی خاطر ان سے — کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھیے کیا کہتے ہیں

حالی

ہوئی آ کے پیری میں قدر جوانی — سمجھ ہم کو آئی پہ نا وقت آئی

مرزا غالب

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں — لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں

ولیکن حقیقت میں لیکن مع واو عطف ہے مگر فارسی اور اردو میں ایک کلمہ ہو کر مستعمل ہے اور صرف نظم میں آتا ہے۔ شعر

ہے انساں صانع قدرت کا اک صندوق سربستہ — ولیکن یہ نہیں کھلتا کہ اس میں بولتا کیا ہے

شعر

دل میں کتنے مسودے تھے و لے — ایک پیش اس کے روبرو نہ گیا

حالی

ہیں یار رفیق پر مصیبت میں نہیں — ساتھی ہیں عزیز لیک ذلت میں نہیں

ایک تارک الدنیا کہتا ہے۔

اٹھائے ہاتھ جہاں سے ولیک کیا امکاں — کہ با فراغ کروں کنج عافیت میں نشست

"کوشش تو بہت کی الا کامیابی نہ ہوئی۔"

غالب

کس سے محرومی قسمت کی شکایت کیجیے — ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

ایک شعر اور سنو۔ شعر

سرمایہ امید ہے کیا پاس ہمارے　　اک آہ ہے سینے میں سو نومید اثر ہے

"میں نے یوں نہیں کہا البتہ یوں کہا تھا۔"

محاورے میں کبھی اور بھی حرف استدراک کا کام دیتا ہے۔ شعر

اور یہاں حسن شناسان سخن تھوڑے ہیں　　قبح کے دیکھنے والے تو بہت ہیں دلگیر

استثنائے حرف

جو الفاظ ایک چیز کو دوسری چیز سے علیحدہ کریں وہ حرف استثناء ہیں۔ سوا۔ جز

"حامد کے سوا سب آ گئے۔"

جز فارسی لفظ ہے اور نظم سے مخصوص ہے۔ شعر

کس سے فریاد ان بتوں کی کروں　　جز خدا کون سننے والا ہے

مصرع

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار

استثنا کی قسمیں:

استثناء دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ ایک جنس سے ہوں جیسے "زید کے سوا سب لوگ آ گئے۔" اس مثال میں زید مستثنیٰ ہے اور لوگ مستثنیٰ منہ اور دونوں ہم جنس یعنی انسان ہیں۔ اس قسم کے استثنا کو استثنائے متصل اور مستثنیٰ کو مستثنائے متصل کہتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کی جنس میں مغائرت ہو۔ جیسے "شیطان کے سوا سب فرشتوں نے آدم کی تعظیم کی۔" اس مثال میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ اہل کتاب کے عقیدے کے مطابق فرشتوں کی پیدائش نور سے ہے اور شیطان کی نار (یعنی آگ سے) ایسے استثنا کو استثنائے منقطع اور مستثنیٰ کو مستثنائے منقطع کہتے ہیں۔

بعض اوقات کسی کی تعریف میں کہتے ہیں کہ وہ تو مستثنیٰ شخص ہے یعنی برگزیدہ و ممتاز ہے ذیل کی حکایت میں دیکھو کہ مستثنیٰ کے لفظ سے کیونکر مدح اور منقطع کے لفظ سے کیونکر ہجو کی گئی ہے۔

☆ یہ عہد قدیم کے مشاہیر شعرا میں سے ہیں۔

...یت:
آب حیات میں شاہ آبرو☆ کے حال میں لکھا ہے کہ "خدمت گار خاں بادشاہی خواجہ
...تھا۔ اور سرکار شاہی میں بڑا صاحب اختیار تھا۔ اکثر بادشاہی نوکر اس کی سخت گیری اور
...راجی سے دق رہتے تھے انہیں بھی اس سے کام پڑتا تھا۔ کبھی آسانی سے مطلب نکل آتا
...بھی دشواری سے۔ چنانچہ ایک موقع پر یہ شعر کہا

...یارو خدمتگار خاں خواجوں کے بیچ ہے تو مستثنیٰ و لیکن منقطع

اس شعر میں لفظ مستثنیٰ تک تو خاصی تعریف ہے لیکن "ولیکن منقطع" کے کہنے سے کمال
...ت ہو گئی۔ کیونکہ اس کے یہ معنی ہو گئے کہ خدمتگار خاں خواجوں کی جنس یعنی انسانوں
...سے ہی نہیں اور کچھ عجب نہیں کہ شاہ صاحب نے اس کو جنس انسان سے خارج کر کے
...نے ذہن میں ایک دوسری جنس کی تعین کر دی اور یہ مراد رکھی ہو کہ خدمتگار خاں آدمی نہیں
...لدھا ہے۔

اضافت کے حرف

جن سے دو کلموں میں لگاؤ پایا جائے۔
کا۔ کے۔ کی۔ ان کا مفصل بیان مضاف و مضاف الیہ کی بحث میں دیکھو۔ ہمارے
...زدیک ان کو حروف اضافت کی جگہ علامات اضافت کہنا چاہیے۔ اس لیے کہ جس طرح را۔
...ے۔ ری اور نا۔ نے۔ نی۔ اضافت کی علامتیں ہیں۔ اسی طرح یہ ہیں اور معلوم ہے کہ حرف
...میشہ ایک جداگانہ لفظ ہوتا ہے اور یہ الفاظ سے علیحدہ نہیں ہوتیں۔

نفی کے حرف

نہ۔ نے۔ نہیں۔ مت۔ الف۔
نون مفتوح جو ہائے مختفی کے ساتھ مل کر نہ ہو جاتا ہے۔ نے۔ بے۔ نا۔ حاشا و کلا
...مفتوح ان نون مکسور۔ کاف مفہوم۔ بائے موحدہ مفتوح پر۔
نے فارسی لفظ ہے۔ اردو میں صرف نظم میں آتا ہے اور جس جملہ میں یہ آتا ہے اس کے
...ساتھ ہمیشہ ایک اور جملہ ہوتا ہے جس میں نہ حرف نفی آتا ہے۔ شعر

نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں   گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے
زید نے کچھ نہیں کہا۔ خدا کے سوا کسی سے مت ڈرو موت کا وقت اٹل ہے وہ ان پڑھ ہے۔ بڑا ہی نڈر شخص ہے نہتا کیا کر سکتا ہے۔ کذب بات ہے۔ زید بدکی ہے بیچارہ پردیس میں ہے۔ وہ بے علم اور نالائق ہے۔ حاشا و کلا میں نفی کی تاکید ہوتی ہے۔ جیسے کیا خالد مکرو فریب سے کام لیتا ہے۔ حاشا و کلا (یعنی ہرگز نہیں ہرگز نہیں) بے اور نا دونوں فارسی لفظ ہیں اور ان میں یہ فرق ہے کہ بے اسم ذات اور مصدر پر آتا ہے اور نا اسم صفت پر جیسے بے قرار۔ بے تاب۔ بے صبر۔ بے ہوش۔ بے پناہ۔ بے کس۔ بے وقوف۔ بے تمیز۔ بے انصاف۔ بے چین۔ بے کل۔ نامناسب۔ ناقابل۔ نامنصف۔ لائق۔ مگر کبھی نا بھی مصدر وغیرہ پر آ جاتا ہے۔ جیسے نافہم۔ ناامید۔ غالب۔

کچھ تو دے اے فلک نا انصاف   آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

رند

سنی جو بیشتر ان میں صفت رحیمی کی   قبول ہونے کو ہم سے بھی ناقبول چلے

بے دوسرے لفظ پر آ کر اسم صفت کے معنی پیدا کرتا ہے اور نا جب بے کی جگہ مستعمل ہوتا ہے تو وہ بھی یہی معنی پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ امثلہ مذکورہ سے ظاہر ہے۔

اردو الفاظ پر بھی بے آ جاتا ہے۔ جیسے بے سمجھ۔ بے جوڑ۔

کبھی محاورے میں نہ مساوات کے معنی دیتا ہے۔ مثل ہے "نہ گھر کی آدھی نہ باہر کی ساری" یعنی گھر کی آدھی روٹی باہر کی ساری روٹی کے برابر ہے۔ خواجہ الطاف حسین حالی مدو جزر اسلام میں زمانہ حال کے واعظوں کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

کوئی چیز سمجھو نہ اپنی بری تم   رہو بات کو اپنی کرتے بڑی تم
حمایت میں ہو جب کہ اسلام کی تم   تو ہو ہر بدی اور گنہ سے بری تم

بدی سے نہیں مومنوں کو مضرت
تمہارے گناہ اور اوروں کی طاعت

یعنی تمہارے گناہ اوروں کی اطاعت کے برابر ہیں۔

دو چیزوں کی نفی مقصود ہوتی ہے تو بسا اوقات حرف نفی دوسرے لفظ پڑلا کر پہلے کی بھی نفی

...دیتے ہیں۔ جیسے بیت

نہ ہو ایک جب تک لہو اور پسینا حلال آدمی کو ہے کھانا نہ پینا

یعنی نہ کھانا حلال ہے نہ پینا۔ اور یہ مطلب نہیں کہ کھانا تو حلال ہے لیکن پینا حلال

...۔ بیت

جو تدبیر الٹی تو تقدیر کھوٹی پہننے کو کپڑا نہ کھانے کو روٹی

یعنی نہ پہننے کو کپڑا ہے نہ کھانے کو روٹی۔

کبھی نہ کلام میں زائد آتا ہے اور نہایت فصیح معلوم ہوتا ہے۔ جیسے شعر

دل پھر گیا نہ تیرا آخر خدا سے دیکھا مصحفی بتوں میں ہوتی ہے یہ کرامت

غالب

آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب

کبھی تھوڑا ہی بھی نفی کے معنی دیتا ہے۔ جیسے کوئی ایسا تھوڑا ہی کرتا ہے یعنی نہیں کرتا کبھی کیا بھی حرف نفی کا کام دیتا ہے۔ جیسے شع

آج کل سارے چمن کی ہے ہوا بگڑی ہوئی صحبت گل ہے فقط بلبل سے کیا بگڑی ہوئی

یعنی فقط صحبت گل ہی بلبل سے بگڑی ہوئی نہیں۔

کبھی کم بھی نفی کے معنی دیتا ہے جیسے مومن

اک میرا بخت تھا کہ وہ بیدار کم ہوا ...ب تا بہ فتنہ چونک پڑے تیرے عہد میں

یعنی بیدار نہ ہوا۔ اور یہ مطلب نہیں کہ تھوڑا سا تو بیدار ہوا اور بہت سا سوتا رہا۔ شہیدی

کم مروج ہے جوانانِ چمن میں آئینہ ...ب صافِ نہر سے لیتے ہیں کام اپنا نکال

حروف بیان

...کہ یہ وہی کاف بیانیہ ہے جس کا حال مبین اور بیان کے بیان میں مذکور ہوا۔ یہ کاف ...ر جملہ آتا ہے لود بے اس کے کلام پھیکا سا ہوتا ہے۔

بعض اوقات لفظ یعنی بھی حرف بیان کا کام دیتا ہے جیسے مقتول

جفا کرتے رہے اور ہم بامید وفا روئے نیاز و ناز کے معنی یہ ہیں یعنی وہ ہنس ہنس کر

علت کے حرف

وہ حرف جو کسی امر کا سبب ظاہر کریں۔

کیونکہ اس لیے کہ اس واسطے کہ۔ کہ۔ تا کہ۔ کہ تا۔ تا

علم حاصل کرو کیونکہ (یا "اس لیے کہ" یا "اس واسطے کہ") علم ہی فلاح دارین کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔ بیت

کرو کچھ کہ کرنا ہی کچھ کیمیا ہے　　مثل ہے کہ کرتے کی سب بدیا ہے

"زید خوب محنت کرتا ہے۔ تا کہ امتحان میں کامیاب ہو۔" ذوق

اسی باعث سے دایہ طفل کو افیون دیتی ہے　　کہ تا ہو جائے لذت آشنا تلخی دوراں سے

غالب

لکھتا ہوں اسد سوزش دل سے سخن گرم　　تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت

جن جملوں پر حروف علت واقع ہوتے ہیں وہ علت کہلاتے ہیں اور پہلے جملے معلول کبھی یعنی بھی حرف علت کا کام دیتا ہے۔ جیسے شعر

غریق گریہ خونیں رہا نہ کر مومن　　لباس یعنی پہنتے نہیں مسلماں سرخ

شرط کے حرف

جب کسی کام پر کسی کام کو موقوف کرتے ہیں تو موقوف علیہ کے آغاز میں جو حرف لاتے ہیں وہ حروف شرط ہیں۔ جیسے "اگر علم پڑھو گے تو عزت پاؤ گے" اس فقرے میں عزت پانے کو علم پڑھنے پر موقوف کیا گیا ہے۔ اور اس کے شروع میں اگر حرف شرط ہے جس جملے پر حرف شرط آتا ہے۔ وہ شرط کہلاتا ہے اور دوسرا جملہ جزا

اگر۔ گر۔ جو۔ جب۔ جب جب۔ جس وقت۔ جس دم۔ چونکہ۔ جو کہ۔ جبکہ۔ جو ہیں۔ جوں جوں۔ اگرچہ ہر چند۔ ہر چند☆ کہ۔ گو۔ گو کہ۔ بسکہ۔ از☆☆ بسکہ۔ بس۔ ازبس۔ جب تک۔ جس وقت تک۔ تاوقتے کہ۔ تا۔ تا کہ۔ ازانجا۔ ہر گاہ۔ خواہ۔ کیوں نہ۔

☆ کاف زائد ہے۔

☆☆ از زائد ہے۔

ہیں۔ نہیں تو۔ وگرنہ۔ ورنہ۔ یہ سب۔ حروف شرط ہیں۔ شعر

خاکساری سرمہ ساں شیوہ کرے گا تو اگر دیدۂ اہل نظر میں تیرا گھر ہو جائے گا

غالب

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا دل بھی یا رب کئی دیئے ہوتے

جو۔ جب۔ اور اگر اور چونکہ تینوں کے معنوں میں آتا ہے۔ حالی

ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے

ذوق

اس جبر پر تو ذوق بشر کا یہ حال ہے کیا جانیں کیا کرے جو خدا اختیار دے

پھر جاتی ہے سینے کو مری آہ بھی الٹی برگشتہ جو قسمت ہے مری بخت نگوں ہے

یعنی چونکہ میری قسمت برگشتہ اور بخت نگوں ہے اس لیے میری آہ بھی سننے کو الٹی پھر جاتی ہے۔ مقتول

وہ غیرت خور ہے تو کہ لکھ کر تیرے اوصاف

قرطاس☆ سے جب خاک کو جھٹکا تو جھڑی دھوپ

"چونکہ خدا کو ایسا کرنا منظور نہ تھا نہ ہوا۔"

جو کہ چونکہ کی جگہ بولتے ہیں اور بہت کم۔

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟

حالی

جو ہیں کان میں حق کی آواز آئی لگا کرنے خود ان کا دل رہنمائی

مومن

زندہ نہ ہوا ہائے دل مردہ اگرچہ تھا شور قیامت سے فزوں ولولہ اپنا

ناسخ

ہر چند ہوں پیر اور سر پر ہے اجل تسپر نہیں پیٹ کے سوا فکر عمل

☆ جن دنوں میں بلاٹنگ پیپر کا رواج نہ تھا۔ روشنائی خشک کرنے کے لیے کاغذ پر خاک ڈال کر جھٹک دیتے تھے اب بھی بعض لوگوں کا یہی عمل ہے۔)

ہے رشتہ عمر مختصر سا لیکن شیطان کی آنت ہے مرا طول امل
مومن
ہر چند کہ قول ناصحوں کا کچھ تلخ نہ تھا دے نہ بھایا
مقتول
ہو گیا گو ہلال ابرو سا پر وہ اندھا کہاں سے لائے آنکھ
گو بظاہر خوش ہوں لیکن تلخ کامی کو نہ پوچھ میں سراپا نقش زیبا ہوں مگر حنظل میں ہوں
ترے تیروں نے کیا گو کہ مجھے چھلنی سا چھانتا ہوں ترے کوچے کی مگر خاک ہنوز
غالب
بسکہ روکا میں نے اور سینے میں ابھریں پے بہ پے میری آہیں بخیۂ چاک گریباں ہو گئیں
مومن
از بسکہ ثبت نامہ ہے سوز تپ دروں قاصد کا ہاتھ ہے ید بیضا کلیم کا
غالب
مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل سن سن کے اسے سخنورانِ کامل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش گویم مشکل و گر نہ گویم مشکل
اعظم خاں اعظم
درد دل از بس طبیبوں سے نہاں رکھتے ہیں ہم شمع آسا نبض زیر استخواں رکھتے ہیں ہم
مصحفی
جب تک کہ نہ چھڑکیں گے گلاب آپ وہ آکر اس غش سے کبھی ہوش میں آنے کے نہیں ہم

جس وقت تک اور تا وقتے کہ جب تک کے ہم معنی ہیں اور نثر میں آتے ہیں۔
تا صرف نظم میں آتا ہے اور جب تک کے معنوں میں۔ ذوق ایک قصیدۂ دعائیہ میں کہتے ہیں۔

بخار ارض سے تا ابر ہو اور ابر میں پانی رواں پانی سے تا دریا ہو اور دریا کو طغیانی
زمیں میں تا ہو کان اور کان میں ہو جوہر کانی پے جوہر ہو قیمت اور قیمت کو فراوانی

تری شمشیر جوہر دار میں نصرت کا جوہر ہو
ترے قبضے میں بحر پُر گہر ہو کانِ پُر زر ہو

ذوق کرتا ہے ثنا ختم دعا پر اس طرح تاکہ ہوں ارض و سما دونوں طبق زیر طبق
ہووے ہر سال مبارک تجھے عید رمضاں اور دشمن کو رہے تیرے سدا رنج و قلق

ازانجا اور ہرگاہ نثر میں آتے ہیں اور چونکہ معنوں میں ایکٹ نمبر ۵/ ۱۸۹۸ء کے شروع میں لکھا ہے۔ ''ہرگاہ یہ امر قرین مصلحت ہے کہ قوانین متعلقہ ضابطہ فوجداری مجتمع و ترمیم کیے جائیں۔ لہٰذا اس کی رو سے حسب ذیل حکم ہوتا ہے۔''

''خواہ کتنی ہی دقتیں پیش آئیں مگر ہم راہ خدا میں ضرور کوشش کریں گے۔'' مصرع

کیجیے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

ذوق

میں ہجر میں مرنے کے قریب ہو ہی چکا تھا تم وقت پہ آ پہنچے نہیں ہو ہی چکا تھا

نہیں تو اکثر نثر میں آتا ہے۔ ایک بیت بھی سن لو۔ بیت

ملا ان کو مجھ سے تو میرے خدا نہیں تو مرا جی ٹھکانے لگا

موت نے کر دیا ناچار وگرنہ انساں ہے وہ خود بیں کہ خدا کا بھی نہ قائل ہوتا
ہم کسی پہلو اے غم سے تہی پاتے نہیں ورنہ کس کس ڈھب دل نالاں کو بہلاتے نہیں

پچھلے چاروں حروف (یعنی نہیں۔ نہیں تو وگرنہ۔ ورنہ) کا مفصل حال جملہ شرطیہ میں بیان ہو چکا۔

کبھی باوجودے بھی اگرچہ کے معنی دیتا ہے۔ جیسے شعر۔

باوجودے کہ پرو بال نہ تھے آدم کے واں پہ پہنچا کہ فرشتوں کا بھی مقدور نہ تھا

فائدہ:

کبھی قائل اگر بول کر اپنی یقینی بات کو مشکوک کر دیتا ہے۔ مثلاً کوئی مظلوم کہے کہ ''اگر خدا ہے تو ظالموں کو ضرور سزا دے گا۔'' یہاں خدا کے ہونے کو جو متکلم کے نزدیک ایک یقینی بات ہے مشکوک کر دیا ہے۔ یا جیسے کوئی گرفتار الم درازیٔ شب غم سے گھبرا کر کہے کہ ''اگر صبح

ہو جائے تو جی اٹھوں۔'' حالانکہ اس کو صبح ہونے کا یقین ہے۔

بعض اوقات کوئی کام حقیقت میں دوسرے پر موقوف نہیں ہوتا۔ مگر عبارت میں شرط و جزا کی صورت میں آتا ہے۔ جیسے ''خدا اپنے فضل و کرم سے پورا کرے تو ارادہ یہ ہے۔'' اس فقرے میں پہلا جملہ شرط ہے اور دوسرا جزا۔ مگر ارادے کا ہونا پورا کرنے پر موقوف نہیں بلکہ پورا کرنا ارادے کے ہونے پر موقوف ہے۔ کیونکہ پورا کرنا تو اسی صورت میں ہوگا جب ارادہ کیا جائے اور جب ارادہ ہی نہ کیا جائے تو پورا کیا ہوگا۔

جزا کے حرف

وہ حرف جو جزا کے جملے پہ آتے ہیں۔

تو تب۔ سو۔ لیکن ولیکن ولے۔ مگر۔ پر۔ پہ۔ الا۔ تو۔ (بفتح) تو بھی۔ پھر۔ تو۔ پھر۔ پھر بھی۔ تاہم۔ اس لیے۔ اس واسطے۔ اسی لیے۔ اسی واسطے۔

تو۔ اگر۔ گر۔ جو۔ جب۔ جبکہ کی جزا میں آتا ہے۔ تب اکثر جب کی جزا میں۔

غالب

رگ و پے میں جب اترے زہر غم تب دیکھیے کیا ہو
ابھی تو تلخی کام و دہن کی آزمائش ہے

سو جو کی جزا میں آتا ہے۔ جیسے شعر

اڑائے طرز نالے کے جو اک دن تیرے محزوں سے
سو اب تک دیکھ لے منقار طوطی سرخ ہے خوں سے

لیکن۔ ولیکن۔ ولے۔ مگر۔ پر۔ پہ۔ الا۔ تو بھی۔ پھر بھی یہ حروف اگرچہ۔ اگرچہ۔ ہر چند۔ گو۔ گوکہ کی جزا میں آتے ہیں۔ جیسا کہ اکثر حروف کی مثالیں حروف شرط میں بیان ہوئیں۔ تو بھی کی مثال سنو۔ مفتی صدر الدین خاں آزردہ

مر کر بھی ہمارا دل بے تاب نہ ٹھہرا کشتہ بھی ہوا تو بھی یہ سیماب نہ ٹھہرا

تو اگر کی جزا میں آتا ہے۔ جیسے ''اگر کوئی بادشاہ ہوا تو کیا۔ اور اگر گدا ہوا تو کیا۔'' کر تو ڈر نہ کر تو خدا کے غضب سے ڈر۔

بعض اوقات جبکہ ایک بات حقیقت میں دوسری بات پر موقوف نہیں ہوتی۔ اور کلام کو
...ط و جزا کی صورت میں لاتے ہیں۔ تو ایسے موقع پر حرف جزا تو آتا ہے۔ یہ حرف جزا دو
جملوں پر آتا ہے۔ اور ان کے بعد ایک اور جملہ بطور تاکید آتا ہے۔ جیسے توبۃ النصوح
...وف نصوح کہتا ہے۔ ''میں اس گھر کی فکر میں ہوں جہاں مجھ کو ہمیشہ رہنا ہے۔ دنیا کا گھر چند
...زہ ہے آج اجڑا تو اور کل اجڑا تو ایک نہ ایک دن اجڑے گا ضرور۔''
تو پھر کی مثال بھی سنو۔ شعر

...تھا تحمل اگر اس کے ناز کا تو پھر | آکم فریفتہ کیوں ایسے نازنیں کے ہوئے

جزا مقدم ہو تو حرف شرط واجب الحذف ہوتا ہے۔ غالب

سنو گر برا کہے کوئی | نہ کہو گر برا کرے کوئی
روک دو گر غلط چلے کوئی | ڈھانپ لو گر خطا کرے کوئی

مگر تب مستثنیٰ ہے جیسے شعر

...ب ناز گرا نمائگئی اشک بجا ہے | جب لخت جگر دیدہ خونبار میں آوے

''اس واسطے'' اور ''اس لیے'' اور ''اسی واسطے'' اور ''اسی لیے'' چونکہ کی جزا میں آتے
ہیں۔

کبھی نظم میں دو دو شرطیں پہلے بیان کرتے ہیں اور ان کی جزائیں اسی ترتیب سے بعد
مرزا اسد اللہ خاں غالب ایک قصیدہ میں لکھتے ہیں۔

...تو آپ سے گر سلب کرے طاقت سیلاں | تو آگ سے گر دفع کرے تاب شرارت
ڈھونڈے نہ ملے موجہ دریا میں روانی | باقی نہ رہے آتش سوزاں میں حرارت

یہاں دوسرے شعر کا پہلا مصرع شعر اول کے مصرع اول کی جزا ہے اور دوسرا مصرع
مصرع ثانی کی۔

شمول و شرکت کے حرف

بھی نیز۔
''زید بھی آیا اور عمرو بھی۔'' ''یہ بھی لو اور وہ بھی۔'' ''نیز یہ امر قابل ذکر ہے۔'' کبھی

ایک جملے میں نیز اور بھی دونوں آجاتے ہیں۔ ایسے جملے میں عطف کا واؤ اکثر حذف ہو جاتا ہے۔

حصر وخصوصیت کے حرف

ہی۔ صرف۔ محض۔ اکیلا۔ فقط۔ نرا۔ تنہا۔ بس۔ یہی۔ خالی

(ہی) آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا خدا ہی ہے۔

(صرف) ہم صرف خدا کی عبادت کرتے ہیں۔

(محض) دنیا محض طلسم حیرت ہے۔

(اکیلا۔ فقط۔ نرا) توبۃ النصوح میں کلیم اپنے چھوٹے بھائی سے کہتا ہے۔ "اے اکیلے سر منڈانے سے کیا ہوتا ہے۔ ڈھیلا ڈھلا کرتہ پہن۔ گھٹنوں تک کا پائجامہ بنا۔ پنج آیت کے واسطے دو چار سورتیں یاد کر اور جو چاہے کہ فقط انگلی کو خون لگا کر شہیدوں میں داخل اور نرا سر منڈا کر بریانی کی دعوتوں میں شامل ہو جاؤں تو بچا ہاتھ دھو رکھو۔ گھسنا تو ملنے ہی کا نہیں۔"

(تنہا) نواب سید محمد خاں رند

پابند یہ مرغ جان تنہا نہ قفس کا ہے　　پھندا بھی تو گردن میں اک تار نفس کا ہے

(بس) مولوی نذیر احمد صاحب اپنی نسبت کہتے ہیں۔ شعر

القصہ میں عجب عبث ہیچکارہ ہوں
بس اتنے کام کا ہوں کہ لکچر دیا کروں

(یہی) ذوق

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوق
اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت

کبھی ایک بھی حصر کا کام دیتا ہے۔ جیسے حالی

رہا دین باقی نہ اسلام باقی　　اک اسلام کا رہ گیا نام باقی

اک یہاں جینے سے بیزار ہمیں ہیں یا رب
یا اسی طرح سے سب عمر بسر کرتے ہیں

فائدہ:

نثر میں ہی فاعل اور علامت اور مفعول اور علامت مفعول اور مجرور اور جار کے بیچ میں آتا ہے۔ جیسے زید ہی نے کہا تھا۔ عمرو ہی کو مارا تھا۔ مرزا غالب

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

لیکن جب ضمیر میں فاعل واقع ہو تو نے علامت فاعل پہلے آتی ہے اور ہی پیچھے جیسے "میں نے ہی دیا تھا میں نے ہی لے لیا۔"

ضمائر کے ساتھ ہی واقع ہو تو کبھی اس کی ہ حذف ہو جاتی ہے۔ جیسے اسی نے کہا تھا اسی کو کہا تھا۔ کبھی ہائے مخلوط سے بدل جاتی ہے۔ جیسے تجھی۔ مجھی کو۔ کبھی ہی یائے معروف اور نون غنہ سے بدل جاتی ہے جیسے ہمیں۔ تم کے ساتھ ایک ہائے مخلوط بھی زیادہ کرتے ہیں جیسے تمہیں۔ غالب

یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پھر یہ فرماؤ
کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

کبھی تم کے ساتھ ہی واقع ہوتا ہے تو ہی کی ہ کو صرف ہائے مخلوط سے بدل دیتے ہیں۔ جیسے تمھی۔

ہمارے زمانے کے بعض اہل زبان ہم اور تم کے ساتھ ہی آئے تو اس میں کچھ تغیر نہیں بھی کرتے اور ہم ہی اور تم ہی کہتے ہیں۔

وہ کے ساتھ ہی آئے تو ایک ہ حذف ہو جاتی ہے۔ اور کبھی نظم میں قائم بھی رہتی ہے دونوں کی مثالیں دیکھو۔ مومن

نہیں اس کے خواں سے کوئی تلخ کام　　وہی اشتہا بخشے وہ ہی طعام

اب۔ جب۔ تب۔ کب۔ سب۔ کے ساتھ ہی آئے تو ہ ہائے مخلوط ہو کر بولی جاتی ہے۔ جیسے ابھی۔ جبھی۔ تبھی۔ کبھی۔ سبھی۔

کبھی دو منفی جملوں میں ہی اس طرح استعمال کرتے ہیں۔ "نہ حامد ہی آیا نہ محمود" اور

موقع پر ہی تاکید کے لیے آتا ہے۔ ناواقف لوگ دوسرے جملے میں حرف نفی کے ساتھ ہی بھی زیادہ کر دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں نہ حامد آیا نہ ہی محمود یہ غلط ہے۔ بعض پہلے جملے ہی میں حرف نفی اور ہی کو اکٹھا کر دیتے اور یوں بولتے ہیں۔ نہ ہی حامد آیا اور نہ محمود۔ یہ بھی غلط ہے۔

قسم کے حرف

قسم۔ الف۔ ب۔ واؤ۔ سوگند

خدا کی قسم میں نے زید کو نہیں مارا۔ ع

حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

''بخدا میں نے کچھ نہیں کہا۔'' ''واللہ یہی سچ ہے۔''

خواجہ حالی ہندوستان سے ہندوستان کی شکایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

یاد ہوگا تجھ کو یہاں آئے تھے ہم کس شان سے   تجھ کو سوگند اپنے ست جگ کی بتا ایمان سے

واؤ صرف عربی لفظوں پر آتا ہے۔ اور بائے مفتوحہ صرف فارسی الفاظ پر عربی میں بائے تسمیہ مکسور ہوتی ہے۔ جیسے باللہ۔ مگر اردو میں باللہ جداگانہ نہیں بولا جاتا اس کے پہلے واللہ ضرور ہوتا ہے۔ جیسے شعر

اگر ہم سنور جائیں اتنے بگڑ کر   خدائی بدل جائے واللہ باللہ

مگر یہ ضرور نہیں کہ واللہ کے ساتھ باللہ بھی ہو۔ ایک اور لفظ بھی ہے حاشاء اللہ۔ اس کے معنی تو ہیں کہ خدا پاک ہے یعنی یہ لفظ عربی کے اعتبار سے سبحان اللہ کا ہم معنی ہے۔ مگر مواقع استعمال اردو میں مختلف ہیں۔ دلی کی عورتیں۔ جیسا کہ مولوی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں۔ ب ایسے موقع پر حاش للہ بولتی ہے۔ جس میں ایک شائبہ قسم کا بھی پایا جاتا ہے۔

تاکید کے حرف

وہ حرف جن سے کلام میں زور آتا ہے۔

ضرور۔ ضرور بالضرور۔ مقرر۔ ہرگز۔ کبھی۔ زنہار۔ بھول کر۔ کانوں کان۔ مطلق۔

مطلقاً۔ اصلا۔ سب۔ سب کے سب۔ سبھی۔ تمام۔ کل۔ کلہم۔ سراسر۔ سراپا۔ سرتاپا۔ سربسر۔ بھر۔ ہو بہو۔ بعینہ۔ مین مین۔ آپ۔ خود۔ ان میں ہرگز۔ کبھی۔ زنہار۔ بھول کر کانوں کان۔ مطلق۔ مطلقاً۔ اصلا۔ صرف نفی کی تاکید کے لیے آتے ہیں۔ حالی

تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز

مولوی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں۔

میری سنو اگر نہیں سمع قبول کر غفلت کبھی نہ کیجیو زنہار بھول کر

دوسرے مصرع میں تین تاکیدیں ہیں۔ کبھی تاکید اول ہے۔ زنہار۔ تاکید ثانی۔ بھول کر۔ تاکید ثالث۔

"دیکھنا کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔"

"میں نے محمود کو مطلق نہیں دیکھا۔" کسی سے مطلقاً بات چیت نہ کرو۔ شعر

مرے طالع کی وہ گردش ہے جس سے فلک نے بھی قرار اصلا نہ پایا

زنہار کبھی اثبات کی تاکید کے لیے بھی آتا ہے۔ مرزا غالب

اے تازہ واردان بساط ہوائے دل زنہار اگر تمہیں ہوس نائے و نوش ہے

ہو بہو اور بعینہ اور عین میں تشبیہ کی تاکید کے لیے آتے ہیں۔

کبھی لے دے کے بھی تاکید کے مقام پر آتا ہے۔ جیسے مسدس حالی

یہ لے دے کے ہے علم کا ان کے حاصل اسی پر ہے فخر ان کو بین الاماثل

آپ اور خود ضمائر کی تاکید کے لیے آتے ہیں۔ جیسے میں خود گیا تھا۔ اس نے آپ کہا تھا۔ تاکید تکرار لفظ یا جملے سے بھی آتی ہے۔ ذوق

برائی میں ہماری وہ اگر اپنا بھلا سمجھے

بُرا سمجھے بُرا سمجھے بُرا سمجھے بُرا سمجھے

بسا اوقات ماضی منفی کی تاکید میں ماضی منفی کو مکرر لاتے اور اس پر پر زیادہ کرتے ہیں جیسے ظفر

رات ہمسایوں نے اُٹھ اُٹھ کر دعائیں مانگیں شور و نالہ مرا مدھم نہ ہوا پر نہ ہوا

تاریخ

نہ سنا پر نہ سنا کیا اسی گراں گوش ہیں گل
ہو گئی نالوں سے آواز حنا دل بھاری

کبھی تاکید مزید کے لیے الفاظ تاکید بھی بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے مومن

نہ جاؤں گا کبھی جنت میں میں نہ جاؤں گا اگر نہ ہووے گا نقشہ تمہارے گھر کا سا

کبھی تاکید کے الفاظ کو آگے پیچھے کر دیتے ہیں۔ جیسے الاسلام میں ہے ۔

سر انجام پاتے نہیں کام اس بن نہیں کام پاتے سر انجام اس بن

ان الفاظ کے سوا اور الفاظ بھی بعض اوقات تاکید کا فائدہ دیتے ہیں۔ جیسے

''کیوں میاں حامد کیا صلاح ہے۔'' یہاں کیوں تاکید کے لیے آیا ہے۔ ذوق

ہے باغ جہاں میں تجھے گر ہمت حالی کر گردن تسلیم کو خم اور زیادہ

اس شعر میں لفظ اور اور زیادہ دونوں تاکید کے لیے آئے ہیں۔

تنبیہ کے حرف

جو دھمکانے اور خبردار کرنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔

ہیں۔ ہوں۔ ہاں۔ دیکھ۔ دیکھو۔ دیکھا۔ سن۔ سنو۔ سنو تو سہی۔ خبردار۔

''ہیں یہ کیا کیا'' ہوں یہ کیا کرتے ہو'' یہ دونوں لفظ کبھی مکرر بھی آتے ہیں۔ جیسے ایک شاعر اپنے دل سے کہتا ہے۔

ہیں ہیں یہ کیا تجھے دل غمناک ہوگیا جل بھن کے اس طرح سے جو تو خاک ہوگیا

زائل یہاں تک اب ترا ادراک ہوگیا گستاخ اتنا ایسا تو بے باک ہوگیا

چاہا بُرا جہان کا یہ تو نے بُرا کیا
منہ پیٹ دونوں ہاتھ سے ظالم یہ کیا کیا

مرزا غالب

ہاں کھائیو مت فریب ہستی ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

حالی

کل کبک سے چمن میں یہ کہتا تھا ایک زاغ دیکھ اس خرام ناز پہ اتنا نہ کر دماغ

مثنوی فریاد داغ

دیکھو نواب میرزا دیکھو دیکھو اپنا بُرا بھلا دیکھو

"دیکھنا کسی کو خبر نہ ہو۔" بیت

سن کوئی ہزار کچھ سنائے کیجیے وہی جو سمجھ میں آئے

مولوی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں۔

پڑے کیا ہو سید کے مذہب کے پیچھے سنو جی یہ کافر سہی بلکہ اکفر

ولے گر کہے دنیوی فائدے کی تو کیا ضد سے کرلو گے نقصاں سراسر

مصرع

کرو نہ اہل وفا پر جفا سنو تو سہی

کسی کو کسی امر مذموم سے روکتے ہیں تو کہتے ہیں خبردار پھر ایسا کیا ہوگا تو تو جانے گا۔

خیر کا لفظ بھی کبھی دھمکی کے طور پر بولا جاتا ہے۔ جیسے "خیر سمجھا جائے گا۔"

مثال کے حرف

وہ حرف جو کسی ایسے جملے پر آئیں۔ جو بطور مثال کسی امر کے بیان کیا جائے۔

مثلاً جیسے:

یہ حرف اس کتاب میں تم جا بجا دیکھتے ہو۔ کسی اور مثال کی حاجت نہیں۔

تشبیہ کے حرف

جن الفاظ سے ایک چیز دوسری چیز جیسا ہونا ظاہر ہو وہ تشبیہ کے حرف ہیں۔

سا۔ کا سا۔ ایسا۔ ویسا۔ جیسا۔ جو۔ جمع اور مونث میں سے۔ سی۔ کے۔ سے۔ کی۔ سی۔ ایسے۔ ایسی۔ ویسے۔ ویسی۔ جیسے۔ جیسی ہو جاتے ہیں) جوں۔ مانند۔ طرح۔ گویا۔ یوں۔ اس طرح ہے۔ بعینہٖ۔ ہو بہو۔ عین مین۔ غالب

کوئی مجھ سا نہیں زمانے میں شاعر نغز گو و خوش گفتار

شعر

روئے پھوٹ پھوٹ کے پاؤں کے آبلے　　　نالہ سا ایک سوئے بیابان بہ گیا

پہلے شعر میں سا مانند کے معنوں میں آیا ہے۔ دوسرے میں گویا کے ذوق

ہوا حمد خدا میں دل جو مصروف رقم میرا　　　الف الحمد کا سا بن گیا گویا قلم میرا

حالی

جیسا نظر آتا ہوں نہ ایسا ہوں میں　　　اور جیسا سمجھتا ہوں نہ ویسا ہوں میں

جوش

رونے کے لیے ہوں آفریدہ　　　ماتم کدۂ جہاں میں جوں ابر

"زمین گیند کی مانند☆ (یا طرح) گول ہے۔" مومن

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا　　　جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

پیری میں ہو گیا یوں اس دل کا داغ ٹھنڈا　　　جس طرح صبح ہوتے کر دیں چراغ ٹھنڈا

شعر

ہوا پہ دوڑتا ہے اس طرح سے ابر سیاہ　　　کہ جیسے جائے کوئی فیل مست بے زنجیر

حامد بعینہٖ یا ہو بہو یا عین مین محمود ہے۔

بعینہٖ اور ہو بہو جب کسی حرف تشبیہ کے ساتھ آتے ہیں تو تاکید کا کام دیتے ہیں۔

جیسے ذوق

میں ہوں چکر میں لگی جس دن سے دنیا کی ہوا　　　حال میرا ہے بعینہٖ آسیائے باد کا

یہاں سا حرف تشبیہ محذوف ہے۔

ایک ہم رنگ مجنوں کہتا ہے۔ شعر

کھنچی دیکھی جو کل تصویر مجنوں　　　تو گویا بیٹھے ہیں بس ہو بہو ہم

☆ مانند اور طرح اضافت کے ساتھ مستعمل ہیں۔

استفہام کے حرف

جو پوچھنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں

کیا۔ آیا۔ کیوں۔ کاہے کو۔ کیونکر۔ کس طرح سے۔ کس واسطے۔ کس لیے۔ بھلا۔ وغیرہ۔

کیا نثر میں ہمیشہ ابتدائے کلام میں آتا ہے۔ ''کیا تم نے زید کو مارا'' آیا یہ کام خالد نے کیا یا کسی اور نے۔ ''اس نے میرا کہا کیوں نہ کیا''۔

کاہے کو۔ کیوں کے معنوں میں آتا ہے۔ شعر

کاہے کو میر کوئی دبے جب بگڑ گئی
باہم سلوک تھا تو اٹھاتے تھے نرم گرم

مصرع

تم نے اتنا بھی نہ پوچھا کیا ہوا کیونکر ہوا

کیسے۔ کیوں اور کیونکر۔ دونوں کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے شعر

بہار آئی گریبان تار تار کریں
یہ ہاتھ کیسے ہیں بیکار کچھ تو کار کریں

دیکھیے اٹھتا ہے یا رب یہ جنازہ کیسے
بار عصیاں سے ہوا ہے مرا مردہ بھاری

کس سوچ میں بے حواس سے ہو؟
کس واسطے کچھ اوداس سے ہو؟

غالب

لوح جہاں پہ حرف مکرر نہیں ہوں میں
یا رب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے

نظم میں کیونکر کی جگہ کیونکہ بھی آتا ہے۔ مگر بہت کم۔

ایں بھی مقام تعجب میں استفہام کے لیے آتا ہے۔ جیسے ''ایں ایسی جلدی؟ اور کبھی صرف استفہام کی تاکید کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے ''ایں کیا ٹوپی کے بدلے چنے لے کھائے؟'' ایں کی جگہ ہیں بھی آتا ہے۔

کبھی تحقیر کے مقام پر خاک کا لفظ استفہام کا کام دیتا ہے۔ رند

مآل مال دنیا خاک غیر از یاس وحسرت ہے
دفینے گاڑ کر قبروں میں آخر گڑ گئے منعم

مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں؟
زندگی زندہ دلی کا ہے نام

حروف استفہام کے علاوہ اسمائے استفہام بھی آتے ہیں جن کا ذکر حصہ اول میں گزر چکا۔

استفہام کی قسمیں:

استفہام تین قسم کا ہوتا ہے۔

اول اقراری جیسے ''اگر یہ اس کی نادانی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے۔'' (یعنی یہ اس کی نادانی ہی کا تو نتیجہ ہے۔)

دوسرے انکاری جیسے ''زید نے یوں کب کہا ہے۔'' (یعنی یوں نہیں کہا) شعر

کرتا ہے ابر اپنا لہو پانی ایک کیوں　　کب رو سکے گا دیدۂ خونبار کی طرح؟

یعنی دیدہ خونبار کی طرح نہیں رہ سکے گا۔

تیسرے استخباری۔ جیسے ''تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟'' ''حامد کون شخص ہے؟''

فائدہ:

کیا کبھی تعجب وعظمت اور مبالغہ وکثرت کے لیے آتا ہے۔ جیسے ''کیا بھینی بھینی خوشبو ہے۔'' ''کیا جادو بیان شخص ہے۔'' ''کیا خوش قلم ہے۔''

کبھی حقارت کے لیے۔ جیسے ''زید کیا آدمی ہے۔'' ''وہ کیا چیز ہے۔''

غالب

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے　　تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

ذوق

سیراب نہ ہو جس سے کوئی تشنہ مقصود　　اے ذوقؔ جو وہ آب بقا بھی ہے تو کیا ہے

کبھی مساوات کے لیے۔ ایسی حالت میں تکرار ضرور ہے۔ جیسے ''کیا بادشاہ اور کیا فقیر سب موت سے ناچار ہیں۔''

کبھی نہی کے لیے۔ جیسے ''کیا شور مچا رکھا ہے۔''

کبھی نفی کے لیے جیسے شعر

کیا جانے ہم زمانے کو حادث ہے یا قدیم　　کچھ ہو بلا سے اپنی کہ ہیں فانیوں میں ہم

کبھی تذلل وانکسار کے لیے۔ جیسے

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہو گا ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہو گا

یعنی ہماری ہستی اور حقیقت کیا ہے۔

کبھی طنزاً کہتے ہیں۔ غالب

واعظ نہ خود پیو نہ کسی کو پلا سکو کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

کبھی شاعر ولولہ دل ظاہر کرتا ہوا کہتا ہے۔

صدمے گزرے ایذا گزری ہجر میں تیرے کیا کیا گزری

کس سے کہیے کون سنے گا کیا کیا گزرا کیا کیا گزری

کبھی بجھے دل سے کہتا ہے شعر

کیا ماجرا لکھوں میں کہ تاب رقم نہیں ہیں نالہ ہائے صور صریر قلم نہیں

کبھی کیا۔ کیوں کے معنی دیتا ہے۔ شعر

رات دن چکر میں ہیں سات آسماں ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

مقدار کے حرف

مقدار کے حرف وہ ہیں جو اندازہ و مقدار کے لیے استعمال کیے جائیں۔ جیسے اتنا سبق پڑھو جتنا یاد کر سکو۔ یہاں اتنا اور جتنا حروف مقدار ہیں۔

اِتنا۔ اُتنا۔ کتنا۔ جتنا۔ جو جمع اور مونث میں اتنے۔ اتنی۔ اتنے۔ اتنی۔ کتنے۔ کتنی۔ جتنے۔ جتنی۔ ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے کتنا۔ کتنے۔ کتنی۔ کلمات استفہام بھی ہیں جو استفہام مقداری یا عددی کے موقعے پر بولے جاتے ہیں۔

اس قدر۔ اُس قدر۔ کس قدر۔ جس قدر۔ اسی قدر۔ کسی قدر بھی الفاظ مقدار ہیں۔

مقتول

اس قدر دل سے کیا نقش دوئی کو میں نے محو میں دم نظارہ یکتا دیدہ احوال میں ہوں

کبھی یہ اور یہاں تک بھی اس قدر کے معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے مومن

یہ انفعال گنہ سے میں آب آب ہوا کہ میرا کاسہ سر کاسہ حباب ہوا

یعنی گناہ کی ندامت سے میں اس قدر پانی پانی ہوا۔ مقتول

ہوں یہاں تک اے دل وحشی تہ افلاک تنگ   میں مثال مغز گویا دانۂ خردل میں ہوں

حروف ندا

جو پکارنے کے لیے بولے جاتے ہیں۔

اے۔ یا۔ او۔ ہوت۔ ارے۔ بے۔ ابے۔ ارے او۔ ابے او۔ رے۔ اجی۔ الف۔

نواب سید محمد خاں رند۔

سب سے بیگانہ ہے اے دوست شناسا تیرا   حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا
یا رب تری جناب میں کب التجا نہ تھی   کس دن زبان رات کو صرف دعا نہ تھی
یا خضر آپ ہی نے یہ کشتی ڈبوئی ہے   جان حزیں یقین ہوا دل نے کھوئی ہے
جھپکی نہیں آنکھ مصحفی کی   شاہد رہیو تو او شب ہجر

او بیشتر مقام تحقیر☆ میں بولا جاتا ہے اور کسی صفت کے ساتھ جیسے ''او بے رحم'' ''او نالائق'' ناسخ

دمبدم چیں بر جبیں ہوتا ہے مجھ پر کس لیے   آب آئینہ میں او ظالم بھلا کیا کار موج

کبھی اس لفظ سے ایسے شخص کو بھی خطاب کرتے ہیں جس کو نہایت عزیز سمجھتے ہیں جیسے استاد

میں نام ترا لے لے دن رات جو چلاؤں   او سنتے ہوئے بہرے کیونکر نہ گلا بیٹھے

☆ حکایت) ایک آدمی کو کھٹملوں نے رات بھر سونے نہ دیا۔ یہ شخص بے قرار ہو کہ خدا سے دعا مانگنے لگا کہ اے خدا اس عذاب کو دفع کر کھٹمل کب دعا کو مانتے تھے۔ کاٹتے کاٹتے سجا دیا۔ تب یہ پاجی کھٹملوں پر تو زور نہ چلا خدا سے کہنے لگا کہ اے خدا تو نے اس ذرا سے کام میں میری مدد نہ کی تو بڑے کاموں میں تو کیا میری مدد کرے گا۔ جواب ملا کہ ہاں او بے ایمان جب تو چھوٹی چھوٹی باتوں میں بے قرار ہو کر مجھ کو بلاتا ہے اور اپنے ہاتھ نہیں ہلانا چاہتا تو بڑے کاموں میں بھی تیری فریاد نہیں سنی جائے گی۔ تجھ کو اتنی ''قدرت حاصل ہے کہ کھٹملوں کو دفع کرے اور تو اس قدرت کو کام میں نہیں لاتا''

ہوت میاں یا اجی کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے ''میاں ہوت'' ''اجی ہوت'' اس لفظ کو
خواص استعمال نہیں کرتے۔ شعر میں مطلق نہیں آتا۔

ارے یا تو کم رتبہ شخص کے لیے بولا جاتا ہے یا بے تکلف دوستوں میں جیسے ''ارے
احمق'' ''ارے بے وقوف'' ''ارے میاں'' فصحا اس لفظ کو بہت کم بولتے ہیں۔

بے اور ابے خوار اور ذلیل شخص کے حق میں بولے جاتے ہیں جیسے ''سن بے'' ''ابے
پاجی'' ''ارے او۔ اور ابے او بھی مقام تحقیر میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ مصرع

ادھر آ بے ابے او چاک گریباں والے

اس مصرع میں دو حروف ندا اکٹھے استعمال کیے گئے ہیں۔

رے۔ یہ بہت کم بولا جاتا ہے۔ شعر

اللہ رے تیری بے نیازی یعقوب کو مدتوں رلایا

اجی اکثر بزرگ آدمی کے حق میں بولتے ہیں جیسے ''اجی حضرت'' ''اجی قبلہ'' ''کبھی
ازراہ'' بے تکلفی اپنے سے چھوٹے شخص کے حق میں بھی بول لیتے ہیں۔

الف لفظ کے آخر آتا ہے اور بیشتر اس کا استعمال نظم میں ہے۔ ذوق

آج ہے بلبل تصویر تلک زمزمہ سنج خسرو سُن کے ترا مژدہ جشن نو روز

ناسخ

کون کرتا ہے بتوں کے آگے سجدہ زاہدا سر کو دے مار کر توڑیں گے بت خانہ کو ہم

مثل جرس ہے ہر زرہ درائی عبث دلا دنیا سے کر گئے ہیں مرے ہمزبان کوچ

فائدہ:

ہوت اور الف ندا کے سوا تمام حروف منادی سے پہلے آتے ہیں۔

فائدہ:

بعض الفاظ بحذف حرف ندا مستعمل ہیں جیسے قبلہ۔ جناب غریب پرور۔ حضور وغیرہ۔

جواب یا ایجاب کے حرف

کوئی پکارے تو اس کے جواب میں یا کسی بات کے اقرار کرنے میں جو الفاظ بولے جائیں وہ جواب یا ایجاب کے حرف ہیں۔

ہاں۔ جی۔ بھلا۔ اچھا۔ بہت اچھا۔ ٹھیک۔ واقعی۔ درست۔ بجا۔ کیوں نہیں

ہاں اور جی ندائے قریب کے جواب میں بولے جاتے ہیں۔ بھلا۔ ندائے بعید کے جواب میں مقام ادب میں ہاں کے پہلے جی لگاتے ہیں اور جی ہاں کہتے ہیں۔ ہاں سوال کے جواب میں بھی آتا ہے۔ اچھا اور بہت اچھا امر یا نہیں کے قبول میں ٹھیک واقعی۔ درست۔ بجا۔ متکلم کی تصدیق کے لیے۔ بیت

ہر اک بات پر واں درست اور بجا ہے   ہر اک بول پر اُن کے مجلس فدا ہے

کیوں نہیں۔ ایجاب نفی کے لیے یعنی کلام منفی کے جواب میں جس میں استفہام ہوتا ہے جیسے خدا نے ارواح سے فرمایا۔ "کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کیوں نہیں۔ دیکھو۔ کیوں نہیں سے خدا کے پروردگار نہ ہونے سے انکار یعنی پروردگار ہونے کا اقرار کیا گیا ہے۔

یہ لفظ عام طور پر بھی استفہام کے جواب میں آتا ہے۔ خواہ کلام منفی ہو یا مثبت جیسے "زید تم سیر کو نہیں چلو گے؟" "کیوں نہیں"۔ "آپ بھی چلیے گا؟" "کیوں نہیں"۔

ندبہ و تاسف کے حرف

جو افسوس کے مقام پر بولے جائیں۔

ہائے۔ ہائے ہائے۔ ہائے رے۔ وائے۔ اے وائے۔ ہے ہے۔ آہ۔ افسوس۔ حیف۔ دریغ۔ دریغا۔ ہیہات۔ وامصیبتا۔ واحسرتا۔ غالب

لے گیا تھا گور میں ذوق تن آسانی مجھے   ہائے واں بھی شور محشر نے نہ دم لینے دیا

تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے   تیرے دل میں گر نہ تھا آشوب غم کا حوصلہ

ذوق

...ے رے حسرت دیدار مری ہائے کو بھی — لکھتے ہیں ہائے دوچشمی سے کتابت والے
...نہ ہوں عقدے کبھی جوں غنچہ تصویر دا — وائے قسمت وہ ہمارے عقدہ مطلب بنے
...ن وقت اے وائے گزرا جی کو گھبراتے ہوئے — موت آتی ہے اہل کو یاں تلک آتے ہوئے

گلزار نسیم

...ہے مرا پھول لے گیا کون — ہے ہے مجھے داغ دے گیا کون

مقتول

...ں ہم کو کر دیا تیرے غبار دل نے آہ — حیف ہے ظالم تجھے اب تک صفا پائے نہیں

صفدر

...ت میں گزر گئی جوانی افسوس — کچھ قدر شباب کی نہ جانی افسوس
...ولولے اب خزان پیری میں کہاں — افسوس بہار زندگانی افسوس

حالی

...ن اپنا ہو گیا سودائے مال و جاہ حیف — حرص نے طعمے کی شیروں کو کیا روباہ حیف

مومن

...مہر جلوہ زیر زمیں اے فلک دریغ — گردوں نشیں ہو خاک نشیں اے فلک دریغ

مولوی نذیر احمد

...ب اس☆ کی یہ نوبت ہوئی ہے دریغا — گف دست میدان ہے جیسے کلر

(☆ باغ اسلام کی ۱۲)

رباعی

کچھ فکر مآل کار ہیہات نہیں — اندیشہ ماقبی☆ و مافات نہیں

(☆ اصل میں مابقی بکسر قاف فتح یا ہے مگر تصرف کر کے ماقبی بولتے ہیں ۱۲)

...کیا صبح و مسا زیست کٹی جاتی ہے — مقراض حیات ہیں یہ دن رات نہیں

مومن

...پھولوں کو جس کی بو نے ملایا تھا خاک میں — ہے اس کی خاک وقف سمن وامصیبتا

توبۃ النصوح میں ہے "تب یہ دوسرا صدمہ نصوح کے دل پر ہوا کہ واحسرتا میں تو تباہ ہوا

ہی تھا میں نے ان تمام بندگان خدا کی بھی باٹ ماری۔'' (رستہ کھوٹا کیا۔)

ہائے کی طرح حیف اور افسوس وغیر بھی مکرر آتے ہیں۔ ع

گردش چرخ حیف حیف دور زمانہ ہائے ہائے

تو جائے تو کیوں نہ آئے افسوس   افسوس افسوس ہائے افسوس

ظرفیت کے حروف

وہ حروف جو مقام ظرفیت میں بولے جائیں۔

ہاں۔ یہاں۔ وہاں۔ یاں☆۔ واں☆ کہاں کہاں۔ جہاں۔ جہاں جہاں۔ یہیں۔ وہیں۔ ☆☆ کہیں۔ اِدھر۔ اُدھر۔ جدھر۔ کدھر۔ ظرف۔ مکاں کے لیے آتے ہیں۔ اور اب۔ جب۔ کب۔ تب۔ ابھی۔ ابھی ابھی۔ جبھی۔ تبھی۔ کبھی۔ کبھی۔ ظرف زماں کے لیے۔ ان میں سے کہاں۔ کہاں کہاں۔ کدھر۔ کب زیادہ تر استفہام کے لیے آتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض حرف جیسے جہاں۔ جہاں جہاں۔ جدھر اور جب حرف موصول وحرف شرط وغیرہ بھی ہیں۔ جیسا کہ بیان ہو چکا۔

''کل مولوی صاحب میرے ہاں تشریف لائے تھے۔'' ''یہاں کیا رکھا ہے۔'' ''میں وہاں نہیں گیا۔''

یہاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب ہیں   واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

جہاں گیا میں گیا دم لے کے واں صیاد   پھرا تلاش میں میری کہاں کہاں صیاد

میں وہ نہیں کہ تم ہو کہیں اور کہیں ہوں میں   میں ہوں تمہارا سایہ جہاں تم وہیں ہوں میں

''آپ یہیں ٹھہریئے گا۔'' ''میں مدت سے وہیں رہتا ہوں۔'' ''اس کا کہیں نشان نہیں ملتا۔'' ''ادھر آؤ۔'' ''ادھر مت دیکھو۔'' ''خدا جانے زید کدھر گیا۔'' شعر

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے   مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

☆ یہ الفاظ صرف نظم میں آتے ہیں۔

☆☆ نہیں اور و میں اصل میں یہاں ہی اور وہاں ہی ہے۔

''اب کیا ہے۔'' ''جب یا تب تو سب کچھ تھا۔'' ''معلوم نہیں ایسا کب ہوا۔'' ''ابھی کچھ نہیں بگڑا۔'' ''میں ابھی ابھی آتا ہوں۔''

تم نے جبھی یا تبھی، کیوں نہ کہہ دیا۔'' ''اس نے کبھی ایسی حرکت نہیں کی۔'' ''کبھی کبھی تو ملا کیجیے۔''

کبھی اور کبھی کبھی کے ہم معنی فارسی الفاظ گاہے اور گاہے گاہے بھی اردو میں مستعمل ہیں۔ جرأت

سرسری ان سے ملاقت ہے گاہے گاہے ۔۔۔ صحبت غیر میں گاہے سر راہے گاہے

اس جگہ۔ اُس جگہ۔ کس جگہ۔ کس کس جگہ۔ جس جس جگہ۔ اُسی جگہ اسی جگہ۔ کسی جگہ اس طرف۔ اُس طرف۔ اسی طرف۔ اُسی طرف۔ جس طرف۔ کس طرف۔ کس طرف۔ اس وقت۔ اُس وقت۔ اسی وقت۔ اُسی وقت وغیرہ بھی الفاظ ظرفیت ہیں۔

حرف تفسیر

جس سے کسی لفظ کے معنی یا کسی کلام کا مطلب کھول کر بیان کریں۔

یعنی

''اسراف یعنی فضول خرچی نہایت مذموم ہے۔'' غالب

دیوانگی سے دوش پہ زنار بھی نہیں ۔۔۔ یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں

حروفِ تفریع

جب کلام سابق سے کوئی امر مستنبط کریں یا نتیجہ نکالیں تو جو حرف کلام مستنبط یا جملہ نتیجہ پر لاتے ہیں وہ حروف تفریع ہیں۔

تو۔ پس (پس فارسی لفظ ہے اور جس طرح فارسی میں مستعمل ہے اسی طرح اردو میں بولا جاتا ہے۔)

''تو اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ'' ''پس ثابت ہوا کہ......''

حروف تفریع جملے کے شروع میں آتے ہیں۔

تسلسل کلام کے حرف

وہ حرف جن سے کلام مابعد کو کلام ماسبق سے مسلسل و مربوط کریں۔
تو۔ سو۔ یہ حرف اکثر لمبی لمبی عبارتوں میں آتے ہیں۔

شک وظن کے حرف

جن سے کسی بات کے ہونے یا نہ ہونے میں شک ظاہر کریں۔
شاید۔ مگر۔ اسیر

باندھی ہے سب نے زیر فلک جھوٹ پر کمر   شاید بگڑ گیا ہے کہیں ماٹ نیل کا
مومن

بیچارہ بے قرار ہے درماں کی فکر میں   آگاہ میرے حال سے مشفق مگر نہیں

ظن غالب کے حرف

وہ حرف جن سے ایسا شک پایا جائے جو یقین کے قریب ہو۔
غالباً۔ ہو نہ ہو۔ میر تقی

پھر نہ آئے جو ہوئے خاک میں جا آسودہ   غالباً زیر زمین میر ہے آرام بہت
"ہو نہ ہو یہ تمہارا بھائی ہے۔"

ہو نہ ہو کا لفظ تحقیق کے معنوں میں بھی بولا جاتا ہے۔ اس لیے ہم اس کو کلمات تحقیق میں بھی لکھیں گے۔

تنبیہ:

بعض لوگ غالباً کے قیاس پر اغلباً کہتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ کیونکہ عربی کا کوئی لفظ جو افعل کے وزن پر ہو منون نہیں ہو سکتا۔

کلمات تحقیق و یقین

بے شک۔ بلا شک۔ بے گمان۔ یقیناً۔ قطعاً۔ ہو نہ ہو۔ ضرور۔ لا جرم۔ تحقیق۔ مقرر۔

ـ لامحالہ۔

"بے شک خدا نیکوکاروں کو نیک بدلا دے گا۔" بیت

کی خدا نے جو یہ زبان عطا ہے بلا شک عطیۂ عظمیٰ

مقتول

کہ طبع شعرا بحر رواں ہے مقتول بے گماں میں بھی اک ان میں دریک دانہ ہوں

"تمہارا قول یقیناً صحیح ہے۔" "میں نے قطعاً نہیں کہا۔" "یہ بشر تو نہیں ہو نہ ہو ایک معزز

شتہ ہے۔" (ترجمۃ القرآن مولوی نذیر احمد)

"ہر ایک جاندار کو مرنا ضرور ہے۔" توبۃ النصوح میں ہے۔ "ایک بیٹا اور ایک بیٹی تو

عمر کے ہیں اور بیاہے جا چکے ہیں اور لاجرم ان کی عادتیں راسخ ان کی خصلتیں کالطبیعة

تحقیق یا مقرر خدا بخشنے والا ہے۔"

تحقیق اور مقرر اور البتہ کا استعمال عام بول چال میں کم ہوتا جاتا ہے۔ مولوی نذیر احمد

احب اپنے ایک لکچر میں لکھتے ہیں "جب کشف الصدور☆ کا یہ حال ہے تو کشود کار پر بھی

محالہ قادر ہوں گے۔"

☆ یہ فقرہ ایک حکایت میں کا ہے جو مولوی صاحب نے پیراں نمی پرند مریداں می پرانند کی تشریح کرتے ہوئے بیان کی ہے۔ چونکہ یہ حکایت لفظاً و معنی نہایت دلچسپ ہے۔ اس لیے ہم بنا بر تفریح طبع ناظرین اس کو یہاں نقل کرتے ہیں۔

حکایت۔ کسی پلٹن میں سے ایک کمپنی کی کمپنی کے نام کاٹ دیئے گئے۔ یہ غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے کی بات ہے۔ ان دنوں مسلمانوں کی پلٹنوں میں ایک ملا قرآنی بھی ہوا کرتے تھے۔ مجھ کو معلوم نہیں کہ وہ خدمت سرکاری تھی یا نہیں۔ مگر سرکاری تو کیا ہوگی۔ ملا صاحب اپنے طور پر نمازی سپاہیوں کی امامت کروایا کرتے اور مسئلے مسائل بتا دیا کرتے ہوں گے۔ غرض جس طرح گوروں کا پادری ہوا کرتا ہے اور سرکار سے تنخواہ پاتا ہے۔ اسی طرح ملا قرآنی مسلمانوں کے پادری ہوا کرتے تھے اور مذہبی خدمات ان سے متعلق تھیں۔ لوگ اپنے طور پر ان کے گزر اوقات کا انتظام رکھتے ہوں گے خیر تو جب اس کمپنی کا نام کٹ گیا تو ان کے ساتھ ملا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حروف مفاجات

جن حروف سے کسی امر کا ناگہاں اور یکبارگی اور اتفاقاً واقع ہونا ظاہر ہو وہ حروف مفاجات ہیں۔

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)
قرآن بھی پلٹن سے نکال دیئے گئے۔ مگر یہ تھے بڑے چلتے پرزے انہوں نے سپاہیوں کو تسکین دی کہ نام کٹ جانے کی مطلق پروا نہ کرو۔ میں ایسے بہت ہنر جانتا ہوں کہ تم سب کے سب زیادہ نہیں دو تین ہی برس میں امیر ہو جاؤ اور تمہاری نظر میں صوبہ داری کی بھی کوئی حقیقت باقی نہ رہے۔ یہ سن کر سپاہی ملا صاحب کے گرداگرد اس طرح سمٹ آئے جس طرح سنٹر پر ہتھیار لینے کے لیے جمع ہو جاتے ہیں تب ملا صاحب نے آہستگی سے راز کے طور پر اپنا منصوبہ ظاہر کیا کہ ہم میں سے ایک تو بنے فقیر مجذوب اور باقی اس کے مرید و معتقد۔ ملا صاحب نے یہ بھی کہا کہ اگرچہ فقیر بننے کی مجھ کو سب سے زیادہ قابلیت ہے۔ لیکن پیر بننا آسان ہے اور مرید بننا مشکل یعنی پریدن آسان ہے اور پرانیدن مشکل۔ یہ کہہ کر ایک شخص کو متعین کیا جو آسانی سے مجذوب کی صورت بنا سکتا تھا اور اس کو سمجھا دیا کہ تم مطلقاً کسی سے بات چیت نہ کرو۔ یہاں تک کہ ہم لوگوں سے بھی نہیں اور رات کے وقت ہم سب جمع ہو کر اگلے دن کا پروگرام تجویز کر لیا کریں گے۔ چنانچہ وہ شخص شاہ خاموش بنا اور اس نے نہ بولنے کا عہد کیا اور یہ ساری کمپنی اس کے ساتھ ہوئی وہ شاہ صاحب کسی جگہ تنہا بیٹھ جاتے اور یہ لوگ ان سے دور دور رہتے۔ عوام کے دلوں میں فقیروں کی بھی ایک طرح کی ہیبت بیٹھی ہوئی ہے۔ کوئی شخص شاہ صاحب کے پاس جانا چاہتا تو پہلے ان کے حواشی سے معرفت پیدا کرتا اور حواشی بڑی شد و مد کے ساتھ شاہ صاحب کی کرامات اور خوارق عادات کا اس پر اظہار کرتے کوئی کہتا کہ میں فلاں پلٹن کا صوبہ دار تھا۔ ایک مرتبہ اتفاق سے شاہ صاحب کی مجھ پر نظر پڑ گئی اور میں نہیں جانتا کہ کس بلا کی کشش ہے کہ نہ تو میں نے انجام سوچا اور نہ کسی سے کچھ کہا سنا۔ پس وہ وقت اور آج کا وقت حاضر خدمت ہوں اور شبانہ روز عجیب عجیب کرشمے دیکھتا ہوں۔ مرشد کے قدموں میں رہتے ہوئے مجھ کو دسواں برس ہے ایک بار ارشاد ہوا کہ جا بچہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ناگہاں، ناگاہ، اچانک، دفعتہً یک لخت، ایک دم سے۔ ایک بار۔ ایک بارگی۔ اتفاقاً۔ یکا یک۔ یک بیک۔ کہ جو وغیرہ مصرع

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

گھر والوں سے یاد اللہ کرآ اور چلتے وقت ایک بدھنی میں چند کوڑیاں ڈال کر تبرک عنایت ہوا تھا وہ میں گھر والی کے حوالے کر آیا تھا کہ اس کے اندر جو کچھ بھی ہے اس کو نہ تو دیکھنا اور نہ شمار کرنا اور جب خرچ کی ضرورت ہو مرشد کا نام لے کر نکال لیا کرنا تب سے گھر والوں نے کبھی خرچ کی تنگی کی شکایت نہیں کی اور سوا اس بدھنی کے اور کوئی آمدنی نہیں۔ ملا قرآنی نے اس طرح کی گھڑی ہوئی اور بنائی ہوئی کتنی حکایتیں ساتھیوں کو یاد کرا دی تھیں کہ کیسا ہی سیانا آدمی ہوتا بے پھنسے نہ رہتا۔ شروع شروع میں ان لوگوں کو کسی قدر تکلیف پہنچیں اور سب لوگ رات کے وقت ملا قرآنی کے سر ہوتے تھے کہ کمبخت تو نے ہم کو گھر میں نہ جانے دیا اور ملا صاحب ان کی تسلی کر دیا کرتے تھے کہ گھبراؤ نہیں۔ عنقریب سب در در چاک ہوئے جاتے ہیں۔ چلتے چلتے یہ لوگ لکھنو پہنچے اور ان کی شہرت کی لین ڈوری ان سے آگے آگے چلتی تھی۔ یہاں تک کہ کسی کی تقریب سے آغا خانیوں کے امام باڑے میں ان کو جگہ مل گئی اور آغا میر نے ایک بڑی عالی شان عمارت میں شاہ صاحب اور ان کے حواشی کے رہنے کے لیے ان کی فرمائش کے مطابق مکانات بنوا دیے۔ جب خود شاہ صاحب کے لیے مکان کی تجویز ہونے لگی تو مریدوں نے کہا کہ حضرت تو کسی مکان میں رہنے والے ہیں نہیں۔ تحت السما پر رہنا پسند فرماتے ہیں اور گرمی برسات جاڑہ کوئی موسم ہو کھلے میدان میں بیٹھے رہتے ہیں اور آپ دیکھ لیں گے کہ ساون بھادوں میں سب طرف پانی برستا ہو گا اور شاہ صاحب کی جگہ پر پھوار کبھی برسے اور کبھی نہ برسے۔ تمام جاڑے برہنہ رہتے ہیں اور ہم نے تو کبھی رونگٹا بھی کھڑے ہوتے نہیں دیکھا اور یوں لوگ دو شالوں کو گٹھریاں چھوڑ چھوڑ جاتے ہیں۔ حضرت کبھی نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ لیکن ان تمہیدات کے بعد آغا میر کے اسرار سے شاہ صاحب کے لیے وسط باغ میں ایک بارہ دری بنی اور شاہ صاحب اس میں فروکش ہوئے یعنی مریدوں نے منت سماجت سے ان کو وہاں بٹھا دیا اب پیراں نمی پرند مریداں می پرانند کا وقت آیا تو اس پیر گر ملا قرآنی نے تمام انسانی ضرورتوں کو بارہ مددوں میں تقسیم کیا اور بارہ دری کے ہر ایک دروازے کو ہر ایک مد کے ساتھ نامزد کر دیا اور شاہ صاحب کو شب کے وقت سمجھا دیا کہ لوگ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ناگہاں غیب سے ندا آئی

بت سے مطلب تھا نہ کچھ کام تھا الفت سے ہمیں — دفعتہً پڑ گئے آفت میں خدایا کیسے

''زمانے کا رنگ یک لخت بدل گیا۔'' ''دل لشکر ظفر پیکر نے ایک دم سے دھاوا کر دیا۔''

مثنوی گلزار نسیم

برہم ہوئی بزم اٹھے سب ایک بار — برخاست کا تھا وہ رخصتی ہار

اتفاقاً اپنا آنا ہو گیا — جائے بودن تو نہ تھی دنیائے دوں

مولوی محمد حسین صاحب آزاد خواجہ حیدر علی آتش کی وفات کا حال لکھتے ہیں کہ ۱۲۶۲ ہجری میں ایک دن بھلے چنگے بیٹھے تھے۔ یکایک ایسا موت کا جھوکا آیا کہ شعلے کی طرح بجھ کر رہ گئے۔''

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

انہیں دروازوں سے سلام کے لیے حاضر ہوں گے اور ہم ان کا مطلب معلوم کر کے ان سے کہہ دیا کریں گے کہ وہاں فلانے دروازے سے جانا۔ آپ اپنی بڑ میں اتنا ضرور اشارہ کر دیجیے گا کہ یہ شخص کس مطلب سے آیا ہے باقی ہم سمجھ لیں گے۔ آغا میر کے یہاں اس گروہ کے ٹھہرنے کی خبر مشتہر ہوئی تو شہر کی خلقت اس قدر ٹوٹی کہ دن رات ایک میلہ لگا رہتا تھا اور شا صاحب کے حواشی کے لیے بدون کوئی جا نہ سکتا تھا۔ یہ چکنی چپڑی باتوں سے گرویدہ کرتے اور بمشکل شاہ صاحب تک جانے کی اجازت دیتے مگر اس خاص دروازے سے جو اس مطلب کے لیے نامزد کر رکھا تھا۔ یہ شخص ڈرتے ڈرتے دبے پاؤں بارہ دری تک پہنچتا اور باب الحاجت پر دستک دیتا۔ شاہ صاحب تگ بے تگ جو کچھ جی میں آتا کہہ دیتے مگر اس کے مطلب کا اشارہ ضرور ہوتا۔ تھوڑے ہی دنوں میں شاہ صاحب کی یہ کرامت تو سب پر ظاہر ہوگئی کہ کشف الصدود میں تو بڑی دستگاہ رکھتے ہیں اور جب کشف العدود کا یہ حال ہے تو کشود کار پر بھی لامحالہ قادر ہوں گے۔ یہ ہے پیراں نمی پرند و مریداں می پرانند۔ پھر ان لوگوں نے کھایا سو کھایا اور پہنا سو پہنا۔ تھوڑی ہی مدت میں زر و جواہر بہت کچھ جمع ہو گیا اس کی تقسیم میں ملا قرآنی اور شاہ صاحب میں ہوئی تکرار اور پردہ فاش ہو گیا۔ نوبت بعدالت پہنچی سارا مال و متاع ضبط ہوا اور یہ سب لوگ شہر بدر کر دیئے گئے۔

داغ

دعا یہ ہے کہ وقت مرگ مشکل اس کی آساں ہو
زباں پر داغ کی نام آئے یارب یک بیک تیرا

غالب

پنہاں تھا دام سخت قریب آشیانہ کے — اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

’’زید جوان نہ ہونے پایا جو قضا آ پہنچی۔‘‘

مقام مفاجات میں کہ اور جو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کیے جاتے ہیں۔

تمنا کے حرف

وہ حروف جو آرزو کے موقع پر بولے جائیں۔

کاش۔اے کاش۔کاشکے۔

یہ حرف ماضی اور مضارع دونوں طرح کے فعلوں پر آتے ہیں۔

غالب

نہ کرتا کاش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمدم — کہ ہوگا باعث افزائش درد دروں وہ بھی

میر تقی

کاش اس کے روبرو نہ کریں مجھ کو حشر میں — کتنے مرے سوال ہیں جن کا نہیں جواب

غالب

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں — کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

توبۃ النصوح میں نصوح زندگانی کی تمنا کرتا اور کہتا ہے ’’اے کاش میں کچھ نہیں تو دس بارہ برس ہی اور جی جاتا۔‘‘ شعر

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا کاشکے ہوتا قفس کا وہ کھلا

پہلے اے کاشکے بھی بولتے تھے۔ اب متروک ہے۔ کبھی اے وائے بھی کاش کی جگہ بولا جاتا ہے۔ غالب

آتش کدہ ہے سینہ مرا راز نہاں سے اے وائے اگر معرض اظہار میں آوے

تحسین و آفرین کے حرف

وہ حرف جو تعریف کے مقام پر منہ سے نکلتے ہیں تحسین و آفرین کے حرف کہلاتے ہیں۔

آفرین۔ شاباش۔ خوب۔ بہت خوب۔ بارک اللہ جزاک اللہ۔ واہ۔ واہ وا۔ کیا کہنا ہے۔ سبحان اللہ۔ ماشاء اللہ۔ چشم بددور۔ واہ رے۔ اللہ اللہ رے۔ بل بے ہائے ہائے۔ احسنت۔ مرحبا۔ حبذا۔ حیف نظر۔ زہے۔ نام خدا۔ صل علی

بدر منیر کا مصنف خاتمہ کتاب میں کہتا ہے۔ بیت

غرض جس نے اس کو سنا یوں کہا حسن آفریں آفریں مرحبا

"شاباش بیٹا شاباش خوب پڑھتے ہو۔"

کسی کا عمدہ کلام سنتے یا اس کو پسند کرتے ہیں تو کہتے ہیں۔ خوب۔ بہت خوب بارک اللہ جزاک اللہ۔ واہ وا۔ کیا کہنا ہے☆۔ سبحان اللہ۔

کوئی خوشنما چیز یا پاکیزہ شکل دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں "سبحان اللہ" "ماشاء اللہ" "چشم بددور۔"

☆ نظم میں ہے حذف بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے امیر مینائی

پڑھتے ہیں دیکھ کے اس بت کو فرشتے بھی درود مرحبا صل علیٰ صل علیٰ کیا کہنا

ماشاء اللہ۔ چشم بددور دفع نظر بد کے لیے کہتے ہیں۔ شعر

ہ رے شور محبت خوب ہی چھیڑ کا نمک — استخواں میری ہما کس مزے سے کھائے ہے

ہر دریا ہے سنے شعر زبانی اس کی — اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اس کی

وٹی اکسیر کی اور پارس اگر ہاتھ آئے — بل بے ہمت ترے نزدیک یہ پتھر ہے وہ گھاس

"ہائے۔ ہائے ہائے۔ کیا کلام ہے۔ بس جادو ہے جادو۔ نہیں بلکہ اعجاز۔" شعر

حسنت دبیر اب تو سخن ہے ترا اعجاز — ہر مصرع موزوں در مکنوں سے ہے ممتاز

یں بھی اس رشک چمن محفل میں وہ مطلع پڑھوں — بلبل تصویر سن کے بول اٹھے مرحبا

مومن

پڑھ کوئی وہ غزل کہ اعدا بھی — حبذا حبذا کہیں سن کر

غالب

صبر آزما وہ ان کی نگاہیں کہ ہف نظر — طاقت ربا وہ ان کا اشارہ کہ ہائے ہائے

ذوق

نور معنی ہے بہر شکل نتیجہ اس کا — اللہ اللہ رے زہے شکل شہنشاہ شکیل

غالب

دیکھیے لاتی ہے اس شوخ کی نخوت کیا رنگ — اس کی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہیں

صل علیٰ یہ عربی لفظ ہیں اور ان میں علیٰ حرف جو ہے اور معلوم ہے کہ حرف جر بے مجرور کما ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ عربی میں کبھی حرف جر بے مجرور نہیں آتا۔ اور یہی سبب ہے کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب صل علیٰ کا استعمال جائز نہیں رکھتے تھے۔ ان کا مقولہ یہ تھا کہ حرف جر بے مجرور بولنا ایک عامیانہ اور سوقیانہ (یعنی بازاری لوگوں کی) بول چال ہے۔ چنانچہ ان کے کسی شاگرد کی غزل میں یہ لفظ ہوتا تو اس کی جگہ اور لفظ بنا دیتے۔ مگر چونکہ ان کے ہم عصر

مسلم الثبوت استاد شیخ ابراہیم ذوق نے اس کو استعمال کیا ہے اور اہل زبان بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے اب یہ محاورہ اور سند ٹھہر گیا ہے۔ ذوق کہتے ہیں۔

وہ کہے صل علیٰ یہ کہے سبحان اللہ دیکھیں مکھڑے پہ جو تیرے مہ و اختر سہرا

تحسین کے الفاظ کبھی طنزاً بھی بولے جاتے ہیں۔ شعر

ناکسوں سے ربط بد وضعوں سے صحبت واہ واہ دیکھ لی حضرت سلامت میرزائی آپ کی

نشاں مٹا تو مٹا بل بے پستی قسمت کہ نام بھی نہ ہمارا کبھی بلند ہو

حالی

ستوں چشم بددور ہیں آپ دیں کے نمونہ ہیں خلق رسول امیں کے

ہوا علم و دیں جس سے تاراج سارا وہ ہے ہف نظر علم انشا ہمارا☆

نفریں کے حرف

جو پھٹکار کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔

لعنت۔ اے لعنت خدا۔ پھٹے منہ۔ تف۔ خدا کی مار۔ در☆☆ دُر دُر۔ پھٹ پھٹ۔ زوف۔

☆ یہ ٹیپ کا شعر ہے پورا بند یوں ہے۔

وہ شعرا اور قصائد کا ناپاک دفتر عفونت میں سنڈ اس سے جو ہے بدتر

زمیں جس سے ہے زلزلے میں برابر ملک جس سے شرماتے ہیں آسماں پر

ہوا علم و دیں جس سے تاراج سارا

وہ ہے ہفت نظر علم انشا ہمارا

☆☆ در دُور کا مخفف ہے اور دُر دُر دور دور کا۔

توبۃ النصوح میں نصوح توبہ کرتا ہوا کہتا ہے۔ ''لعنت ہے مجھ پر اگر اب مدۃ العمر گناہ کے پاس پھٹکوں۔ تف ہے میری زندگی پر اگر مصیبت پر اقدام کروں۔'' ذوق

ل فقر کی دولت سے مرا اتنا غنی ہے   دنیا کے زر و مال پہ میں تف نہیں کرتا

مصرع

اہل طمع اہل ہوس پر ہے زوف

نفرت کے حرف

جو بیزاری اور ناپسندیدگی کے اظہار اور دھتکار کے موقع پر بولے جائیں۔

چھی۔ ہشت۔ چل پرے ہٹ۔ دُر۔ دُر دُر۔ دُور ہو۔ دُور۔ تف۔ تھو۔ استغفر اللہ۔ معاذ اللہ۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

رنج و بیتابی کے حرف

جو تکلیف اور گھبراہٹ کی حالت میں منہ سے نکلیں۔

آہ۔ اُف۔ اُف۔ اُف۔

نواب مرزا خاں داغ

کوسوں تک الٹے پاؤں چلا آہ میں غریب   جب تک مری نظر سے نہ پنہاں وطن ہوا

ذوق

وہ کون ہے جو مجھ پہ تاسف نہیں کرتا   پر میرا جگر دیکھ کہ میں اُف نہیں کرتا

سخت گرمی پڑتی ہے تو کہتے ہیں ''اُف اُف گرمی گرمی۔''

تزئین کلام کے حرف

جو کلام کی زینت اور خوبصورتی کے لیے بولے جاتے ہیں۔

بھلا۔ بارے۔ آخر۔ ہاں۔ اچھا۔ پس۔ تو۔ بھی۔ نہ سہی لے۔ لو۔ آؤ۔ وغیرہ۔ ''بھلا کچھ تو فرمائیے۔'' مومن

دھو دیا اشک ندامت نے گناہوں کو مرے تر ہوا دامن تو بارے پاک دامن ہو گیا
غالب

حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں

ہاں تو غرض یہ ہے۔ ''اچھا ہم پوچھتے ہیں۔''
عبدالرحمٰن خاں احسان

بیٹھ اے آہ بس خدا نہ کرے تجھ کو فرصت ہو سر اُٹھانے کی
مومن

سم کھا ہوے تو درد دل زار کم ہوا بارے کچھ اس دوا سے تو آزار کم ہوا

صبو کچھ بھی تم کرتے ہو خدا اس سے باخبر ہے۔ ''آؤ نہ'' ''دیکھو تو سہی۔'' شعر

لے میں خود کوچہ جلاد کو اے موت چلا میں ہی آتا ہوں ترے پاس تو کیا آتی ہے

سینے پہ ہاتھ رکھتے ہی کچھ دم پہ بن گئی لو جان کا عذاب ہوا دل کا تھامنا

ہو کے بیزار عبث گھر کو نہ جاؤ آؤ تھوڑے سے رنج کو اتنا نہ بڑھاؤ آؤ

جتنے حرف تزئین کلام میں آتے ہیں سب زائد ہوتے ہیں اور کچھ معنی نہیں دیتے لیکن اگر یہ نہ ہوں تو کلام بے مزہ سا ہو جائے۔ ان سے خوش نمائی کے علاوہ کلام میں زور بھی آ جاتا ہے۔

تہنیت یعنی مبارک باد کے حرف

مبارک۔ سلامت۔ مومن

گیا رنج نواب اصغر علی خاں　　مبارک سلامت سلامت مبارک

توبہ اور امان و پناہ کے حرف

توبہ۔ توبہ توبہ۔ الٰہی توبہ۔ الامان۔ الامان الامان۔ معاذ اللہ۔ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ عیاذاً باللہ۔ داغ

زاہد مری شراب کے چسکے ہی اور ہیں　　توبہ مے طہور میں ایسا اثر کہاں

"کیا گورنمنٹ جابر اور سخت گیر ہے۔ توبہ توبہ ماں باپ سے بڑھ کر شفیق۔" رند

الٰہی الاماں رہیو نگہباں اپنے بندوں کا　　بلا نازل ہوئی شانے پہ کاکل اس نے چھوڑا ہے

"کیسی لو چلتی ہے الاماں الاماں" ظفر

کیا غارت ہزاروں کو ظفرؔ دنیا کی الفت نے　　بری آفت ہے یہ دنیا معاذ اللہ معاذ اللہ

غالب

کس قدر ہرزہ سراہوں کہ عیاذاً باللہ　　یک قلم خارج از آداب وقار و تمکیں

کلمہ قدوم

وہ کلمہ جو کسی کے آنے کے وقت مسرت میں بطور دعا بولا جاتا ہے۔

خیر مقدم۔ ذوق

بارک اللہ کی دُر افشاں ہے تو اے ابر بہار　　خیر مقدم کہ خراماں ہے تو اے باد شمال

کلمات خلاصہ کلام

وہ الفاظ جن سے ظاہر ہو کہ متکلم کلام سابق کا خلاصہ بیان کرتا ہے۔

غرض۔ الغرض۔ القصہ۔ قصہ کوتاہ۔ قصہ مختصر۔ المختصر۔ سخن کوتاہ۔ داغ

بیگانہ دیکھا ہر اک یگانہ دیکھا اپنے مطلب کا سب زمانہ دیکھا

جس کو دیکھا غرض۔ غرض کا اپنی دنیا کا عجیب کارخانہ دیکھا

"الغرض خدا کا کوئی فعل حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں جیسے ہمارے دل بودے ہماری ہمتیں پست ہمارے ارادے متزلزل ہمارے ایمان ضعیف ہیں۔ نہ ایسے ہی زمانے میں ہم کو پیدا بھی کیا گیا ہے کہ پردہ ڈھکا چلا جاتا ہے۔"

بدرمنیر

سنی شہ نے القصہ جب یہ خبر گرا خاک پر کہہ کے ہائے پسر

مومن

یہ بات بڑھی کہ مر گئے ہم موت آئی تھی قصہ مختصر رات

رند

المختصر اک جہاں پہ ہے رند احسان ابو الظفر بہادر

حالی

سخن کوتاہ دار العلم پر ہوں قوم کے نازاں جو آ کر اس کا ایک ایک در مکنوں من وعن دیکھیں

کلمات خلاصہ کلام نثر میں ہمیشہ جملے کے آغاز میں آتے ہیں۔ نظم میں یہ پابندی نہیں جیسا کہ امثلہ مذکورہ سے ظاہر ہے۔

حروف تعجب

جو کسی عجیب چیز کو دیکھ کر خوشی کی حالت میں زبان سے نکلتے یا تعجب کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔

اللہ۔ اللہ اللہ۔ اللہ رے۔ اللہ اللہ رے۔ اللہ اکبر۔ اوہو۔ اے ہے۔ آہا۔ تعالیٰ اللہ۔ سبحان اللہ۔ صل علی۔ بل بے۔ اف رے۔ اف ری۔ افوہ۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ حاشاہ کلا

شعر

اللہ اللہ کس قدر رہ مقصود دور ہے — پیک خیال راہ میں تھک کے رہ گیا

لطیفہ:

کسی نے مرزا غالب کو امراؤ سنگھ نام ایک شاگرد کی دوسری بی بی کے مرنے کا حال لکھا۔ مرزا صاحب اس کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں کہ "امراؤ سنگھ کے حال پر اس کے واسطے رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ہے۔ اللہ اللہ ایک وہ ہیں کہ دو دو بار ان کی بیڑیاں کٹ چکی ہیں اور ایک ہم ہیں کہ ایک اوپر پچاس برس سے جو پھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ہے نہ پھندا ہی ٹوٹتا ہے نہ دم ہی نکلتا ہے۔" (یعنی نہ بیوی صاحب ہی مرتی ہیں نہ اپنا ہی دم نکلتا ہے۔) شعر

اللہ رے ذوق دشت نوردی کہ بعد مرگ — ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤں

ذوق

سبحان اللہ داد گرا ے خسر و انصاف پرست — اللہ اللہ رے عدالت کا تری نظم و نسق

ظلم کو اللہ اکبر کیا ترے توقیر ہے — داخل ہر بانگ ہے شامل بہر تکبیر ہے

ہر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے — یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

''او ہو حامد کے مزاج میں اس قدر تغیر ہو گیا ہے۔''

''اے ہے استانی جی تم اپنے منہ سے کیسی بات کہتی ہو۔''

''ایک دن اتفاق سے حضرت بی صاحب کے بڑے نواسے نے اس (کتاب) کو میرے جزدان میں دیکھ کر کہا کہ آہا میاں سلیم تم بڑے چھپے رستم نکلے۔'' (توبۃ النصوح)

مصرع

رخ تعالیٰ اللہ زلف صل علےٰ

''سبحان اللہ باغ ہستی کی عجب بہار ہے۔'' ذوق

بل بے استغنا کہ وہ تو آتے آتے رہ گئے — اف ری بیتابی کہ یاں تو دم ہی نکلا جائے ہے

خاک کے پتلے نے دیکھ کیا ہی مچایا ہے شور — فرش سے لے عرش تک کر رہا ہے اپنا زور

سینے میں قلزم کو لے قطرے کا قطرہ رہا — بل بے سمائی تری اف رے سمندر کے چور

''اُفوہ نقشہ ہے کہ شیطان کی آنت ہے۔'' ''لاحول ولا قوۃ الا باللہ کیا دھوکا ہوا۔''

''حاشا وکلا یہ☆ یہ تو بڑا بھاری بہتان ہے۔''

حروفِ انبساط

جو فرط لذت یا خوشی میں زبان پر آتے ہیں۔

اہاہا۔ اُہو ہو۔ واہ وا۔ سبحان اللہ۔ ماشاء اللہ۔ چشم بد دور۔ اہا ہا ہا۔ اُہو ہو ہو۔ ''اہاہا کیا بہار ہے'' ''او ہو ہو کیا ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔'' ذوق

واہ وا کیا معتدل ہے باغ عالم کی ہوا
مثل نبض صاحب صحت ہے ہر موج صبا

''سبحان اللہ باغ کیا ہے بہشت ہے۔''

توبۃ النصوح میں ہے "لیکن میرے اور میرے بچوں کے زیور اور کپڑے دیکھ کر باغ باغ ہو جاتی ہیں اور ہر چیز پر کہے جاتی ہیں ماشاء اللہ چشم بددور اللہ زیادہ دے اللہ نصیب کرے۔ ظفر

کہو کیا رنگ اس گل کا اہاہاہا اہاہاہا☆
ہوا رنگین چمن سارا اہاہاہا اہاہاہا

ظفر تاثیر فخر دیں سے میرے کام کا عقدہ
کھلا کیا ہے بآسانی اُہوہوہو اُہوہوہو

تعجب دو طرح ہوتا ہے۔ ایک اچھی جگہ ایک بری جگہ۔ عرب دونوں جگہ سبحان اللہ بولتے ہیں۔ اردو کے اہل زبان جیسا کہ مولوی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں تعجب کے قام پر اچھی جگہ سبحان اللہ بولتے ہیں اور بری جگہ حاشا وکلا۔

☆ ان شعروں میں الفاظ اہاہاہا اور اُہوہوہو۔ دُہرائے گئے ہیں ۱۲۔